जय श्री राम
دھارمک نمبر
عالمی
اُردو ادب
مئی ۲۰۱۲ء
مدیر:
نند کشور وکرم
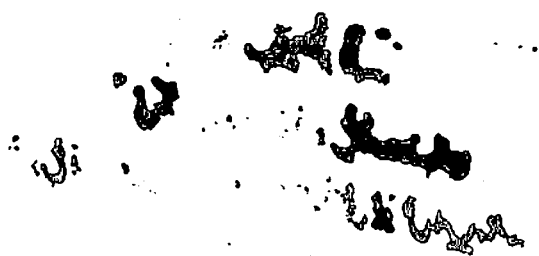
اردو کا واحد حوالہ جاتی جریدہ

عالمی اردو ادب

دھارمک نمبر

۲۰۱۲

مدیر

نند کشور وکرم

قیمت ۳۰۰ روپے

جلد نمبر ۳۲

عالمی اُردو ادب
ایف ۱۴/۲۱ (ڈی) کرشن نگر، دہلی-۱۱۰۰۵۱

ISBN 978-81-88298-23-5

Aami Urdu Adab

Dharmik Number 2012

Price Rs.300

عالمی اُردو ادب

ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی۔۱۱۰۰۵۱
فون: ۲۲۰۹۴۴۱۹-۱۱
ای میل: nandkishorevikram@yahoo.co.in

ALAMI URDU ADAB
F-14/21(D) Krishan Nagar, Delhi110051
phone:11-22094419
E-mail: nandkishorevikram@yahoo.co.in

عیسائی دھرم

ہندو دھرم

رامائن

رام سے متعلق چند نظمیں

بھگوت گیتا

کرشن نامہ

دیوی ماں

بھرتری ہری شتک

ستیارتھ پرکاش

مہابھارت

بھجن اور آرتیاں

پیش لفظ

''عالمی اُردو ادب'' کا 'غیر اسلامی مذہبی ادب' سے متعلق 'دھارمک نمبر' آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، امید ہے آپ کو یہ پسند آئے گا۔

مجھے ایک مدت سے احساس ہورہا ہے کہ اب اُردو سے غیر مسلموں کا ناتا بوجوہ منقطع ہوتا جارہا ہے۔ اور اگر یہی صورتِ حال رہی تو جلد ہی یہ صرف مسلمانوں کی زبان بن کر رہ جائے گی اور چند دہوں بعد غیر اسلامی مذاہب یعنی بودھی، جینی، سکھ، عیسائی اور ہندومت سے متعلق لٹریچر نایاب ہوکر رہ جائے گا لہٰذا اس کے بارے میں ایک خصوصی شمارہ شائع کیا جائے تا کہ مستقبل میں اگر کوئی ان سے متعلق تحقیق کرنے کی زحمت کرے تو اسے بنیادی مواد دستیاب ہوسکے۔

جب مَیں نے اس نمبر کا علان کیا تھا تو اُس وقت مجھے ان دشواریوں کا اندازہ نہیں تھا جو اس راہ میں درپیش آئیں گی مگر جب اس سلسلے میں کھوج شروع کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو ایک کارِ دشوار ہے جو کسی فرد کا نہیں بلکہ ادارے کا کام ہے تاہم میں نے حتیٰ الوسع اس تحقیقی سلسلے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی اور اب اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں 'عالمی اُردو ادب' کا مقصد اہلِ اردو کو نئے موضوعات پر حوالہ جاتی مواد فراہم کرنا ہے اس لئے دیگر رسائل و جرائد کی طرح اس میں گھسے پٹے موضوعات سے ہٹ کر ہم نئے نئے موضوعات سے اہلِ اُردو کو روشناس کراتے ہیں۔ ہم میرؔ، غالبؔ، اور اقبال کے بجائے موجودہ دَور کے ممتاز و نامور ادباء و شعراء پر خصوصی شمارے اور گزشتہ سال وفات پانے والے ادیبوں اور شاعروں کی ادبی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرانے اور اردو کے دیگر مسائل و موضوعات سے متعلق مواد فراہم کرانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ مستقبل میں ان حضرات پر تحقیق کرنے والوں کو بنیادی مواد فراہم ہوسکے۔ غیر اسلامی مذہبی ادب سے متعلق ''دھارمک نمبر'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس نمبر کو پیش کرنے کا ارادہ میں نے اس لئے کیا ہے کیونکہ مجھے احساس ہورہا ہے کہ یونیورسٹیوں میں غیر اسلامی مذہبی ادب سے متعلق تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہورہا ہے اور جین دھرم، بدھ مت، عیسائی دھرم، سکھ مت اور ہندو دھرم سے متعلق اُردو شعبے نہ کے برابر توجہ دے رہے اور اس سلسلے میں ان پر کوئی کام نہیں ہورہا حالانکہ آزادی

سے پیشتر ان مذاہب سے متعلق بے شمار کتابیں چھپ رہی تھیں اور کئی رسائل بھی منظرِ عام پر آرہے تھے مگر اب آہستہ آہستہ یہ سلسلہ بند سا ہوتا جارہا ہے اور ان مذاہب سے تعلق رکھنے والے حضرات اُردو سے نابلد ہوتے جارہے ہیں۔ نئی نسل کے زیادہ تر طلباء انگریزی اور ہندی کی جانب رجوع کرتے جارہے ہیں اور اب اُردو جسے کبھی گنگا جمنی یا مشترکہ تہذیب کی دین کہا جاتا تھا، آہستہ آہستہ مسلمانوں کی زبان بنتی جارہی ہے اور اگر یہی صورتِ حال رہی تو آئندہ دس پندرہ سال بعد جب حصولِ آزادی سے پہلے پیدا ہونے والی نسل ختم ہوجائے گی، تو یہ مکمل طور پر مسلمانوں کی زبان بن کر رہ جائے گی اور صرف کتابوں میں ہی گنگا جمنی یا مشترکہ تہذیب کی حیثیت سے ہی اس کا ذکر ملے گا۔

بٹوارے کے بعد جب پاکستان سے غیر مسلم بہ عالم مجبوری ہندوستان آئے تھے تو اس وقت اُردو کے لئے سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ ایک طرف ہندی کو قومی زبان قرار دے دیا گیا تھا اور دوسری طرف اُردو کو پاکستان میں قومی زبان کا درجہ مل جانے سے ہندوستان میں اس کی حمایت کرنا دشوار ہوگیا تھا۔ تقسیم اور دنگوں سے خوفزادہ مسلمان اس کی حمایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ دس پندرہ سال میں اُردو ہندوستان میں ختم ہوکر رہ جائے گی مگر اس دور میں غیر مسلم ادباء وشعراء کھلے عام اس کی حمایت کرتے رہے اور اس کی سرگرمیوں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے رہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آزادی کے بعد یہاں سے روزنامہ پرتاپ، ملاپ، اجیت، تیج، ہند سماچار، ہفتہ وار شیرِ پنجاب، ماہنامہ چندن، اور راہی وغیرہ متعدد اخبارات ورسائل منظرِ عام پر آرہے تھے جو غیر مسلموں کے تھے۔ یہی نہیں اُس دور میں مہاشہ کرشن، رنبیر، جمنا داس اختر، نانک چند ناز، پریتم ضیائی، سادھو سنگھ ہمدرد، سنتوش کمار، اوم پرکاش نامی، جنگ بہادر سنگھ ایسے صحافی صحافت کے میدان میں موجود تھے اور دنیائے ادب میں، جوش ملسیانی، تلوک چند محروم، فراق گورکھپوری، جگن ناتھ آزاد، کرپال سنگھ بیدار، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، عرش ملسیانی، پروفیسر گیان چند، مالک رام، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، بلونت سنگھ، دیویندر ستیارتھی، کرتار سنگھ دُگل، رامانند ساگر، کشمیری لال ذاکر، کنہیا لال کپور، اپندر ناتھ اشک، ایسی ہستیاں اپنے شعر وادب سے اُردو کو مالا مال کررہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی ایک نئی پود نے بھی لکھنے کی شروعات کرکے جلد ہی تاریخ اُردو ادب میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ اس نئی نسل سے اُبھرنے والے ان گنت ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور محققوں میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، دیویندر اسر، رام لعل، دشوا ناتھ درد، سریندر پرکاش، بلراج کومل، بلراج مینرا، جوگندر پال، مانکٹالہ، گوربچن چندن، ستیہ پال آنند، ڈاکٹر حکم چند نیر، عابد پیشاوری، پریم پال اشک، م۔م۔راجندر، راج بہادر گوڑ، ظفر پیامی، ظفر ادیب، بلراج

ورما، رتن سنگھ، کیول دھیر، جینت پرمار، ریوتی سرن شرما ش۔ک۔ نظام، چندر بھان خیال، کرشن کمار طورؔ، کمار پاشی راج نرائن رازاور باقیؔ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی ادبی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

حصولِ آزادی کے بعد اُردو کے بارے میں عام لوگوں کا یہ خیال کہ اُردو جلد ختم ہو جائے گی، غلط ثابت ہوا۔ مگر اب نئے حالات میں ہندی قومی زبان بن جانے پر غیر مسلموں کے بچوں نے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے بچوں نے بھی اُردو کے بجائے ہندی پڑھنا شروع کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں عام اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا سلسلہ منقطع سا ہو کر رہ گیا ہے اور صرف اردو کی تعلیم مدرسوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ خدشہ بھی لاحق ہو گیا ہے کہ آئندہ دس پندرہ سال میں آزادی سے پہلے کی اُردو نسل جواب ستر اور بچاسی کے بیچ میں ہے اور جو تعداد میں تین چار درجن سے زیادہ نہیں رہی، ختم ہو جائے گی تو پھر اُردو کے غیر مسلم ادیب ڈھونڈے سے ہی ملا کریں گے اور قدرتی طور یہ اُردو مکمل طور پر مسلمانوں کی زبان بن جائے گی؟

ایسی صورتِ حال میں غیر مسلم مذہبی ادب اور ادیبوں کی جانب کون توجہ دے گا؟ یہ لوگ قصۂ پارینہ بن کر رہ جائیں گے اور ان موضوعات پر بہت کم تحقیق کی گنجائش رہ جائے گی کیونکہ اب تو بعض یونیورسٹیوں میں پروفیسر صاحبان خود اپنے پر اور اپنے حواری ادیبوں اور شاعروں پر پی ایچ ڈی کرنے کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں جن کی ادب میں کوئی وقعت و اہمیت نہیں۔ اس کے علاوہ سرکار کے ذریعے اسے مسلمانوں کی زبان سمجھ کر مراعات دینے سے بھی نقصان پہنچا ہے اور اور اب صرف حسبِ ضرورت جلسوں اور مجلسوں میں ہی اسے سب کی مشترکہ زبان قرار دیا جاتا ہے ورنہ عام طور پر مسلمانوں کی اکثریت اسے مسلمانوں کی زبان سمجھنے لگی ہے۔

اس خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ مستقبل میں معلوم نہیں اس مشترکہ زبان کی کیا حیثیت ہو، ہم نے غیر مسلم مذہبی ادب یعنی ''دھارمک نمبر'' پیش کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے تاکہ اگر کبھی غیر مسلم اُردو ادیبوں، شاعروں یا اُن کے مذہبی ادب کے بارے میں کوئی تحقیق کرنا چاہے تو اسے اس نمبر کے توسط سے کچھ ضروری اور بنیادی معلومات حاصل ہو سکیں۔

آخر میں ہم ڈاکٹر اجے مالوی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی ہندو دھرم سے متعلق کتابوں ''اُردو میں ہندو دھرم''، ''شریمد بھگوت گیتا'' اور ''ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز'' وغیرہ سے ہم نے اس نمبر کی تیاری کے دوران استفادہ کیا ہے۔

نند کشور وکرم

شارب ردولوی

اُردو میں

جین، بدھ، سکھ اور ہندو مذاہب کی کتابیں

ہندوستان مختلف زبانوں اور مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ یہاں ہر چند میل پر زبان، اس کا لب و لہجہ اور انداز بدل جاتا ہے۔ یہاں کی بیشتر ریاستیں ذولسانی اور سہ لسانی ہیں۔ ریاستوں کی لسانی تقسیم کے باوجود یہ دوہری شکل موجود ہے۔ اسی طرح ایک جگہ کی تہذیب، کھانا پینا، لباس اور رسم و رواج دوسری جگہ سے بہت حد تک مختلف ہیں۔ زبانوں اور تہذیبوں کی یہ رنگا رنگی کسی دوسری جگہ مشکل سے دیکھنے میں آئے گی۔ اس لسانی اور تہذیبی اختلاف کے باوجود قوسِ قزح کے رنگوں کی طرح اپنی انفرادیت باقی رکھتے ہوئے سب شیر و شکر رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ وہ وسیع النظری، رواداری اور پاسِ جذبات ہے جو اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان کی اس مشترکہ تہذیب سے اُردو وجود میں آئی۔ وسیع النظری، رواداری، باہمی محبت و احترام اور نامذہبیت اسے صوفی اور سنتوں سے وراثت میں ملی، جنہوں نہ صرف اس کی خشتِ اول رکھنے کا کام کیا تھا بلکہ اس کے ارتقا و کردار کی تعمیر میں اہم کام انجام دیئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان دکن کا پتھریلا علاقہ ہو یا دوآب کی نرم سرزمین، مشرق کی مرطوب آب و ہوا ہو یا مغرب کی ریتلی زمین، ہر جگہ محبت اور بھائی چارے کی زبان بن کر اس طرح پھیلی کہ گھروں اور بازاروں پر چھا گئی۔ ہندوستان میں بہت سی زبانیں ہیں جو قابلِ فخر علمی و ادبی اثاثہ رکھتی ہیں۔ لیکن وہ تمام زبانیں اپنے احاطوں میں محصور ہیں۔ اور اپنے احاطے سے نکلنے کے بعد اس وقت تک، اجنبی ہی رہتی ہیں جب تک کوئی 'محرم' نہ مل جائے۔ سوائے اُردو زبان کے جس کے

لئے نہ ریاستی حد بندی کی کوئی حیثیت ہے اور نہ تہذیبی، لسانی یا مذہبی حدود کوئی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے بہت بڑی تعداد میں ہر ریاست، ہر مذہب، ہر عقیدے کے لوگوں میں مل جاتے ہیں۔ اس کی اس خوبی کا بنیادی سبب اس زبان کا کردار ہے جو ہمیشہ سیکولر رہا ہے۔ اور جس نے ہر چیز کو کشادہ دلی، خندہ پیشانی اور وسیع النظری کے ساتھ قبول کیا۔ یوں تو اس کے کردار کے مطالعہ کی کئی جہتیں ہیں جن سے قومی یکجہتی اور سیکولر نقطۂ نظر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ خاص طور پر رواداری، انسان دوستی، جذباتی ہم آہنگی اور قوم پرستی کے جذبات میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ جس کی مثالوں سے نثر و نظم کا دامن بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اس زبان کی تراش خراش اور اظہار و اسلوب کے نئے پیرائے تلاش کرنے اور بنانے کا کام ہر مذہب، ہر عقیدے اور ہر علاقے کے لوگوں نے کیا ہے۔ اس اختلاف عقائد نے رواداری، دوسروں کے جذبات کا احترام اور انسان دوستی کے جذبات کو بڑھایا۔ ہندو شعراء نے حمد و نعت اور منقبت لکھیں، اسلامی عقائد، اسلامی فلسفے تصوف اور اسلامی تلمیحات کو اپنے کلام میں بڑی خوبصورتی اور لطیف پیرایۂ بیان کے ساتھ پیش کیا تو مسلمان شعرا نے کرشن بھگتی کے گیت لکھے، رام چندر جی اور دوسرے مذہبی بزرگوں کے بارے میں نظمیں لکھیں اور ہندو فلسفے اور ویدانت کے نکات کو نظم کیا۔ اُردو کے اس بنیادی کردار کی نشان دہی کے لئے یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کوئی خالق، باری، رب مولا، رحمان، رحیم۔ اللہ، تنگری
کوئی الکھ روپ، کرتار کہے، نرنکار، نرنجن، نر دھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے، کوئی بولے شیو شیو، ہری ہری
کوئی دانوں، دینت، دیوائل، کوئی راچھس، دیوت، جن پری
کُل عالم تجھ کو یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
(نظیر اکبرآبادی)

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
(اقبال)

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا

دم بھرتی ہے عاشقی اسی کا
پیغام حیاتِ جاوداں کا
ہر نغمہ کرشن بانسری کا
(حسرت موہانی)

کرتا ہے یہ دو زباں سے اکثر
حمدِ حق و مدحتِ پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی یہ مطیعِ پنجتن ہے
(دیا شنکر نسیم)

ان اشعار سے رواداری، یکجہتی، دوسرے مذاہب کا احترام اور وسیع النظری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو اُردو تہذیب نے پیدا کی ہے۔اُردو میں مختلف مذاہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کے بارے میں جتنا لکھا گیا ہے، ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں مشکل سے نظر آئے گا۔پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تحریریں صرف اُس مذہب یا عقیدے کے ماننے والے لوگوں کی ہی نہیں ہے اس لئے کہ کسی عقیدے کے ماننے والے تو اپنے بزرگوں کے احترام وعقیدت کا اظہار کرتے ہی ہیں یہ کوئی بُری بات نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسلام یا پیغمبر اسلام کے بارے میں لکھا ہو یا ہندوؤں نے کرشن جی رام چندر جی یا دوسرے دیوتاؤں اور دیویوں کے لئے عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہو، اُردو میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جہاں اسلام پیغمبرِ اسلام، آئمہ یا شہدائے کربلا کی شان میں نعت ومنقبت اور سلام و مراثی مسلمان شعراء نے لکھے ہیں، وہیں ان کی شانہ بہ شانہ اسی صف میں برج نرائن چکبست دیا شنکر نسیم، منوہر سہائے انور، بشیشور پرشاد منور لکھنوی اور نہ جانے کتنے غیر مسلم شعراء نظر آتے ہیں۔اسی طرح ہندو دھرم یا دوسرے مذاہب کے سلسلے میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی تصانیف کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔جن میں سے بعض مثالیں اُوپر دی جا چکی ہیں۔اسی طرح اُردو زبان نے سارے ملک میں یگانگت، محبت، رواداری اور احترام کی فضا پیدا کی۔

اس کے علاوہ اُردو زبان کا ایک بہت بڑا کارنامہ اس میں پایا جانے والا مذہبی ادب ہے۔اس موقع پر مَیں صرف چند مذاہب کی بعض اہم کتابوں اور تراجم کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔اس میں مَیں نے اسلامی کتب اور عیسائیت سے متعلق کتابوں اور قرآن و بائبل کے تراجم کو شامل

لئے نہ ریاستی حد بندی کی کوئی حیثیت ہے اور نہ تہذیبی، لسانی یا مذہبی حدود کوئی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے بہت بڑی تعداد میں ہر ریاست، ہر مذہب، ہر عقیدے کے لوگوں میں مل جاتے ہیں۔ اس کی اس خوبی کا بنیادی سبب اس زبان کا کردار ہے جو ہمیشہ سیکولر رہا ہے۔ اور جس نے ہر چیز کو کشادہ دلی، خندہ پیشانی اور وسیع النظری کے ساتھ قبول کیا۔ یوں تو اس کے کردار کے مطالعہ کی کئی جہتیں ہیں جن سے قومی یکجہتی اور سیکولر نقطۂ نظر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ خاص طور پر رواداری، انسان دوستی، جذباتی ہم آہنگی اور قوم پرستی کے جذبات میں اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی مثالوں سے نثر و نظم کا دامن بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اس زبان کی تراش خراش اور اظہار و اسلوب کے نئے پیرائے تلاش کرنے اور بنانے کا کام ہر مذہب، ہر عقیدے اور ہر علاقے کے لوگوں نے کیا ہے۔ اس اختلاف عقائد نے رواداری، دوسروں کے جذبات کا احترام اور انسان دوستی کے جذبات کو بڑھایا۔ ہندو شعراء نے حمد و نعت اور منقبت لکھیں، اسلامی عقائد، اسلامی فلسفے تصوف اور اسلامی تلمیحات کو اپنے کلام میں بڑی خوبصورتی اور لطیف پیرایۂ بیان کے ساتھ پیش کیا تو مسلمان شعرا نے کرشن بھگتی کے گیت لکھے، رام چندر جی اور دوسرے مذہبی بزرگوں کے بارے میں نظمیں لکھیں اور ہندو فلسفے اور ویدانت کے نکات کو نظم کیا۔ اُردو کے اس بنیادی کردار کی نشان دہی کے لئے یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کوئی خالق، باری، رب مولا، رحمان، رحیم۔ اللہ، تنگری
کوئی الکھ روپ، کرتار کہے، نرنکار، نرنجن، نر دھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے، کوئی بولے شیو شیو، ہری ہری
کوئی دانوں، دینت، دیواٹل، کوئی راچھس، دیوت، جن پری
کُل عالم تجھ کو یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
(نظیر اکبرآبادی)

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
(اقبال)

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا

دم بھری ہے عاشقی اسی کا
پیغام حیاتِ جاوداں کا
ہر نغمہ کرشن بانسری کا
(حسرت موہانی)

کرتا ہے یہ دو زباں سے اکثر
حمدِ حق و مدحتِ پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی یہ مطیعِ پنجتن ہے
(دیاشنکرنسیم)

ان اشعار سے رواداری، یکجہتی، دوسرے مذاہب کا احترام اور وسیع النظری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو اُردو تہذیب نے پیدا کی ہے۔ اُردو میں مختلف مذاہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کے بارے میں جتنا لکھا گیا ہے، ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں مشکل سے نظر آئے گا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تحریریں صرف اُس مذہب یا عقیدے کے ماننے والے لوگوں کی ہی نہیں ہے اس لئے کہ کسی عقیدے کے ماننے والے تو اپنے بزرگوں کے احترام و عقیدت کا اظہار کرتے ہی ہیں یہ کوئی بُری بات نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسلام یا پیغمبرِ اسلام کے بارے میں لکھا ہو یا ہندوؤں نے کرشن جی رام چندر جی یا دوسرے دیوتاؤں اور دیویوں کے لئے عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہو، اُردو میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جہاں اسلام پیغمبرِ اسلام، آئمہ یا شہدائے کربلا کی شان میں نعت و منقبت اور سلام و مراثی مسلمان شعراء نے لکھے ہیں، وہیں ان کی شانہ بہ شانہ اسی صف میں برج نرائن چکبست دیا شنکر نسیم، منوہر سہائے انور، بشیشور پرشاد منور لکھنوی اور نہ جانے کتنے غیر مسلم شعراء نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ہندو دھرم یا دوسرے مذاہب کے سلسلے میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی تصانیف کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے بعض مثالیں اُوپر دی جا چکی ہیں۔ اسی طرح اُردو زبان نے سارے ملک میں یگانگت، محبت، رواداری اور احترام کی فضا پیدا کی۔

اس کے علاوہ اُردو زبان کا ایک بہت بڑا کارنامہ اس میں پایا جانے والا مذہبی ادب ہے۔ اس موقع پر مَیں صرف چند مذاہب کی بعض اہم کتابوں اور تراجم کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ اس میں مَیں نے اسلامی کتب اور عیسائیت سے متعلق کتابوں اور قرآن و بائیبل کے تراجم کو شامل

ہیں کیا ہے اس لئے کہ اسلام اور عیسائیت پر اُردو میں اتنی کتابیں ہیں کہ ان دونوں پر الگ الگ مضامین لکھنے کی ضرورت ہے۔ ہندو مذہب کی کتابوں کی تعداد بھی بے شمار ہے اور اس پر بھی الگ مضمون لکھا جانا چاہیے تھا لیکن مَیں نے اسے اس لئے شامل کرلیا کہ اس طرح اُردو کی وسعت، ہمہ جہتی اور رنگارنگی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

اُردو میں یوں تو مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں ملتی ہیں، وہ خواہ فلسفہ ہو یا منطق، طب ہو یا نجوم، سائنسی علوم ہوں یا شعروادب لیکن اس میں مختلف مذاہب، اُن کے اصول، اُن کے صحیفے اور پیشواؤں کے بارے میں جو کتابیں ملتی ہیں، وہ ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں اتنی کثیر تعداد میں مشکل سے ملیں گی۔ اُردو زبان کی وسعت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس میں پایا جانے والا مذہبی ادب کسی مذہبی مطالعے کے لئے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیتا ہے۔ بعض مذہبی صحیفوں کے تراجم اُردو میں اتنی کثرت سے ملتے ہیں کہ شاید اتنے تراجم کسی دوسری ہندوستانی زبان میں نہ ہوئے ہوں گے۔

اُردو میں ہندو مذہب سے متعلق ترجمے اور تصانیف کی تعداد بہت بڑی ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا لیکن جین مذہب جس کے بانی بھگوان مہاویر سوامی تھے اور جو ہندوستان کا ایک قدیم مذہب ہے اس کے بارے میں تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) کتابیں اُردو میں ملتی ہیں ان میں بعض کتابوں میں مشکل الفاظ کے معنی حاشیے پر دے دیئے گئے ہیں اور متن کو اسی زبان میں اُردو رسم الخط میں لکھ دے گیا ہے، لیکن بیشتر کتابیں سلیس وشگفتہ زبان میں تصنیف یا ترجمہ کی گئی ہیں۔

جین مذہب کی اہم کتابوں میں ''جین پوجن سنگرہ'' ہے جسے جین مندروں اور جین دھرم کے ماننے والوں کے یہاں صبح وشام عبادت کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس پوجن سنگرہ کے کئی ایڈیشن اُردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں سو سے زائد پوجن ہیں۔ کہیں انہیں اُردو میں ترجمہ کردیا گیا ہے اور کہیں حاشیے پر مشکل الفاظ کے معنی لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس میں ہر پوجا ایک عنوان کے تحت درج ہے اور منظوم ہے۔ مثلاً دیوشاستر گرو پوجا' بیس برہمان پوجا، آکرتم چیالیہ، کوار کھ وغیرہ۔

اسکے علاوہ شیو برت لال جی کی دو کتابیں 'اہنسا دھرم' اور ''جین دھرم'' کے نام سے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں بہت اچھی اُردو نثر میں ہیں۔ ان میں جین دھرم کے بنیادی فلسفے اور اس کے اصولوں کو پیش کیا گیا ہے۔ ''اہنسا دھرم' دگمبر اور سوئتامبر جینی فرقوں کے قدیم اور مستند و مقدس نوشتہ جات کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ اس میں بھگوان مہاویر کی پیدائش، حالاتِ زندگی، ریاضت،

پرچارانذر بھوتی، ذات پات، جیوا جیو، فلسفہ، سمیک درشن، سمیک گیان،، سمیک چرتر، معراج اور موکش وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

جین دھرم میں ''تیرتھنکروں'' کا ذکر ہے۔ جینی عقیدے کے مطابق جنہیں ایشور کہتے ہیں، یہ تیرتھنکر، پورن گرو، مرشد کامل، اور 'سرگیہ' یعنی ہر جگہ موجود ہیں، مہرشی شیو برت لال جی نے تیرتھنکروں کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اوران کے لئے مرشد کامل کی مثال دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مرشد کامل میں خدا اور رسول دونوں کی ذات پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے مولانا روم کی شاعری سے مثالیں دے کر اپنی بات کو ثابت کیا ہے۔۔ مثلاً ایک جگہ تیرتھکروں کی عظمت اوران کے اندر ذاتِ خداوندی کا جلوہ ہونے کے سلسلے میں مولانا روم کے یہ دو شعر لکھے ہیں

چوں تو کردی ذاتِ مرشد را قبول
ہم خدا در دانش آمد ہم رسول

☆

در بشر روپوش کردش آفتاب
فہم کن واللہ عالم باالصواب

اس طرح بھولا ناتھ جین نے سلیس نثر و نظم میں مرقع عبرت تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب جین مذہبی قصوں اور تاریخ سے ماخوذ ہے۔ اس میں سکمال کمار کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کہانی کو نثر اور منی مہاراج اور سکمال کمار کی گفتگو کو نظم میں لکھا گیا ہے۔ نظم کے لئے مسدس کی ہیئت اختیار کی گئی ہے۔ مثلاً منی مہاراج جب سکمال کمار کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے:

خوابِ غفلت سے مجھے آکر جگایا آپ نے
بندۂ احساں مجھے اپنا بنایا آپ نے
اس اسیرِ دام دنیا کو چھڑایا آپ نے
منزلِ مقصود کا رستہ بتایا آپ نے
آپ ہی کشتی مری ساحل پہ لائیں گے حضور
رحم کرکے میری بگڑی کو بنائیں گے حضور

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے کہ جین مذہب سے متعلق بہت سی کتابیں اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہاں پر اُن چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں تاکہ اُن کی نوعیت کے

بارے میں کچھ اندازہ ہو سکے۔جین قانون، چمپت رائے جین۔دھرم اور پرماتما، بابو شبھ داس جین، جین مت سار لالہ سندر لال جین، موکچ مارگ پرکاشک پنڈت ٹوڈرمل جین، جین سماج لالہ دیپ چند جین اور اسی طرح کی بہت سی کتابیں جین مذہب اور اصولوں سے متعلق اُردو میں موجود ہیں۔

بودھ مذہب کی کی زیادہ کتابیں اُردو میں دستیاب نہیں ہوسکیں۔ممکن ہے کہ جو کتب خانے میرے پیش نظر رہے ہوں، اُن میں بودھ مذہب کی کتابوں کا اچھا ذخیرہ نہ رہا ہولیکن دوسری کتابوں میں بھی بودھ مذہب کی کتابوں کے حوالے کم نظر آئے۔بودھ مذہب ہندوستان کا قدیم مذہب ہے اور یہیں سے ساری دنیا میں پھیلا ہے لیکن رفتہ رفتہ خود اس سرزمین پر اس کا اثر کم ہوتا گیا۔ممکن ہے کہ اُردو میں اس کی کتابیں کم ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو۔

بودھ مذہب بھی دوسرے مذاہب کی طرح کئی فرقوں میں منقسم ہے لیکن گوتم بدھ کے اقوال سے مرتب کئے ہوئے اصولوں کو سب ہی مانتے ہیں جو بودھ مذہب کا سب سے بڑا صحیفہ ہے۔یہ بودھ صحیفہ تین حصوں میں ہے۔پہلا حصہ یا کتاب ''ونے پٹیک'' کہلاتی ہے جس میں اصول فقہ بیان کئے گئے ہیں۔اس کا دوسرا حصہ یا کتاب ''سوتا پٹیک'' ہے جس میں بودھ تعلیمات اور تیسرے حصے ''ابھی دھم پٹیک'' میں بودھ فلسفے کو پیش کیا گیا ہے۔عبادت اوامر اور نواہی کے لحاظ سے ''سوتا پٹیک'' بہت اہمیت رکھتا ہے۔اسی سوتا پٹیک کا ایک حصہ ''دھم پد'' کہلاتا ہے جو ''سوتا پٹیک'' کا پانچواں حصہ ہے جسے ''سوتا پٹیک'' میں کھودک نکائے'' یعنی مختصر مجموعے کا نام دیا گیا ہے۔''دھم پد'' میں ۲۶ باب اور ۴۲۳ اقوال ہیں دھمپد کا اُردو میں منظوم ترجمہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے کیا ہے۔منور صاحب کو منظوم ترجمہ کرنے کا جو ملکہ حاصل ہے وہ دوسرے شاعروں کے یہاں مشکل سے ملے گا۔انہوں نے بہت سی مذہبی کتابوں، نظموں اور صحیفوں کے منظوم ترجمے کئے ہیں، دھمپد بھی ان کے کامیاب ترجموں میں سے ایک ہے۔'دھمپد' میں موت، حیات، جرم، سزا، صداقت، غصہ، جھوٹ، سکھ اور اسی طرح بہت سے موضوعات پر پد میں جو دو مصرعوں یا دوہوں کی شکل میں ہیں۔

اُردو میں سکھ مذہب کی بہت سی کتابیں ہیں۔سکھ مذہب میں سب سے زیادہ اہمیت ''گورو گرنتھ صاحب'' کو حاصل ہے۔گرنتھ صاحب ان کا مذہبی صحیفہ ہے جس میں کئی گوروؤں کی بانیاں اور بعض دوسرے بزرگوں کا کلام درج ہے۔اس میں ۱۴۳۰ صفحات ہوتے ہیں۔گرنتھ

صاحب اُردو رسم الخط میں بھی ملتا ہے اور اس کا ترجمہ اور تشریح بھی اُردو میں موجود ہے۔اس کے علاوہ گرنتھ صاحب کے بعض حصوں کے کے الگ الگ اور ایک سے زائد ترجمے بھی اُردو میں ملتے ہیں۔مثلاً محلّہ ا جوسری جپ جی صاحب کے نام سے مشہور ہے۔اس کا منظوم اردو ترجمہ دل محمد صاحب نے بڑی عام فہم اور سلیس زبان میں کیا ہے۔اس کے علاوہ اس کا ایک ترجمہ ''وردِ حق'' کے نام سے بھی ملتا ہے۔یہ بھی منظوم ترجمہ ہے اور اسے ماسٹر لال سنگھ آنند خالص نے نظم کیا ہے جس میں ادبی شان بھی ہے۔مثلاً دو اشلوک ملاحظہ ہوں:

حمد میں رطب اللساں انسان ہیں گو بے شمار ہیں
ہیں حدودِ ذکر سے بہر صفات کرد گار

(پوڑی ۳)

جس نے پیدا کی ہے اپنے حکم سے یہ کائنات
ہر زمانے میں ہے لافانی فقط اس کی ہی ذات

(پوڑی ۲۷)

اس کے علاوہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحی صاحب نے 'صدق و صفا' کے نام سے جُپ جی صاحب کا ترجمہ اُردو نثر میں کیا ہے اور ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل نے ''کلامِ نانک'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔

'جپ جی صاحب'' کے علاوہ سکھ منی صاحب یعنی پانچویں گورو ارجن دیو صاحب کی بانی کا ترجمہ دل محمد صاحب نے اُردو میں کیا ہے۔گورو بانی محلّہ ۹ یعنی گورو تیغ بہادر صاحب کی بانی بھی اُردو میں شائع ہو چکی ہے۔اس میں تمام مشکل اور نامانوس الفاظ کے معنی حاشیے میں درج کر دیئے گئے ہیں تا کہ اُردو جاننے والوں کو اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔اس کے علاوہ بہت سی کتابیں سکھ مذہب تاریخ اور گوروؤں کے سوانح سے متعلق اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔گورو نانک مرتبہ گورو نانک فاؤنڈیشن۔گورو نانک (مضمون) رائے بہادر کنہیالال۔سوانح عمری گورو گوبند سنگھ دولت رائے آریہ۔انتخاب از سوانح عمری شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج لالہ دولت رائے۔سوانح عمری گورو گوبند سنگھ دوارکا پرشاد اُفق۔گورو گوبند سنگھ جی کا دکن کا سفر، ڈاکٹر گنڈا سنگھ۔صاحبزادوں کا جیون بردان ڈاکٹر گنڈا سنگھ۔سکھوں کے دس گورو، جوالہ دت شرما۔تاریخ گورو خالصہ، گیانی گیان سنگھ۔بابا فرید کے

اشلوک، رتن سنگھ۔ اس طرح کی اور بھی کئی کتابیں ہیں جو سکھ مذہب کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

ہندو مذہب کی بے شمار کتابیں اُردو میں موجود ہیں اور جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان پر ایک الگ مضمون کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ ہندو مذہب سے متعلق شاید ہی ایسی کوئی کتاب ہو جس کا اُردو ترجمہ نہ ہوا ہو۔ مذہبی صحیفوں کے علاوہ مذہبی رہنماؤں، بزرگوں اور سنتوں کے اقوال اور تعلیمات سے متعلق کتابوں کے ترجمے بھی وافر تعداد میں ملتے ہیں۔

ہندو مذہب میں سب سے زیادہ اہمیت ''شریمد بھاگوت گیتا کی ہے۔ جو نہ صرف ہندو مذہب کے پورے فلسفے کو پیش کرتی ہے بلکہ انسانی زندگی، اعمال، جزا و سزا وغیرہ کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ گیتا کے ترجمے اور تفسیریں دنیا کی بیشتر زبانوں میں مل جاتی ہیں لیکن اُردو میں اس کے ترجمے جس تعداد میں ملتے ہیں اتنے شاید کسی دوسری زبان میں نہ ہوں۔ یہ ترجمے نظم و نثر دونوں میں ہیں۔ اور ان ترجموں کے کرنے والوں میں ہندو مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ بھگوت گیتا کے جن ترجموں کی اب تک نشاندہی ہو چکی ہے، ان کی تعداد ۲۹ ہے جس میں ۱۳ نثری ترجمے ہیں اور ۱۶ منظوم ہیں۔ ان میں چار ترجمے مسلمان مترجمین کے کئے ہوئے ہیں۔ مثلاً دل کی گیتا ترجمہ دل محمد، بھگوت گیتا ترجمہ خلیفہ عبدالحکیم، شریمد بھگوت گیتا ترجمہ حسن الدین احمد، بھگوت گیتا یا نغمۂ خداوندی ترجمہ محمد اجمل خاں۔

بھگوت گیتا کا سب سے قدیم ترجمہ منشی کنہیا لال عرف الکھ دھاری کا بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو ترجمے ملتے ہیں ان میں چند اہم ترجموں کے نام درج ذیل ہیں: بھگوت گیتا منشی شیام سندر لال۔ بھگوت گیتا منشی دیوی پرشاد۔ سری بھگوت گیتا مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور، شریمد بھگوت گیتا موسوم بہ فلسفۂ الوہیت رائے بہادر جانکی ناتھ مدن۔ سر چشمۂ عرفاں منشی جگن ناتھ پرشاد عارف۔ شریمد بھگوت گیتا رہسیہ لوکمانیہ بال گنگادھر تلک، شریمد بھگوت گیتا شانتی نرائن۔ گیتا امرت معروف بہ اکسیر روض، چودھری روشن لال۔ گیتا معروف بہ روح معرفت، چودھری روشن لال۔ گیان پرکاش معروف بہ نور ہدایت چودھری روشن لال۔ بھگوت گیتا (جس کا ذکر گارساں دتاسی نے کیا ہے)۔ شریمد بھگوت گیتا، دوارکا پرشاد اُفق۔ بھگوت گیتا مخزن اسرار پنڈت دینا ناتھ مدن، شریمد بھگوت گیتا معروف بہ غذائے روح پربھو دیال مصرا عاشق لکھنوی۔ بھگوت گیتا منظوم موسومہ بہ نسیم عرفاں منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔ فلسفۂ گیتا، سورج

نرائن مہر دہلوی۔ اس کے علاوہ منشی رام سہائے تمنا، ستیہ پرکاش مہتاب پسروروی، چھمن پرشاد صدر لکھنوی (فیضی کی گیتا کا ترجمہ) الم مظفر نگری، رائے بہادر شنکر دیال جج لکھنؤ، رائے برج موہن دیال احقر لکھنوی اور خوشتر وغیرہ نے بھی گیتا کے منظوم ترجمے کیے۔ خوشتر کا ترجمہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور احقر لکھنوی اور رائے بہادر شنکر دیال کے ترجمے مسدس میں ہیں ان تراجم سے مثالیں دینی بہت مشکل ہیں پھر بھی بعض مثالیں صرف ترجمے کی خوبیوں کے انداز کرنے کے لئے درج ذیل ہیں: دوسرے ادھیائے کے ۲۷ ویں اشلوک کا ترجمہ دل محمد صاحب نے اس طرح کیا ہے:

تجھے کام کرنا ہے اور مردِ کار
نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار
کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اُس کا پھل
عمل کر عمل کر نہ ہو بے عمل

ساتویں ادھیائے کے ساتویں اشلوک کا ترجمہ منور لکھنوی اس طرح کرتے ہیں:

یہ امر ہے طے شدہ دھنن جے
مجھ سے بڑھ کر نہیں کوئی شے
کچھ بھی میرے سوا نہیں ہے
مَیں ایک ہوں دوسرا نہیں ہے

رامائن بھی اسی طرح ہندو مذہب کی ایک بہت اہم کتاب ہے۔ اس کے دو تین تراجم بالمیکی رامائن اور تلسی رامائن کی شکل میں ملتے ہیں ان دونوں کے ترجمے اُردو میں موجود ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً بارہ ہے۔ رامائن بالمیکی، منور لکھنوی۔ رامائن بھاکھا تلسی داس سیتا رام جیورے بھائی۔ رامائن اُردو (نثر) بہاری لال۔ رامائن منظوم خوشتر، رامائن تلسی کرت، فرحت۔ رامائن یک قافیہ دوار کا پرشاد اُفق۔ رامائن منظوم دوار کا پرشاد افق۔ رامائن مسدس افق۔ رامائن رادھے شیام۔ رامائن مسدس تمنا۔ رامائن کا ایک سین چکبست اور اس طرح کے کئی اور اُردو ترجمے مسدس اور مثنوی کی ہیئتوں میں ملتے ہیں ان میں سے بعض ترجموں کے تین تین چار چار ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

ہند مذہب کی ایک اور اہم کتاب مہابھارت کے بھی اُردو میں بہت سے ترجمے مل جاتے ہیں۔ ان میں سے چند اہم ترجموں کے نام حسب ذیل ہیں: مہابھارت (بطرز ناول)

جاتے ہیں۔۔ان میں سے چند اہم ترجموں کے نام حسب ذیل ہیں: مہابھارت (بطرز ناول) سکھ دیو سنگھ شوقؔ۔سری رام کرت مہابھارت منشی سری رام ماتھر (جہازی سائز کی تین جلدوں میں)۔مہابھارت سبھا پرب جوالا پرشاد بھارگو۔مہابھارت گدا پر جوالا پرشاد بھارگو۔مہابھارت مثنوی طوطارام شایاں (یہ مہابھارت فیضیؔ کی مہابھارت سے ماخوذ ہے) شایاںؔ نے ۱۸۳۶ء میں یہ ترجمہ کیا۔اس میں تقریباً دس ہزار اشعار ہیں)۔مہابھارت دوارکا پرشاد اُفقؔ۔

اس کے علاوہ بے شمار کتابیں ہندو مذہب سے متعلق اُردو میں لکھی گئی ہیں جن میں بعض اہم کتابیں یہ ہیں:

سری کرشن جی کی کرامتوں سے متعلق پچھمن پرشاد صدرؔ کی بے نقط مثنوی سداما بے حد اہم ہے جس میں ۱۷۱ بے نقط اشعار ہیں۔منور لکھنوی نے درگا سپت ستی، کمار سمبھو، سوامی چیتن آنند کی دو یک منی اور مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کی تعلیمات پر مبنی آریہ ابھ ونے'' کا منظوم ترجمہ کیا۔دوارکا پرشاد اُفقؔ نے رام پد استت، رام استت، کرشن استت، دیوی استت اور بہت سی استتیاں اور مہا دیو چالیسا وغیرہ کا منظوم ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے درگا درشن، بجرنگ ونے، کرشن سداما، رام نام مالا، سناتن دھرم اپدیش وغیرہ نام کی کتابیں نظمیں اور رسالے تحریر کئے۔

متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ ہندو مذہب اور اس کے بارے میں بے شمار کتابیں اُردو میں لکھی گئی ہیں۔یہاں ان حوالوں اور ناموں کے ذکر کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس بیش بہا خزانے کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔جو مختلف مذہب کے بارے میں اُردو میں موجود ہے۔اس جائزے کے پیش نظر میرے خیال میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان کی تہذیبی رنگارنگی، مذہب کی بوقلمونی، انسان دوستی، رواداری، اور یکجہتی کی جتنی مکمل تصویر اُردو زبان میں نظر آتی ہے کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔

(روزنامہ قومی آواز، نئی دہلی، اُردو بک سیلرز اور پبلشرز نمبر ۱۹۸۲ء)

م۔ خ۔ شاذلی

مذاہبِ عالم......اور اُردو

اُردو میں ہندو مذہب پر سب سے اچھی کتاب منوہر لال زتشی کی کبیر صاحب ہے۔ اس کے علاوہ ویدوں کے بھی متعدد ترجمے ہوئے ہیں۔ قدیم ترین ''رِگ وید'' کا ترجمہ ''الکھ پرکاش'' کے نام سے ملتا ہے، جس کی شرح منشی کنہیا لال نے ''صحیفۂ شریفہ الکھ پرکاش'' لکھی ہے۔ ۱۵۲۔ اپنشدوں کا ترجمہ داراشکوہ نے ''سرِ اکبر'' کے نام سے کیا ہے۔

ویدوں کے تعلق سے دوسری مشہور کتاب دیا نند سرسوتی کی ''رِگ آدی بھاشا بھومیکا'' کا ترجمہ منشی رام جگیاسو نے ۱۸۹۸ء میں کیا۔ انہی کی لکھی یجر وید کی تفسیر کا ترجمہ دھرم پال نے اُردو میں کیا۔ منشی سورج نرائن مہر دہلوی نے اپنشد کا ترجمہ پانچ جلدوں میں کیا۔ بابو پیارے لال نے بارہ اپنیشدوں کا ترجمہ ''مجموعۂ اپنیشد'' کے نام سے ۱۹۰۰ء میں علی گڑھ سے طبع کرایا۔

اپنیشد کے پہلے آٹھ منتروں کا ترجمہ بھاگ مل سائنی نے ''پیام راحت'' کے نام سے کیا۔ جس کا دیباچہ نواب سرامین جنگ نے لکھا ہے۔ بارہ نگینہ سنگھ بیدی نے ''چھاندرک اپنیشد'' کا ترجمہ ''معیار المکاشفہ'' کے نام سے کیا ہے۔

فلسفۂ ویدانت پر اُردو میں لاتعداد کتب دستیاب ہیں۔ مثلاً ''ویدانت فلاسفی'' از بابو شیو برت لال، سوامی وویکانند جی کی تصنیف ''بھکتی اور ویدانت'' کا شانتی نرائن کا کیا ہوا اُردو ترجمہ ''درّۃ التاج عرفان'' کے نام سے، وویک چوڑامنی کا منشی سورج نرائن مہر دہلوی کا ترجمہ وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۰۶ء میں منشی سورج نارائن مہر کے مضامین کا مجموعہ ''ویدانت کے رتن'' کے نام سے شائع ہوا جو اُن کے رسالہ ''سادھو'' میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نلھل داس کی کتاب کا ترجمہ تشریحات اُردو ''وچار ساگر'' کے نام سے کیا۔ منشی جی نے ۱۹۱۰ء میں سوامی وویکانند کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں انہوں نے سوامی وویکانند کی تصنیف ''جیون مکت''

کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۱۷ء میں ودیا رتیہ سوامی کی مشہور کتاب ''اردو پنچ دشی'' کو اردو میں منتقل کیا۔ ۱۹۲۷ء میں منشی جی نے ''چہل درویش'' کے نام سے علمی کہانیوں کا مجموعہ شائع کیا۔ ویدانت کے نام سے ایک کتاب رام موہن رشی کیش کی لکھی ہوئی ہے لیکن عام فہم نہیں۔ فلسفۂ یوگا پر متعدد کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ جن میں ''یوگ ساگر'' ''یوگ سار'' اُردو ''اشٹانگ یوگ''، ''گیان یوگ''، ''یوگ درشن''۔ ''راج یوگ'' وغیرہ منشی سورج نرائن مہر دہلوی کی لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

''الکھ امواج'' الکھ دھاری کی لکھی ہوئی ہے جس میں راجہ دشرتھ کے وزیر پروہت ویشِشٹ نے رام چندر جی کو پند نصائح کی تھیں درج ہیں: بھگتی کے موضوع پر وویک مالا، بھگتی رمیا وغیرہ شانتی نرائن کے ترجمے ہیں۔ جو سوامی وویکا نند کی تصانیف ہیں۔ شیو برت لال نے نیا بھگت مال میں بھگتوں کے حالات بیان کئے ہیں۔ جس میں شیو برت لال کے رسالے ''سنت سماگم'' کے مضامین بھی شامل ہیں۔ ''نیا بھگت مال'' مصنف نابھا جی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ جس کے تراجم تلسی رام اگروال اور منشی تلسی رام نے ۱۸۸۰ء میں کئے ہیں۔

بھگوت گیتا کا قدیم ترین ترجمہ مسلمانوں نے کیا ہے۔ خواجہ دل محمد کی ''دل کی گیتا'' اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا منظوم ترجمہ ہے۔ گیتا کا سب سے پہلا ترجمہ اُردو میں کنہیا لال عرف الکھ دھاری نے ''گیان پرکاش'' کے نام سے ۱۸۶۳ء میں کیا۔ اُردو میں منشی شیام سندر لال نے ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ترجمہ کیا ہے۔ دوارکا منشی دیبی پرشاد کا ترجمہ اور پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی کا ترجمہ ''فلسفہ الوہیت'' بے حد مشہور ہیں۔ منشی جگناتھ عارف نے گیتا کا ترجمہ ''سرچشمۂ عارف'' کے نام سے کیا ہے

۱۹۲۵ء میں بال گنگا دھر تلک کی ''گیتا رہسیہ'' کا ترجمہ کیا اس کے علاوہ چودھری روشن لال ایم اے کے مضامین،، پرکاش، گیتا گیان عرف روحِ معرفت اور نورِ ہدایت شائع ہوئے ہیں۔ جو رسالہ ''دیش بھگت'' میں شائع ہوئے ہیں۔ پنڈت دینا ناتھ مدن کا منظوم ترجمہ ''مخزنِ اسرار'' اور پنڈت جانکی ناتھ کا فلسفۂ الوہیت'' مشہور ہے۔ اشعار اس انداز کے ہیں:

جس نے مجھ سے دل لگایا ایسے طالب کو سدا
شغل میں جیسا نظر آتا ہے جلوہ ذات کا
اس کو بالتشریح سُن: ارجن یہ ہے علم صفات
اس کے محرم کو میسر ہے علائق سے نجات

پربھو دیال مسرا کا ترجمہ بعنوان ''غذائے روح'' منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی کا ترجمہ ''نسیم عرفان'' مشہور ہیں۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

خواہشیں دل سے مٹا کر جو خود آشنا عارفِ کامل جہاں میں اُس کو کہنا ہے روا
بھگوان ہیں محو خوش بیانی فرماتے ہیں آپ گل فشانی
اے پارتھ دل اپنا مجھ کو دے کر زیر دامن پناہ لے کر
فعلِ پیہم سے یوگ کے پاک تم جیسا کروگے مجھ کو ادراک

منشی سورج نرائن مہر دہلوی نے ''فلسفہ گیتا'' میں گیتا میں بیان کردہ فلسفہ سے بحث کی ہے۔

رامائن کے سب سے پہلے ترجمہ کا ذکر گارساں دتاسی نے کیا ہے۔ پرمیشور دیال نے ''والمیکی رامائن'' اُردو بھاشا'' ساتواں کانڈ'' ۱۹۱۵ء میں شائع کیا۔ دوارکا پرشاد افق کا ترجمہ ''مکمل رامائن والمیکی'' بہت مشہور ہے۔ منشی شنکر دیال فرحت نے ۱۸۸۶ء میں منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ بانکے بہاری لال بہار کا ترجمہ ''رامائن بہار'' منشی سورج نرائن مہر دہلوی کا ترجمہ ''رامائن مہر'' منشی جگناتھا خوشتر کا ''رامائن خوشتر'' وغیرہ مشہور ترجمے ہیں۔

پُران ہندو مذہب میں ویدوں کے بعد اہم کتابیں ہیں جن کی تعداد ۱۸ بتائی جاتی ہے۔ منشی منوہر سروپ کا ترجمہ ''کلی پران'' نہایت صاف اُردو میں ہیں۔ پنڈت امرناتھ مدن ساحر کا ترجمہ ''وشنو پُران'' ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ وشنو پران کے باب دوم سے باب ششم تک کا ترجمہ ''فسانۂ توحید'' کے نام سے شائع ہوا۔ منشی شنکر دیال فرحت نے پُران کا منظوم ترجمہ ''گنیش پران'' کے نام سے کیا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

جب چھپ گیا وشنو پران اُردو مطبوع ہوئی زبان اُردو
نسخے کئے جب یہ مَیں نے تحریر مطبع میں چھپے وہ بالتصویر
اِک دوست نے کیا اشارہ کیوں بحرِ سخن سے ہے کنارہ
منظوم گنیش کی کتھا کر حاصل ابھی تقدیر مدعا کر

مہابھارت کے تین مشہور ترجمے دستیاب ہیں، جسے بابو جوالا پرشاد بھارگو کا ترجمہ ''مخزن مہابھارت'' منشی سری رام کائستھ ماتھر کا ''شری رام کرت مہابھارت'' (۱۹۸۵ء) اور منشی طوطارام شایاں کا منظوم ترجمہ وغیرہ۔ شایاں کی نظم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع ہوتی ہے۔

منوسمرتی ہندو مذہب کا مستند دھرم شاستر ہے۔ یہ تصنیف پانچویں صدی کی بتائی جاتی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں سوامی دیال نے اس کا اُردو ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ''جگت سمرتی'' کے نام سے ایک اُردو ترجمہ دستیاب ہے۔ لیکن زبان بڑی مولویانہ ہے۔ جو اشلوک کسی خاص فرقہ کے متعلق تھے۔ یہ بلحاظ رفع خصوصیت اس انتخاب میں داخل و شامل نہیں کیے گئے، تاکہ تمام کافۂ اعظم اہلِ ہنود کے جمیع فرقے اور ہر ایک شعبہ و شاخ پیروانِ مذہبِ ہنود کے ممبر اس دریائے فیض سے یکساں فیض یاب ہو سکیں۔''

واسطے حصولِ معاش کے دروغ گوئی و شیریں زبانی و مضحکہ اختیار نہ کرے۔ دروغ و فریب والی معاش کو ترک کر کے برہمنوں کی نیک معاش سے اپنی بسر اوقات کرے۔

ان کے علاوہ پنڈت کرپا رام شرما اور ماسٹر آتما رام کے ترجمے مشہور ہوئے۔ ہندو مذہب کے فلسفہ پہ ''وششٹ درشن'' کے نام سے چھ مستند کتابیں ہیں۔ سوامی درشن آنند کا ترجمہ ''نیائے درشن'' سوال و جواب کے پیرائے میں ہے۔

ان تراجم کے علاوہ ہندو مذہب کی متفرق کتب اُردو میں شائع ہوئی ہیں۔ جیسے شریمد بھاگوت''، ''ٹیکا شری مد بھاگوت''۔ دشم سکندھ''، بھگوتی اتہاس''، ''وشنو سہرام سٹیک'' ''وید ستیہ'' ''گیتا مہاتم''، شری وگنیان کرشنائن''۔ ''پورن دھرم''، ''پوتھی گیان پرکاش''، مہارج شری کرشن اور ان کی تعلیم'' وغیرہ جیسی کتب نہایت صاف، سادہ اور بامحاورہ اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ البتہ عنوانات سنسکرت ہی کے رکھے گئے ہیں۔۔ پنڈت نرمل چندر کی تصنیف ''پورن دھرم'' کی عبارت اس طرح ہے:

جگیاسو نے مان لیا ہے کہ وہ خود جسم، طاقت، یا خیال نہیں بلکہ آتما ہے۔ اس کا اپنا آپ عین ہستی، عین علم اور عین سرور ہے۔ اس کا ہونا ہی اور کچھ ہونے کی شرط ہے۔ اور اس کا جاننا ہی سب کچھ جاننے کی شرط ہے۔''

اس طرح اُردو میں سیکڑوں اخلاقی کتب ہیں جو مذہب کہانیوں اور تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ جیسے بابو جگ ہنس رائے کی بھرتری شتک یا بابو راجیشور ناتھ کی ''بھرتری ہری شتک'' وغیرہ۔ ان کے علاوہ گلدستۂ تہذیب، طلسمِ اخلاق، معدنِ اخلاق، سادھو کی صدا، گلدستہ ہدایت، اخلاق برج باشی، مثنوی اخلاق ہندی، وغیرہ۔ اس مثنوی کی ابتدا بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کی گئی ہے۔ شاعری کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

بنام خداوند ملک، جہاں   خبر گیر احوال خورد و کلاں
''گلدستۂ مسرت''، ''ذخیرۂ سعادت'' گیان گیتا المعروف سادھارن دھرم وغیرہ
مشہور کتب ہیں۔

کبیر پنتھی کے تعلق سے سب سے عظیم اور مستند تصنیف پنڈت منوہر لال زتشی کی تصنیف ''کبیر صاحب'' ہے۔ جس میں سنت کبیر داس کی سوانح حیات کے علاوہ اس فرقہ کی مکمل تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ ''برہمو سماج'' راجہ رام موہن رائے نے ۲۳ رجنوری ۱۸۳۰ء کو قائم کیا۔ اس فرقہ کا اصل مقصد ہندو دھرم کی اصلاح تھا۔ رام موہن رائے کی برسٹل میں وفات کے بعد رابندر ناتھ ٹیگور نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ اس تحریک کو بعد میں کیشو چندر سین نے علیٰحدہ نام سے چلایا۔ پھر اس میں چند تبدیلیوں کے بعد آنند موہن داس اس کے صدر ہوئے۔ اس تحریک کی مشہور اُردو تصنیف ''بنیاد الایمان'' مصنفہ ستیہ آنند اگنی ہوتری، کتاب ''طریقت کلمات الدین مراۃ الدین''، ہندو دھرم کی پرتشٹھا، میری زندگی کا مشن وغیرہ بے حد مشہور ہیں۔

اس طرح سوامی دیانند نے ۱۷ اراپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ آریہ سماج کے اغراض و مقاصد وغیرہ، ستیارتھ پرکاش کے مستند اردو ترجمے بھی دستیاب ہیں۔ یہ سوامی دیانند سروتی کی تصنیف ہے۔ اس کا پہلا ترجمہ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ یہ ماسٹر آتما رام، پنڈت ریمل جی، بابو نہال سنگھ، اور پنڈت چموپتی نے مل کر کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ رادھا کشن مہتہ نے ۱۹۰۵ء میں کیا جس کے چھ ایڈیشن چھپے۔ لالہ جیون داس نے ۱۸۹۸ء میں حصہ اول کا ترجمہ کیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں دھرپال بی اے نے لاہور سے اس کا ایک ترجمہ شائع کیا۔ سوامی دیانند سرسوتی کی دوسری کتاب ''رِگ وید آدی بھاش بھومیکا'' کا ترجمہ منشی جگیا سو نے ۱۸۹۸ء میں کیا۔ دھرم پال بی اے نے اس تصنیف کی شرح اُردو میں لکھی۔ مہاتما منشی رام جی، جن کو سوامی شردھانند جی بھی کہا جاتا ہے اور پروفیسر تارا چند نے ''سنسکار دیپکا'' کا ترجمہ ''سنسکار ودھی'' کے نام سے کیا ہے۔ مہاشے گوردھن جی کی تصنیف ''قدامت وید'' جدید سائنس دور میں الہامیات کو سمجھانے کی اچھی کوشش ہے۔ منشی جے دیال سنگھ کی تصنیف ''آئینۂ مذہب ہنود'' ۱۹۸۷ء پانچ بار شائع ہوئی۔ اان کے علاوہ ''صداقتِ وید دھرم'' و ''سندھیا سورج کی روشنی میں سات رنگ'' ''وحشتِ ہند'' گیان بھاسکر''، ''کلیاتِ آریہ مسافر''، آریہ دھرم، آریہ جنون، آریہ دھرم اپدیش، جواہر الصدق وغیرہ اور سوامی دیانند سرسوتی کی سوانح حیات کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اور

آریہ سماج کی اُردو میں کتب دستیاب ہیں۔

مادام ولادوتسکی اور کرنل اور کا کلکاٹ نے ۱۷رنومبر ۱۸۷۵ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کی۔ ۱۸۸۲ء میں یہ تحریک ہندوستان میں کرنل اور کالکاٹ کے بعد مسز اینی بسنٹ اس کی صدر منتخب ہوئیں۔ اس سوسائٹی کے تین خاص اصول تھے۔ بلا لحاظ مذہب و ملت رنگ و نسل انسانی برادری کا ایک مرکز قائم کرنا۔ مذہب و فلسفہ اور سائنس کا تقابلی مطالعہ، انسان کی غیر مرئی طاقتوں کی تحقیق کرنا۔ سوسائٹی کی مشہور اُردو کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

''تھیوسوفی کیا ہے؟'' مصنف اینی بسنٹ، ''دنیا و عقبیٰ'' مسز اینی بسنٹ کے لیکچرس کا ترجمہ، مس اینجگر کی کتاب 'Theosophy Elementry?' کا ترجمہ، منشی راجیو پرشاد ''اصول تھیوسوفی'' مشہور ہیں

۱۸۶۱ء میں ایک بزرگ شیو دیال نے آگرہ میں رادھا سوامی مت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۱۴ء میں انہی کی یاد میں آگرہ میں دیال باغ قائم کیا گیا۔ اسی میں شیو دیال جی کی سمادھی بھی ہے۔ اس تحریک کی مشہور اُردو بک ۱۸۹۵ء میں ستیہ مت کیٹکرم'' شائع ہوئی، ۱۹۲۵ رادھا سوامی مت نندو سنگھ حیدرآبادی نے ''تہارتھ پرکاش'' مصنفہ صاحب جی مہاراج آنند جی سروپ نے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ ''رادھا سوامی مت سندیش'' بھی مشہور ہے۔

پنڈت شیونرائن اگنی ہوتری عرف ستیہ نند جی نے برہمو سماج سے علیحدہ ہو کر ۱۸۸۷ء میں دیو سماج کے نام سے ایک تحریک شروع کی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے انہوں نے مورتی پوجا ترک کر دی تھی، دیو سماج کی زیادہ کتب ستیہ نند جی کی لکھی ہوئی ہیں۔

جین مذہب کی تفصیلات سے آپ واقف ہیں، اس مذہب کی تبلیغ کے لئے تقریباً بیس مستند کتب اُردو میں ملتی ہیں جن میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔

جین مت سار	از سمیر چند جین
سناتن جین درشن پرکاش	از سوہنی لال جین (۱۹۰۲ء)
جین کرم فلاسفی	از بابو رکھشب داس جین (۱۹۲۴ء)
جین رتن مالا	از لالہ کیوڑا مل جی (۱۹۰۳ء)
لطفِ روحانی	از ماسٹر بشمبر داس
آئینۂ ہمدردی	از پارس داس

راز حقیقت	از سوامی درگا داس جی

حسنِ ازل	از پنڈت گیا نیشور پرشاد مائل دہلوی

سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کا اُردو ترجمہ مکمل موجود نہیں ہے۔اس گرنتھ کی تدوین گورو ارجن دیو سے منسوب کی جاتی ہے۔گرو گوبند سنگھ جی نے جن کی سمادھی ناندیڑ میں ہے،اس گرنتھ میں مزید اضافے کئے۔گرنتھ صاحب کے بعض اہم حصوں کے اُردو میں ترجمے ہو چکے ہیں۔منشی برج لال نے سری آدگرنتھ'' کے نام سے ایک حصہ کا ترجمہ کیا ہے۔سردار عطر سنگھ کی''عطر روحانی'' کے علاوہ ''جپ پر مارتھ'' اور'' جپ جی صاحب'' مشہور منظوم ترجمے ہیں۔جو کسی مشرقی نامی شاعر کی تخلیق ہیں۔بعض میں نعت گرو نانک جی شامل ہے۔

پس از حمد دارائے لوح و قلم	کر اے مشرقی نعت نانک رقم

ضلالت پہ جب سب نے باندھی کمر	لگے پوجنے لوگ شمس و قمر

کیا ترک جب دھرم سنسار نے	تو نانک کو بھیجا نرنکار نے

امام الرسل، قدوۃ الانبیاء	شفیع الامم، زبدۃ الاصفیا

ان کے علاوہ پوتھی پنج گرنتھ، پوتھی سکھ منی صاحب ،آسا دی وار،جنم ساکھی از بھائی بالا والی،ترجمہ دیا رام عاکف،گرو نانک درشن از پنڈی داس قمر مشہور ہیں۔تقریباً ۲۵ سے زائد کتب سکھ مذہب پر اُردو میں دستیاب ہیں۔

عیسائی مذہب پہ پہلی اُردو کتاب ''صلواۃ الجماعت کی کتاب'' کے نام سے ملتی ہے۔جو ۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی۔غیر اسلامی مذہب میں سب سے زیادہ اردو کتب عیسائی مذہب پر ملتی ہیں،اٹھارویں صدی ہی سے انجیل اور توریت کے ترجمے اردو میں ہونے لگے تھے جن کی فہرست گریرسن نے اپنی کتاب میں دی ہے۔۱۷۴۸ء میں کتاب دانیال،۱۷۴۹ء میں 'لوقا' کے ترجمے ہوئے۔اور مرزا محمد فرحت نے ۱۸۰۵ء میں نئے عہد نامے کا ترجمہ کیا۔۱۸۱۴ء میں ریورنڈ مارٹن نے انجیل کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا۔'کتاب القدس' اور کتاب مقدس کے علاوہ ریورنڈ ٹی ہورزن نے ایک جرمن کتاب کا اُردو ترجمہ کیا۔''مقدس کتاب کا احوال'' کے نام سے ۱۸۵۹ء

میں ''زبور کی کتاب'' ایک عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔اس طرح صرف انجیل کے بیس ترجمے ملتے ہیں۔اس کے علاوہ بعض تفاسیر بھی ملتی ہیں۔جیسے مزامیر با شرح وتفسیر از پادری یوسف ادن، منتہی الافکار از رابرٹ کلارک،اور مولوی عماد الدین لاہرو وغیرہ۔اس طرح ۲۰ تفاسیر دستیاب ہیں۔اس طرح عیسائیت پر چالیس کتب ملتی ہیں۔جن میں کتاب ''طریق الحیات''،''سحر گاہ در انگلستان''،''آئینۂ دل''،''مسیح کا نمونہ''،''زندہ مسیح'' اور ''اناجیل اربعہ'' وغیرہ مشہور ہیں۔بعض کتب اُردو میں عیسائیت کے موضوع پر منظوم ہیں۔جیسے نظم المز امیر،زمزمۂ تبلیغ،ذکر مصلوب وغیرہ۔ منشی کیدارناتھ منت اور مولوی صفدر علی صاحب صفدر،پادری رحمت مسیح اور پیارے لال شاکر میرٹھی کی نظموں کے علاوہ ہندی بھجنوں کے مجموعے بھی ملتے ہیں۔شاعری کچھ اس انداز کی ہے۔

جب کہ مصلوب اسے کرتے تھے جلاد شقی
مرد شاگرد تو موجود نہ تھے نام کو بھی
عورتیں آئی تھیں کچھ ہمتِ مردانہ جو تھیں
نالہ کرتی تھیں اور اشکوں سے بہاتی تھیں ندی
قبروں کے سوتے ہوئے چونک پڑے جاگ اُٹھے
شورِ محشر تھا بپا شہر کے رُخ جاگ اُٹھے

مذہب عیسائیت کو پھیلانے کے لئے مشنریوں نے بچوں کے لئے بھی اُردو میں کچھ قابلِ قدر کتب شائع کی ہیں جن میں سے بعض کو انہوں نے باقاعدہ مدارس کے کورس کی طرح ترتیب دیا ہے۔

بہائی فرقہ کی تبلیغ کے لئے بھی اُردو نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔بہائی تحریک کی بنیاد ایران کے ایک نوجوان......باب نے ۲۳رمئی ۱۸۴۴ء کو رکھی اور دنیا کو الحاد کے مقابلے میں روحانیت کا پیغام دیا۔۱۸۵۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔اُن کے بعد اس تحریک کو

حضرت بہاء اللہ نے آگے بڑھایا۔ ان کے بعد حضرت عبدالبہاء امر بھائی (حضرت مرزا حسین)
نے تحریک کو زندہ رکھا۔ وحدت عالم انسانی حقیقت بازاری وحدت مساوات، بیت المال عمومی
وغیرہ اس تحریک کے بنیادی عقائد ہیں۔ اس فرقہ کی زیادہ تر کتب فارسی میں ہیں جن کے اُردو
میں ترجمے کئے گئے۔ مثلاً باب الحیات ترجمہ از سید مصطفیٰ صاحب رومی، لوح ابن ذنب
مثاوا دبضات عبدالبہاء از عباس علی بٹ۔

مختصراً یہ کہ انیسویں صدی میں تقریباً ہر مذہب کے لئے اُردو میں اخبارات اور
رسالے جاری کئے گئے۔ جیسے پرکاش آگرہ، (۱۸۶۲ء) گیاوتی پتریکا، آبِ حیات ہند، برادر
ہند، آریہ سماچار (میرٹھ) ریفارمر (مصور ہفتہ وار) از ودیارتھی بی اے، امرت کا گھونٹ ۱۸۲۵ء،
پریم بلاس (سکھ مذہب) پیامبر، خیر خواہِ ہند (عیسائی مذہب) مخزن مسیحی ۱۸۶۸ء، کوکبِ ہند
ایڈیٹر پادری کویون، شمس الاخبار ایڈیٹر پادری رجب علی۔

بہر حال اس مختصر سے جائزے کے بعد اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر مذہب اور ہر
تحریک کا ادب اُردو میں موجود ہے۔ عیسائی مذہب پہ کل ۷۴۹ اور ہندو مذہب پہ ۳۷۷ اور دیگر
مذاہب اور تحریکات کی کتب سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی
ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستانی زبان کے نام سے اُردو ہی ہندوستان کی واحد
زبان تھی۔ بعض پنڈتوں نے اپنی تصانیف کے دیباچوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مذاہب اور
تحریکات کو پھیلانے کے لئے اردو سے زیادہ مناسب زبان ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور آج
کسی مذہب کا پیرو، اگر صرف اُردو زبان ہی جانتا ہو تو اپنے مذہب کی صحیح پیروی میں کوئی دقت
محسوس نہیں کرے گا۔

(ماہنامہ گگن بمبئی، مذاہب نمبر ۱۹۸۴ء)

پنڈت منوہر لال زتشی

مذہب

مذہب عالمگیر ہے اور اس کی سیکڑوں قسمیں ہیں۔
مشرق کے حکیم اور مغرب کے فلسفی اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کرتے ہیں اور اپنے بیانات میں بڑی بڑی باریکیاں پیدا کرتے ہیں۔میرے نزدیک ان باریکیوں میں پڑنا اور ان کی موشگافیاں کرنا عبث ہے۔سیدھے سادے طور پر یوں کہیئے کہ مذہب کے معنی ہیں احساس ہونا، ایسی قوت یا قوتوں کا جو انسان سے بالاتر ہیں جو اس کو نفع اور ضرر پہونچا سکتی ہیں اور جن سے نفع حاصل کرنے کے لئے ان کو خوش رکھنا اور ضرر سے بچنے کے لئے کوئی ایسا فعل نہ کرنا جس سے وہ ناخوش ہوں، اس کے واسطے لازم ہے۔تاریخ اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے دنیا میں طرح طرح کی صورتیں اختیار کی ہیں۔کسی زمانہ میں کچھ تھا اور کسی زمانہ میں کچھ۔ایک ملک میں اس کی ایک ہیئت ہے اور دوسرے ملک میں دوسری۔کہیں چاند، سورج، سیاروں اور ستاروں کی پرستش ہوتی ہے کہیں بت اور تصویریں پوجی جاتی ہیں۔کوئی گروہ پہاڑوں اور دریاؤں کو متبرک خیال کرتا ہے، کوئی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتا ہے۔کوئی تثلیث کو مانتا ہے، کوئی توحید کا قائل ہے۔کیا عجب ہے کہ پہلے پہل آفتاب کی جہانگیر روشنی اور گرمی، چاندنی کی ٹھنڈک اور سرور، تاروں بھری رات کے دلکش منظر، بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے متاثر ہو کر انسان نے اجسام فلکی کو مثل اپنے جاندار اور اپنے سے قوی تر سمجھ کر ان سے نفع حاصل کرنے اور ان کے ضرر سے بچنے کے لئے ان کی پرستش شروع کی ہو۔

مذہب کی ابتدا

ایک فرنگی حکیم کی رائے ہے کہ مذہب کی ابتدا خواب سے ہوئی۔خواب کی حالت میں

خواب دیکھنے والا اپنے مقام سے دُور دُور ہو آیا، جب جاگا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خواب کا حال بیان کیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا کہ اس کا جسم جہاں وہ سویا تھا وہیں موجود تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ جسم کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے جو خواب کی حالت میں جسم سے باہر نکل کر جاتی ہے اور گھوم پھر کر جسم میں واپس آجاتی ہے، اس چیز کا نام روح رکھا گیا۔ جب روح ہمیشہ کے واسطے جسم سے الگ ہو جائے اور پھر واپس نہ آئے تو اس حالت کا نام موت ہے۔ سوسائٹی کے نظام کی مناسبت سے روحوں میں بھی مدارج قائم کئے گئے۔ جس سردار یا بادشاہ سے اس کے تابعین خوف کھاتے ہیں، اس کی روح بھی ان کی روحوں سے زیادہ طاقتور ہوگی اور اس میں فائدہ اور نقصان پہونچانے کی قابلیت بھی زیادہ ہوگی۔ لہٰذا عوام کے لئے لازم ہے کہ اگر زندگی میں اس سے خوف کھاتے تھے اور اس کی خدمت کرتے تھے تو مرنے کے بعد اس کی روح کو پوجیں۔ اس خیال سے رفتہ رفتہ ایک ایسی پر ہیبت اور پر شکوہ روح کا تصور پیدا ہوا ہوگا جو سارے عالم میں محیط ہے اور کل دنیا کا نظام جس کے قبضہ میں ہے۔ اس قسم کے خیالات تو ان لوگوں کے ہیں جو مذہب کو بھی انسان کے دل ودماغ کا ایک گوشہ خیال کرتے ہیں جس طرح سوسائٹی کے قوائد ترتیب دیئے گئے، دن بنائے گئے، حکومت کے دستور قائم ہوئے، اسی طرح مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں میں، مختلف مذہب پیدا ہوئے۔

خدا کی ابتدا

کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی شبیہ کے مطابق بنایا۔ ان حکیموں کا خیال ہے کہ انسان اپنے معبود کو اپنے خیال کے مطابق خلق کرتا ہے۔ جس گروہ کی تہذیب اور تحقیق جس درجہ پر ہوگی، جس طرح کے اس کے رسم ورواج ہوں گے جن خوبیوں کی اس میں قدر ومنزلت ہوگی، اسی قماش کا معبود اس کا دماغ خلق کرے گا۔

دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ نہیں، مذہب ایک خداداد شے ہے انسان کے فہم اور دماغ سے بالاتر۔ خداوند ازل نے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں میں اپنے پیغمبر بھیجے۔ ان پیغمبروں کو الہام کے ذریعہ سے رموزِ الٰہی کا علم بخشا گیا اور انھوں نے اپنے پیام دنیا کو سنائے۔ مذہب کے حقائق فراست انسانی کے اخذ کئے ہوئے نہیں ہیں اور اسی وجہ سے انسانی آئین یا دستور کی طرح تغیر پذیر

نہیں ہیں۔ مذہب خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی چیز ہے جو اٹل اور امٹ ہے اس کا سلسلہ ازل سے ابد تک قائم ہے اور اس میں عقل انسانی کو دخل نہیں۔ نکتہ چیں اس میں شاخشانہ نکالتے ہیں۔ اتنے مذہب پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک مذہب جاری ہوا، پھر حکم الٰہی سے وہ منسوخ ہو کر اس کی جگہ دوسرا مذہب جاری کیا گیا۔ کیوں؟ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر گروہِ انسان میں پیمبر بھیجے گئے؟ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ ایک خاص زمانہ میں خدا نے ایک خاص مذہب جاری کیا اور وہی مذہب برحق ہے اور اس سے انکار کرنے والا کافر ہے، تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جن تک وہ پیام پہنچا ہی نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ خدائی مذہب کے طرفدار ایک حد تک ان اعتراضوں کا جواب دلیل اور منطق سے دیتے ہیں اور آخر میں معترضین کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتے ہیں کہ احکام الٰہی میں چون وچرا کی گنجائش نہیں، مذہب ادراک انسانی سے بالاتر ہے، عقل انسانی محدود ہے رموزِ الٰہی کے سمجھنے سے قاصر۔ یہ وہ کوچہ ہے جس میں اطاعت اور خاموشی کے سوا دم مارنے کی مجال نہیں۔

مگر ایک دقت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اگر ان بزرگوں کے فرمانے کے مطابق مذہب کو خداداد مان لیا جائے اور وید، انجیل، قرآن وغیرہ کو کلام الٰہی سمجھا جائے تو بھی کلام الٰہی کے معنی ومطلب سمجھنے کے لئے انسان کے پاس سوائے اس محدود اور ناقص عقل وفہم کے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ کلام الٰہی تو نازل ہوا مگر اس کے ساتھ اس کی شرح تو نہیں نازل ہوئی، اور اگر ہوتی بھی، تو جو دِقت کلام الٰہی کے سمجھنے میں پیش آ رہی ہے، وہی اس کی شرح کے سمجھنے میں پیش آتی۔ وید اور قرآن کلام الٰہی ہوں مگر وید کے کس منتر کے کیا معنی ہیں اور قرآن کی کس آیت کا کیا مطلب ہے، یہ کون بتائے گا؟ شاید اسی دقت کو دور کرنے کے لئے عیسائیوں کے رومن کیتھولک گروہ نے یہ آئین قائم کیا کہ انجیل کے معنی اور مطلب سمجھنا ہر انسان کا کام نہیں جو معنی چرچ یا یوں کہئے کہ پاپائے روم کی طرف سے بتائے جائیں وہی مستند ہیں اور ان کو ماننا لازم ہے لیکن اصل دِقت اس سے بھی رفع نہ ہوئی۔ پوپ بھی انسان ہے، اور اس وجہ سے فانی۔ ایک پوپ جاتا ہے دوسرا آتا ہے۔ اس واسطے ان کے احکام میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ پھر یہ کہ جو معنی ومطلب چرچ یا پوپ کی طرف سے بیان کئے جائیں گے ان کو کون سمجھے گا؟ غرضیکہ کلام الٰہی کے ماننے والوں کو بھی عقل انسانی کی جانچ پڑتال سے مفر نہیں اور خدا کا فرماں بردار سے فرماں بردار بندہ بھی اپنے فہم ودرک سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

یہی وجہ تو ہے کہ ہر مذہب کے پیرو فریق در فریق اور گروہ در گروہ پاشان وپریشان نظر آتے

ہیں ۔وید تو ایک ہے پھر چھ شاستر کیوں؟ شیوی، شاکت اور ویشنو کی تفریق کس واسطے؟ سناتن دھرمیوں اور آریہ سماجیوں کی معرکہ آرائی کا کیا سبب؟ قرآن ایک ہے۔مگر معتزلہ اور اشاعرہ کے خونریز جھگڑوں سے اسلامی تاریخ کا کون پڑھنے والا واقف نہیں؟ شیعہ اور سنی کا اختلاف آج بھی موجود ہے۔کوئی مقلد ہے کوئی غیر مقلد، کوئی آغا خانی ہے اور کوئی اثناء عشری۔اسلام ایک ہے مگر اس میں بہتر فرقے ہیں اور اب شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔

حضرت عیسیٰ کی تلقین انجیل سے واضح ہے۔مگر انجیل کو کلام الٰہی ماننے والے عیسائیوں کے سیکڑوں گروہ ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہر مذہب اور ہر گروہ اپنے تئیں راز الٰہی کا امین سمجھتا ہے اور اپنے سوا سب کو گمراہ جانتا ہے۔حتیٰ کہ ایک زمانہ میں اپنے ہی مذہب والوں کو اگر وہ ایک خاص فرقہ اور گروہ سے الگ ہوں، قتل کرنا اور زندہ جلانا ثواب سمجھا جاتا تھا۔کہتے ہیں کہ انسان ایک جنگجو جانور ہے، لڑائی جھگڑا اس کی فطرت میں ہے۔ایک مشرقی حکیم کا قول ہے کہ زن زمین اور زر یہی تین چیزیں شر اور فساد کا باعث ہیں۔بادشاہوں کے جنگ وجدل کی خونیں داستانیں اور اقوام دنیا کے تصادم کی ہولناک کہانیاں زبان زد خلائق ہیں، لیکن تاریخ عالم شاہد ہے کہ جتنی خوں ریزی دنیا میں مذہب کے نام سے ہوئی اس سے زیادہ شاید کسی اور وجہ سے نہ ہوئی ہوگی۔

مدعا اس سب کا یہ ہے کہ مذہب الہام ہو یا انسان کے دماغ کا اختراع، اس کے اصول کی تشریح، اس کے معانی اور مطلب کا سمجھنا، اس کے احکام کی پابندی، ان سب کا انحصار انسان کی عقل اور فہم پر ہے۔یہی وجہ اختلاف مذاہب کی ہے، اور یہی بنا مذہب کے ارتقا کی۔تاریخ بتاتی ہے کہ تغیر وتبدل، آگے بڑھنا اور کبھی پیچھے ہٹنا، انسانی تمدن اور انسانی تہذیب کا جزو ہے۔کسی خاص زمانہ میں انسانوں کا ایک گروہ اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے واسطے ایک خاص تمدن یا تہذیب قائم کرتا ہے، سوسائٹی کے مدارج قرار پاتے ہیں، قانون بنتا ہے، علوم وفنون رائج ہوتے ہیں، ملک داری کے دستور اور سیاست کی پالیسی قائم ہوتی ہے۔سو دو سو برس تک سوسائٹی اس تمدن کے زیرِ اثر کام کرتی ہے۔ایک زمانہ گذرنے کے بعد اس بات کا احساس شروع ہوتا ہے کہ اب اس تمدن میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔جس طرح جوانی میں بچپن کے کپڑے ٹھیک نہیں ہوتے اسی طرح انسانی دماغ اور انسانی اخلاق ترقی کر کے مروجہ تمدن کی حد سے آگے نکل جاتے ہیں۔اس کا احساس پہلے عوام کو نہیں بلکہ خواص کو ہوتا ہے۔روشن دماغ اور ذکی الحس افراد قوم میں اس تغیر کو محسوس کرتے ہیں اور ان میں بے چینی شروع ہوتی ہے مگر انسان عادت کا غلام ہے۔جو ہمارے

بزرگوں نے سمجھا اور کیا وہی ہمارے واسطے بھی کافی ہے۔نظام دنیا جس طرح پہلے تھا اسی طرح اب بھی ہے اور ویسا ہی آئندہ بھی رہے گا۔خیالات اور عادات کا بدلنا تکلیف دہ ہے۔اسی وجہ سے اصلاح کرنے والوں کی ہمیشہ عوام کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے۔حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی۔ رسول عربی کو جلاوطن ہونا پڑا۔سوامی دیانند کو زہر دیا گیا۔مگر چونکہ تبدیلی اور اصلاح کا تقاضا فطرت انسانی اور قانونِ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے۔اس واسطے مخالفت کے باوجود نئے خیالات کی اشاعت ہوتی رہتی ہے اور نئے پیشوا کے پیرووں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ قرنوں اور بعض اوقات صدیوں کی کشاکش کے بعد اصلاح پسند گروہ سوسائٹی کا نیا آئین اور نیا دستور بنانے میں کامیاب ہوتا ہے یہی راز ہے انسانی ترقی کا اور یہی معنی ہیں اس بے چینی اور کشمکش کے جو ہر متمدن قوم کی تاریخ میں نظر آتی ہے۔

اصلاح کے ارتقائی مدارج

مذہب کا ارتقا اس کلیہ سے خارج نہیں ہے اور ہندو مذہب کی تاریخ میں اس ارتقاء کے مدارج صاف نظر آتے ہیں۔ویدوں کے رشی اور شاستروں کے بنانے والے، گوتم بدھ اور شنکر آچاریہ، رامانج اور رامانند، کبیر، نانک، چیتن اور تکارام، تلسی داس اور سورداس، راجہ رام موہن رائے اور سوامی وویکانند ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔جن اصلاحوں کی آج ضرورت محسوس ہوتی ہے جو سوشل، مذہبی یا ملکی تبدیلیاں لوگ کرنا چاہتے ہیں ان کی ضرورت اور بے ضرورتی حسن و قبح سمجھنے کے لئے اس بات کا سمجھنا لازمی ہے کہ اس زمانہ سے پہلے اس ملک کے مصلحان قوم کو کیا کیا دقتیں پیش آئی تھیں اور انھوں نے اپنے زمانہ کے عقدوں کو کس طرح حل کیا تھا اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ ہماری قوم کی فطرت بحیثیت قوم کے کیسی ہے؟

(ماہنامہ گگن، بمبئی مذاہب عالم نمبر ۱۹۸۴ء)

☆☆☆

بُدھ دھرم

بُدھ مت کے بانی گوتم بدھ تھے جن کا زمانہ ۵۶۳۔۴۸۳ ق م ہے۔ گوتم بدھ ایک راجہ کے لڑکے تھے۔ ان کا نام سدھارتھ تھا۔ جب یہ لڑکے ہی تھے تو اپنے والد کے حکم سے سیر کرنے نکلے۔ ان کو سب سے پہلے ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا۔ جو ضعیفی کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھا جس کا جسم بالکل خراب وخستہ حالت میں تھا۔ سدھارتھ نے اس سے پہلے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے رتھ بان سے دریافت کیا، یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی ہے بوڑھا کب ہوتا ہے؟ یہ دریافت کرنے پر جواب ملا کہ جب آدمی کی عمر بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی شکل اس طرح کی ہو جاتی ہے۔ یہ پوچھنے پر کہ کیا سب کو بوڑھا ہونا پڑتا ہے؟ جواب ملا کہ ہاں سب ہی بوڑھے ہوتے ہیں اور آپ بھی ایک دن بوڑھے ہوں گے۔ کچھ آگے چل کر ایک بیمار آدمی ملا جو تکلیف کی وجہ سے تڑپ رہا تھا اور ہائے ہائے کرتا ہوا زمین پر گر پڑا تھا۔ سدھارتھ نے اس کو دیکھ کر پوچھا۔ یہ کون ہے اور کیوں ایسی حرکت کر رہا ہے؟ جواب ملا یہ بیمار ہے اور جب جسم میں کوئی خرابی ہو جاتی ہے تو لوگ بیمار ہو جاتے ہیں اور اسی طرح تکلیف سہتے ہیں۔ کچھ آگے چل کر ایک مردے کو دیکھ کر پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ جواب ملا۔ یہ آدمی مر گیا ہے۔ اس کے مردہ جسم کو جلانے کے لیے اس کے رشتہ دار مرگھٹ کو لیے جا رہے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا بدن اب کسی کام کا نہیں رہا ہے۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی سب طاقتیں ختم ہو گئی ہیں۔ کیا سب زندہ لوگوں کو مرنا ہی پڑتا ہے؟ جواب ملا۔ ہاں۔ سرکار سب کو ایک دن مرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں اور آپ بھی ایک دن ضرور مریں گے۔ سدھارتھ کو بوڑھا، بیمار اور مردے کے منظر کو دیکھ کر سخت ملال ہوا، وہ سوچنے لگا کہ ایسی زندگی سے کیا فائدہ جس میں بڑھاپا، بیماری اور موت لازمی ہوں۔ وہ سوچنے لگا کہ زندگی کس قدر ناپائدار اور حقیر ہے۔ یہ سب حالتیں دکھ دینے والی ہیں۔ یہ خیالات اس کو رنجیدہ کر رہے تھے کہ آگے چل کر ایک آدمی نظر آیا جو بشاش، خوش اور مست دکھائی دیتا تھا۔ اس کے چہرے سے فکر کے بجائے ہنسی ٹپک رہی تھی۔ کوچوان سے

پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک سنیاسی ہے جس نے دنیاوی زندگی کو ترک کر دیا ہے اور بے فکری سے زندگی گزارتا ہوا گھومتا پھرتا ہے۔ زندگی کے مسائل پر فکر کرتا ہے، دھیان اور بھجن میں اپنا وقت گزارتا ہے۔ سدھارتھ کو اس کی زندگی بہت پسند آئی اور اسی وقت اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ بھی دنیاوی زندگی کو ترک کر کے سنیاسی بن جائے گا۔ بالآخر سدھارتھ کی شادی ہوگئی اور ایک بچہ بھی ہوگیا۔ زندگی کی زنجیر کی کڑیوں سے بڑھنے سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ ایک رات کو وہ گھر سے باہر نکل گیا۔ یہ سوچنے کے لیے کہ کیا بڑھاپے، بیماری اور موت سے بچنے کا کوئی طریقہ ہے؟ گھر سے نکل کر اس نے ایک سنیاسی کی زندگی اختیار کی۔ اور ایسے لوگوں کی تلاش میں گھومنے لگا جو زندگی کے مسائل کو حل کر سکیں اور اس کو جینے کا صحیح راستہ بتا سکیں۔ جو طریقے بتائے جاتے وہ ان کی خوب مشق کرتا لیکن کچھ نہ پاتا۔ آخر کار چلتے چلتے وہ ایک دن گیا پہنچ گیا۔ وہاں ایک پیپل کے گھنے سایہ میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ زندگی کیا ہے اور اس میں یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ ان سب حالتوں سے آزاد ہونے کا کیا طریقہ ہے جس کو اختیار کرنے سے کامل آزادی حاصل ہو سکے۔ وہاں بیٹھ کر وہ گہری فکر میں ڈوب گیا۔ وہیں اس کو اپنے اندر سے ایسا نور حاصل ہوا جس سے زندگی اور اس سے نجات پانے کا راز اس پر روشن ہوگیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ زندگی کے راز کو سمجھ گیا ہے اور بدھ یا عقلمند ہوگیا ہے۔ اسی وقت سے اس کو بدھ کہنے لگے۔ اس نے اپنے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔ وہ گیا سے چل کر بنارس آیا اور بنارس کے نزدیک سارناتھ میں تعلیم و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بدھ کو گیا میں پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ کر دھیان کرنے سے کیا گیان حاصل ہوا اور لوگوں کو اس نے کیا تعلیم دی اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) پہلا علم تو اس کو یہ حاصل ہوا کہ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ کسی چیز کی ہستی ایک لمحہ سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تمام اشیاء ہر لمحہ بدلتی رہتی ہیں لیکن تبدیل شدہ اشیاء ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں اس لیے دیرپا معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے جسم اور من بھی اسی طرح بدلنے والے ہیں۔ ہمارے اندر ہمیشہ یکساں اور قائم رہنے والی ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو روح کہا جاتا ہے جس کو لوگ روح کہتے ہیں وہ تو ایک اجتماع کا نام ہے۔ جسم، من، عقل، حواس اور سنسکار کے خاص طور پر جمع ہونے کو روح کا نام دیا جاتا ہے اور یہ بھی ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ انسان میں اور دنیا میں کوئی بھی ہستی دائم اور قائم نہیں ہے۔ جیسے جسم میں کوئی مستقل روح نہیں ہے اسی طرح اس دنیا میں یا دنیا سے باہر اس کا خالق کوئی خدا یا ہمیشہ قائم

رہنے والا وجود نہیں ہے۔

(۲) اس زندگی میں ہمیشہ اور ہر جگہ دکھ یعنی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ سکھ یا آرام کہیں نہیں ہے۔ پیدائش میں تکلیف ہوتی ہے۔ زندہ رہنے میں تکلیف ہوتی ہے، بڑھاپا تکلیف دینے والا ہے۔ موت میں بھی تکلیف ہے کوئی آدمی کسی وقت کسی حالت میں بھی خوش نہیں ہے۔ یہاں دکھ ہی دکھ ہے۔

(۳) تمام تکلیفوں کی ایک علت ہے اور وہ ہے بے علمی (اودیا) اور خواہش (ترشنا)۔ انسان بے وقوفی کی وجہ سے دنیاوی چیزوں کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے اور جب وہ حاصل نہیں ہوتیں تو رنجیدہ رہتا ہے اور چوں کہ ہر ایک چیز یا ہر ایک حالت ناپائیدار ہے تو کسی چیز کو حاصل کر کے یا کسی حالت میں رہ کر آخر کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

آدمی کو اطمینان صرف نروان میں حاصل ہو سکتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں کبھی بھی راحت نہیں ہوتی کیوں کہ زندگی اور موت کا چکر چلتا ہی رہتا ہے۔ زندگی ایسی زنجیر ہے جس کی بارہ کڑیاں ہیں، ایک کے ختم ہوتے ہی دوسری کڑی آجاتی ہے۔ اس کو بدھ نے ''پرتی تیہ سمتپار'' کہا ہے (یعنی ایک کے ختم ہونے پر دوسری کی پیدائش)

وہ کڑیاں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اودیا یعنی جہالت۔

(۲) سنسکار۔ یعنی کرم کرنے کی خواہش۔

(۳) وگیان۔ یعنی تمیز یا عقل۔

(۴) نام روپ۔ یعنی نام اور شکل۔

(۵) شڈ ایتن۔ یعنی پانچ حاسے اور ایک من۔

(۶) سپرش۔ یعنی تعلق۔ (خارجی چیزوں سے تعلق پیدا کرنا۔)

(۷) ویدنا۔ یعنی خارجی اشیاء کے تعلق سے سکھ اور دکھ کا احساس ہونا۔

(۸) ترشنا۔ یعنی باہری چیزوں کو حاصل کرنے کی خواہش۔

(۹) اُپادان۔ یعنی خواہش کی چیزوں کو حاصل کرنا۔

(۱۰) بھو۔ یعنی تناسخ۔

(۱۱) جاتی۔ یعنی پیدائش۔

(۱۲) جرامرن۔ یعنی بڑھاپا اور موت۔

ہم سب لوگ ان ہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس سے نکل کر آزاد ہونے کا نام ہی ''نروان'' حاصل کرنا ہے۔ جہاں پیدائش اور موت کا چکر باقی نہیں رہتا۔ اور ترشنا یا خواہش اور اگیان یا جہالت فنا ہو جاتی ہے۔

نروان حاصل کرنے کے لیے آٹھ اصول بنائے گئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) سمیک درشٹی یعنی دنیا اور زندگی کی اصلیت کو اچھی طرح جاننا۔ سمجھ لینا اور دیکھ لینا۔

(۲) سمیک سنکلپ۔ یعنی مناسب ارادہ۔ اس میں غلط اور ناپائدار اشیاء کو حاصل کرنے کا خیال نہ آنے دینا چاہیے۔

(۳) ٹھیک طور پر یا مناسب طریقہ سے بات کرنا۔

(۴) ٹھیک یا مناسب کام کرنا۔

(۵) مناسب طریقہ سے کما کر زندگی بسر کرنا۔

(۶) مناسب محنت کرنا۔

(۷) مناسب باتوں کو یاد رکھنا اور فضول اور بری باتوں کو بھول جانا۔

(۸) مناسب یا ٹھیک خیالات پر دھیان دیتے رہنا۔

ان سب حقیقتوں کو بدھ نے آریہ ستیہ یعنی نیک آدمیوں کو جاننے کے لائق سچائیاں بیان کی ہیں۔ ان ہی سچائیوں کو بدھ دھرم کہہ سکتے ہیں۔

پہلے تو انھوں نے اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کے متعلق نصیحت کی کہ انسان نہ حد سے زیادہ دنیاوی لذات وعیش و آرام میں پھنس جائے اور نہ ضرورت سے زیادہ جسم کو دکھ دے کر نا قابل برداشت یوگ اور ریاضت میں لگ جائے۔ دونوں قسم کی انتہا پسندی کو ترک کر کے بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یعنی اپنے جسم، حواس، اور من سے مناسب کام لینا بہتر ہے۔ جس میں کسی قسم کا غیر معمولی پن نہ ہو جیسے کہ نہ زیادہ کھانا، نہ زیادہ سونا اور نہ زیادہ جاگنا۔ غرضیکہ ہر ایک کام اعتدال سے کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ بدھ نے ''کشنک واد'' کی تعلیم دی۔ یعنی دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ صرف ایک لمحہ ایک صورت میں رہتی ہیں۔ ہر ایک چیز ہر لمحہ اپنی شکل بدلتی رہتی ہے۔ یہاں کوئی چیز بھی دیر پا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی روح بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے جس طرح دیگر

مذاہب میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں تو یہ کہا جاتا ہے کہ روح، روپ، ویدنا، سنکیا، سنسکار اور گیان ان پانچ حالتوں کا مجموعہ ہے۔ روپ سے مطلب ہے جسمانی شکلیں۔ ویدنا سے مراد ہے احساس جو حاسوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سنکیا کے معنی ہیں چیزوں کے نام جو ہم ان کو دیتے ہیں۔ سنسکار کے معنی ہیں گزشتہ دنوں میں کیے ہوئے کرموں کے بقیہ اثرات۔ وگیان کے معنی ہیں چیزوں کا علم جو دیرپا نہیں ہے۔ ان سب سے مل کر ہمارے تمام علم یا گیان کی تعمیر ہوتی ہے اور یہ سب ہر ایک لمحہ بدلتے رہتے ہیں۔ ہمارے اندر روح کہلانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس طرح ہم کسی دریا میں دو دفعہ اسی پانی میں نہیں نہا سکتے جو پہلے تھا۔ اسی طرح ہماری آتما کسی وقت پہلے تھی وہ اس لمحہ باقی نہیں رہی۔ آتما کہلانے والا کوئی بھی لامتغیر اور لافانی جوہر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان پانچ حالتوں (سکندہ) میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو ہمیشہ تبدیلی کے بغیر رہتی ہو ہر لمحہ دوسری ہی آتما ہوتی ہے۔ پہلی جب ختم ہو جاتی ہے تو دوسری پیدا ہو جاتی ہے۔ خیالات کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ وہی گیان دوبارہ نہیں آتا۔ اسی اندازِ فکر کی تائید کرتے ہوئے نفسیات کا ایک زبردست عالم ولیم جیمس کہتا ہے کہ یہی نہیں کہ آتما ہی خیالات اور حالتوں کا مجموعہ ہے بلکہ دنیا کی تمام چیزوں کا یہی حال ہے۔ یہاں تو کوئی بھی قائم رہنے والا جوہر نہیں ہے۔ ایک چیز کے فنا ہو جانے پر دوسری پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اگر کچھ نہ بدلنے والی چیز ہے تو وہ شونیہ یعنی خلا ہے۔

زندگی میں بھی ایک حالت کے فنا ہونے کے بعد دوسری حالت عدم سے وجود میں آتی ہے۔ اس طرح بدھ نے ہمیں بتلایا کہ زندگی کے واقعات میں بارہ کڑیاں ہیں جو ایک کے بعد دوسری وجود میں آتی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

اناتم واد

ہندو دھرم اور جین مت دونوں میں جیو آتما کی ہستی تسلیم کی گئی ہے جو کہ فطرتاً بہت سے اوصاف سے متصف ہے اور یوگ وغیرہ کی مشق اور ریاضتوں سے اس قدر پاک صاف ہو جاتی ہے کہ اس میں لاتعداد طاقتیں اور غیر محدود مسرتیں نمودار ہو جاتی ہیں۔

ہندوؤں کے عقائد کے مطابق ہر ایک انسان کی آتما اصل میں پرماتما ہی ہے اور اس میں لاتعداد طاقتیں موجود ہیں، جن کا ہمیں گیان نہیں ہے۔ لیکن گیان ہو جانے پر آتما ہی پرماتما

ہو جاتی ہے اور جیو ہی بر ہمہ ہو جاتا ہے جو درحقیقت وہی ہے۔جینیوں کے عقیدہ کے مطابق جیو سادھن یا ان کے مذہب میں بتائے ہوئے طریقوں کی پر خلوص ریاضت سے پر ماتما بن جاتا ہے اور اس میں گیان، کرم اور آنند کی بے پناہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔لیکن بدھ نے آتما کی کوئی ہستی تسلیم نہیں کی اور زندگی کا مقصد یہ مانا ہے کہ ان کے بتائے ہوئے طریقوں کی مدد سے ''نروان'' حاصل کیا جائے۔ان کے اشٹا نگ مارگ یا آٹھ قسم کی تربیت والی ریاضت پر ثابت قدم رہنے سے انسان کی سب برائیاں اور خرابیاں دُور ہو کر انسان کی زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے۔اور جس طرح چراغ گل ہو جاتا ہے اسی طرح وہ بھی خاموش ہو جاتا ہے اور شونیہ یا خلا میں جذب ہو جاتا ہے یعنی اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا وہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔اس کا نروان ہو جاتا ہے اور ایک چراغ کی طرح وہ گل ہو جاتا ہے۔

جب تک نروان حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک وہ اپنے کرموں اور سنسکاروں کی وجہ سے ایک زندگی سے دوسری زندگی میں گھومتا پھرتا رہتا ہے۔اس لحاظ سے ہندوؤں اور جینیوں کی طرح بدھ دھرم بھی تناسخ کا قائل ہے۔البتہ یہ لوگ بہشت اور دوزخ کے طبقات کو تسلیم نہیں کرتے نہ ویدوں کو صحیح ذریعہ علم یا پرمان کو ہی قبول کرتے ہیں۔

بدھ جس طرح آتما کی ہستی کو نہیں مانتے اسی طرح ایشور کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔بدھ کے نروان کے بعد اس دھرم میں کئی ایک فرقے پیدا ہو گئے۔ایک فرقہ وہ تھا جو پالی زبان میں بدھ کے دئے ہوئے اپدیشوں یا نصیحتوں کو پرمان یا ذریعۂ علم تسلیم کرتا تھا۔دوسرا فرقہ ان لوگوں کا ہو گیا جس کو بدھ کے بعد کے گروہوں نے چلایا۔ان میں نئے نئے خیالات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے اور سنسکرت زبان میں اس کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔پہلے فرقہ کو ''ہنیان'' اور دوسرے فرقہ کو ''مہایان'' کہتے ہیں۔

بدھ کے بعد کا بودھ فلسفہ

بدھ کی زندگی میں ہی بدھ کے فلسفہ کو ماننے والے بہت لوگ ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے بعد بھی بہت سے لوگ ان کے فلسفہ کو مان کر اپنے اپنے طریقہ پر سوچنے اور لکھنے لگے تھے۔ اس طرح ان کے فلسفہ میں کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ان میں سے یہاں یہ چار فرقے بیان کیے

جاتے ہیں:

(۱)''سراوتی واد''یعنی خارج اور باطن میں سب چیزوں کے وجود کو ماننے والے (۲)''سوتران تک''یعنی خارجی اشیاء کا وجود ماننے والے اور یہ کہ ان کا علم بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ (۳)''یوگا چار''یا وگیان واد جو خارجی اشیاء کے وجود کو نہیں مانتے بلکہ خواب کی طرح ان کو صرف من یا عقل کی پیدا کی ہوئی شکلیں تصور کرتے ہیں۔(۴)''مادھیہ میک''یا شونیہ واد جو صرف خلا کو حقیقت مانتے ہیں۔اور خارج اور باطن میں کوئی وجود تسلیم نہیں کرتے۔کسی قسم کی تخلیق نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔یہاں فقط التباس ہے یہ نظامات فلسفہ بدھ کے بتلائے ہوئے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے پیدا ہوئے کہ سب کچھ جو تجربہ میں آتا ہے وہ ایک لمحہ سے زیادہ کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ان کو تصنیف کرنے والوں کی مدد سے بدھ کا فلسفہ مغربی ایشیاء میں بہت دُور تک پھیل گیا تھا مذکورہ بالا پہلے دو نظامات کا شمار''ہن یان''فرقے میں کیا جاتا ہے اور آخری دو نظام''مہایانی''فلسفہ میں سمجھے جاتے ہیں۔(۱) ہن یان اور مہایان میں یہ فرق ہے کہ ہن یان ان اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کی تعلیم بدھ نے ذاتی طور پر کی تھی اور جو پالی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں میں درج ہیں اور مہایان فرقہ ایسا ہے جن میں جدید خیالات اور نئے اصولوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ہن یان کی شہرت بدھ بھکشوؤں کے ذریعہ لنکا، برما اور سیام میں زیادہ ہوئی اور مہایان تبت سے چین تک پہنچ گیا اور کوریا اور جاپان تک پھیل گیا۔ان دونوں فرقوں میں یہ بھی ایک فرق ہے کہ ہن یان کے پیرو صرف اپنے نروان کے لیے کوشش کرتے تھے لیکن مہایان کے پیرو خود نروان حاصل کر کے دوسروں کو بھی نروان کی حالت کا تجربہ کروانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ایسے لوگوں کو''بودھی ستوا''کہا جاتا تھا۔''بودھی ستوا'' وہ ہوتا ہے جو دنیا کے لوگوں کو آزاد کرانا یا نروان دلانا اپنی زندگی کا عین فرض سمجھتا ہے۔اس کو کئی لوگ بدھ کا اوتار بھی مانتے ہیں۔

مہایان کے فرقے پر ہندو ویدانت اور اپنشدوں کے خیالات کا گہرا اثر پڑتا ہے اور دونوں کے اصولوں میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گوڑپاد اور شنکرآچاریہ کے پھیلائے ہوئے ہندوادویت ویدانت پر بھی مہایانی بدھ فلسفہ کا گہرا اثر پڑا تھا۔ گرڑپاد اور شنکر کا مایا وادی ویدانت ،بدھ شونیہ واد اور وگیان واد سے بہت متاثر ہے۔اس کے مطابق یہ دنیا صرف مایا ہے۔یعنی اصلیت میں کچھ بھی نہیں صرف خواب کے مانند ہے اور برہمہ جو آخری حقیقت ہے وہ بھی شونیہ یا خلا کے طور پر بالکل صفات سے پاک ہے۔نروان میں اور

ویدانت کے موکش میں بہت فرق ہے۔دونوں میں انسان کی شخصیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور کسی قسم کا دکھ نہیں رہتا۔نہ اس کے بعد اور کہیں پیدائش ہوتی ہے۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ ہندوستان سے بدھ فلسفہ غائب ہو گیا۔لیکن اس کا اثر مایاواد کے فلسفہ میں موجود ہے جو آج بھی ہندوستان کا قومی فلسفہ سمجھا جاتا ہے یعنی ادویت ویدانت۔اسی وجہ سے شاید ہندوؤں نے بدھ کو بھگوان کا ایک اوتار مان کر اس کی پوجا شروع کردی تھی۔یہ کہنا اور ماننا حقیقت سے بعید نہ ہوگا کہ ہندوؤں کی رگوں میں بدھ اور ''اپنشدوں کے فلسفہ کا خون دوڑتا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کو برما، چین، جاپان اور سیام کے بودھوں سے رغبت ہے۔

اب بھی بدھ دھرم ان سب ملکوں میں زندہ دھرم کی حیثیت سے قائم ہے۔البتہ ہندوستان میں بہت کم آدمیوں کا دھرم ہے۔اس لیے کہ ہندو دھرم والوں نے بدھ کو بھگوان وشنو کا اوتار سمجھ کر اس کی تعلیم کے ضروری حصوں کو ہندو دھرم میں شامل کرلیا اور اس کو اپنے ہی دھرم کی ایک شاخ سمجھنے لگے۔جس کی وجہ سے اس کی الگ ہستی باقی نہیں رہی۔

(اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد سوم مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی)

مہاتما بدھ

مہاتما بدھ کو دنیا کے دانش وروں نے "لائٹ آف ایشیا" (ایشیا کا نور) کہا ہے۔ بدھ ۵۴۳ برس قبل مسیح میں (بعض مورخوں نے ۶۲۰ برس قبل مسیح بھی لکھا ہے) ریاست کپل وستو کے راجا شدھودھن کے یہاں لم بنی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ کپل وستو کی ریاست بھی نیپال کے جنوب میں اور ہندوستان کی شمالی سرحد پر واقع تھی۔ ضلع بستی کے قصبے بارڑ پور میں کپل وستو کے کھنڈرات آج بھی پائے جاتے ہیں۔ بدھ کا خاندان شاکیہ قوم سے تعلق رکھتا تھا اور شاکیہ قوم منگول نسل سے تھی۔
بدھ کی ماں مہامایا ریاست کلی کے راجا انجن کی بیٹی تھیں۔ جب بدھ پیدا ہوئے تو اس وقت راجا شدھودھن کی عمر ۴۵ برس تھی بیٹے کا نام سدھارتھ رکھا گیا (جس کے معنے ہیں سب کام ٹھیک کر دینے والا) خاندانی نام گوتم رکھا گیا۔ گوتم کی پیدائش کے ساتویں دن ماں گزر گئیں۔ راجا نے اپنی سالی گوتمی سے شادی کر لی۔ گوتم نے اپنی خالہ ہی کی گود میں پرورش پائی۔
بچہ کٹر دل ہوا کرتا ہے مگر گوتم ابتدا ہی سے نرم دل تھے۔ ایک درباری کونڈینا نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ بچہ کہیں گھر بسا کر نہیں رہے گا، بلکہ گھوم پھر کر دنیا کی برائی دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور سنیاس لے گا۔ راجا نے گوتم کے لئے تین محل بنوائے تھے ایک کا نام سبھا تھا، دوسرے کا سراما اور تیسرا رما۔ تینوں موسم کے لئے تین آرام دہ محل۔ ۱۹ برس کی عمر میں ماموں زاد بہن گوپا سے گوتم کی شادی ہو گئی (بعض مورخوں نے گوپا کا نام یشودھرا بھی لکھا ہے)
ایک دن اپنے رتھ بان چاننا کی مدد سے گوتم نے محل کے باہر کی دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انھیں ایک بوڑھا نظر آیا۔ ضعیفی کی بنا پر جس کی کمر جھک چکی تھی اور جو بمشکل ہی چل سکتا تھا۔ انھیں طاعون کا ایک مریض بھی دکھائی دیا جو مرض کی تکلیف سے اینٹھا جاتا تھا۔ آخر میں گوتم نے ایک مردہ دیکھا جس کا روپ بدل چکا تھا اور اس کے غم زدہ رشتے دار اسے دریا کی جانب لیے جا رہے تھے۔ ایک ہی دن کے ایسے تین واقعوں نے حساس دل گوتم کی سوچ و فکر کا رخ بدل دیا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ سنیاس لینا آرام و سکون کا باعث ہوگا۔
۲۹ برس کی عمر میں گوتم نے اپنی ازدواجی زندگی کو تیاگ دیا اور محل چھوڑ کر وہ انماندی کے کنارے آ بیٹھے۔ یہاں سات دن تک انہوں نے قیام کیا۔ آڑ کالام نام کے کالام ہندومت کے ایک سنیاسی پنڈت تھے۔ ان کے آشرم میں گوتم نے کچھ عرصے درس لیا۔ پھر مگدھ دیش پہنچ کر گوتم

پنڈت رام پت اڈک کے چیلے بنے لیکن ان دونوں عالموں کے علم سے گوتم کی پیاس نہ بجھی۔وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں عالم تو تھے مگر وہ اپنی اپنی خواہشات کے بندے بھی بنے ہوئے تھے۔چنانچہ گوتم ایسی ریاضت کرنے پر مجبور ہوئے جو ترک خواہشات کا موجب بنے۔چنانچہ بہار میں گیا کے قریب ارویلا گاؤں کے جنگل سے گزرتی ہوئی نئی رنجن نام کی ایک ندی کے کنارے گوتم تپسیا کرنے بیٹھ گئے۔یہاں گوتم کے باپ کے درباری کونڈینا نے بھی گوتم سے آکر ملاقات کی۔اور وہ چاروں براہمن وزیرزادے بھی آکر گوتم کے چیلے بن گئے جو گوتم کی تقلید میں سنیاسی بن گئے تھے۔
تپسیا کے اس دور میں گوتم اپنا کھانا پینا ترک کئے رہے۔سات برس تک وہ ہر موسم میں ننگے بدن آلتی پالتی مارے بیٹھے رہے یہاں تک کہ پیٹ کی کھال ریڑھ کی ہڈی سے جاملی۔جنگل کے چرواہے اور لکڑہارے گوتم کو جن بھوت سمجھ کر ان پر کوڑا کرکٹ پھینک جاتے۔ایک دن کم زوری کی شدت سے گوتم بے ہوش ہو گئے۔اتفاق سے اسی وقت ایک عورت تھال میں کھیر لائی،اس کھیر کو کھا کر گوتم ہوش میں آئے۔
اس کڑی تپسیا کے بعد گوتم اس نتیجے پر پہنچے کہ اپنے جسم کو اذیت پہنچانا مناسب نہیں اور نہ سنیاس ہی لے کر دکھوں سے نجات پائی جاسکتی ہے۔سنیاس ترک کرنے پر گوتم کے چاروں ساتھی گوتم سے بدظن ہو کر گوتم کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔پھر گوتم برگد کے درخت کے نیچے پدم آسن لگا کر بیٹھ گئے۔آخر ایک رات،آدھی رات گزر جانے کے بعد گوتم کو گیان (عرفان) حاصل ہوا۔وہ گیان یہ تھا کہ ''تم نہ کوئی جنم بھومی ہو اور نہ کوئی کنبہ،نہ ذات،نہ جیون،نہ ضمیر،تم بدھ (دانش) سا ہو۔تم سے پہلے جو بدھ دنیا میں آتے رہے ہیں تم اس سلسلے کے آخری بدھ ہو!''
اس گیان سے مہاتما بدھ پر یہ انکشاف ہوا کہ بڑھاپا اور موت ہستی ہی کے گیان سے پیدا ہوتے ہیں اور ہستی کا گیان دنیا کے گیان سے ہوتا ہے۔اور دنیا کے چار عنصر ہیں۔(۱) حرص (۲) جسمانی ضروریات کی تکمیل کی خواہش (۳) انا کا احساس (۴) رغبت اگر ان چاروں عناصر پر قابو پالیا جائے تو جینے کی ہوس اور مرنے کا غم دونوں ختم ہو جائیں۔برگد کے جس درخت کے نیچے گوتم کو یہ گیان حاصل ہوا تھا وہ بودھی دُرم کے نام سے مشہور ہوا۔اس درخت سے جو درخت اُگا وہ بھی آج تک موجود بتایا جاتا ہے۔تین سو برس قبل مسیح میں اس درخت کی ایک شاخ سنگل دیپ کے انورادھ پور میں لے جا کر لگائی گئی تھی اس سے جو درخت اُگا وہ بھی آج تک زندہ بتایا جاتا ہے۔کہتے ہیں کہ بدھ ہو جانے کے بعد گوتم بدھی دُرم کے نیچے دو ہفتے تک بیٹھے رہے۔تیسرے ہفتے میں آپ نے اس کے نیچے ٹہلنا شروع کیا۔چوتھے ہفتے آپ شمال مغرب کی سمت میں نکل گئے۔پانچواں ہفتہ آپ نے موچوکنڈ کے درخت کے نیچے گزارا۔چھٹا ہفتہ اجیا لک کے تیگر

دودھ درخت کے سائے میں بسر کیا۔ اور ساتواں ہفتہ ایک تاڑ کے درخت کے نیچے۔ سات ہفتے تک آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ آٹھویں ہفتے سے آپ نے کچھ کھانا شروع کیا۔ مہاتما بدھ نے اپنا پہلا وعظ بنارس کے قریب سارناتھ میں دیا اور سب سے پہلے اپنے پانچوں بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو سمجھا کر اپنا ہم خیال بنایا۔ برسات کے تین مہینوں میں بدھ بنارس ہی میں مقیم رہے۔ اس عرصے میں ساٹھ اشخاص آپ کے پیروکار بنے۔ کیشپ جیسے فاصل ونامور پنڈت نے جب بدھ مت قبول کیا تو اس کے بے شمار چیلے بھی بدھ مت کے پیروکار بن گئے۔ مگدھ دیش کے راجا بمبی سار کے بدھ مت میں آنے کے بعد بدھ مت ایک طاقت ور دھرم بن گیا۔ تب مہاتما بدھ نے اپنے بھکشوؤں کی ایک جماعت قائم کی جس کا نام انہوں نے سنگھ رکھا اور اس کے بڑے عہدے ایسے دونو جوانوں کو دیئے گئے جو پہلے ہندو برہمن تھے۔

بیٹے کی شہرت بڑھی تو راجا شدھودھن نے بیٹے سے ملنا چاہا مگر باپ کا بھیجا ہوا ہر قاصد بیٹے کے پاس پہنچ کر بھکشو بن جاتا۔ آخر اپنی نویں کوشش میں باپ بیٹے سے مل پایا۔ پتنی نے بیٹے راہل کو پتی کے پاس بھیج کر اپنی طرف راغب کرنا چاہا مگر بیٹا باپ کے پاس پہنچ کر خود بھکشو بن گیا۔ راجہ شدھودھن کا دوسرا بیٹا جو گوتم کا سوتیلا بھائی تھا وہ بھی بھائی کے سائے میں آ کر بھکشو بنا۔ یہاں تک کہ گوتم کے تمام سسرالیوں نے بھی بدھ مت اختیار کر لیا۔ راجا شدھودھن جب ۹۷ برس کی عمر میں گزر گئے تو خاندان میں راج پاٹ سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ تب مہاتما بدھ نے اپنے کنبے کی تمام عورتوں کی ایک جماعت بنا دی اور اپنی پتنی گوپا کو اس جماعت کا نگراں مقرر کرایا۔ راجا بمبی سار کی رانی کھشیما بھی دنیا تیاگ کر بھکشونی بن گئی۔ اس طرح دنیا کی تاریخ میں پہلی بار عورت بدھ کی رہنمائی میں مرد کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

مہاتما بدھ کے چچازاد بھائی دیودت اور اس کے بیٹے اجات شترو نے بغاوت کی اور سنگھ کا انتظام خود سنبھالنا چاہا۔ اس کشمکش میں راجا بمبی سار کو مہاتما بدھ کے حق میں اپنی جان بھی دے دینا پڑی۔ آخر دیودت ناکام رہا اور مر گیا اور اجات شترو تائب ہو گیا — مہاتما بدھ ۸۰ برس کی عمر میں پہنچ کر ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اپنا مرکز اپنے ایک چیلے کاشیب کے حوالے کر کے پاداگاؤں میں ایک لوہار کے باغ میں آ ٹھہرے۔ لوہار نے جو کھانا آپ کو دیا وہ سڑ گیا تھا۔ اس سے آپ کو پیچش ہو گئی۔ اپنے شاگرد رشید آنند کو ہدایت دی کہ ان کی بیماری میں لوہار کے دیئے ہوئے کھانے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ۵۴۳ برس قبل مسیح میں (بعض مورخوں نے ۴۸۰ برس ق م بھی لکھا ہے) ضلع گورکھپور کے کسی نگر قصبے میں مہاتما بدھ گزر گئے۔ (ماہنامہ گگن بمبئی، مذاہب عالم نمبر ۔ ۱۹۸۴ء)

دھمپد

برِ صغیر سے طلوع ہونے والے مذاہب میں بدھ مت کو ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ یہ مت دراصل ہندو دھرم میں مروج رجعت پسندانہ اور کٹر رویوں کے خلاف ایک اصلاحی تحریک کی صورت میں معرضِ وجود میں آیا۔ اگرچہ اس کے بنیادی عقائد اور اصول ہندو دھرم سے الگ نہیں ہیں لیکن بدھ دھرم کی تعلیمات کا کلیدی عنصر ترکِ خواہشات، میانہ روی اور متوازن زندگی گزارنے کا ایک لائحۂ عمل تھا جس کی بنیاد راست بازی، ضبطِ نفس اور پاکبازی پر رکھی گئی۔ گوتم بدھ کے مقدس اُپدیشوں کا مجموعہ "دھمپد" پالی زبان کا ایک عظیم مذہبی شاہکار ہے، جس کا ترجمہ ممتاز شاعر جناب منور لکھنوی نے اُردو نظم میں کیا تھا جسے انجمنِ ترقی اُردو ہند علی گڑھ نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ ذیل میں اس کے کچھ بند درج کئے جاتے ہیں۔

شاہراہِ عمل میں آٹھ اصول — واقعی بے بدل ہیں آٹھ اصول
ٹھیک ہو گفتگو، نگاہ، خیال — ٹھیک ہو سعی کا، عمل کا مآل
ٹھیک ورزش ہو، ٹھیک روزی ہو — ٹھیک اسمرتی ہو، سمادھی ہو
چار سچائیاں ہی افضل ہیں — نقص سے پاک ہیں مکمل ہیں
سب پہ ہے بے تعلقی فائق
مردِ بینا ہے قدر کے لائق

لب پہ لائے نہ جو فضول کلام — اس میں لے خاص احتیاط سے کام
دل کو بے حد سنبھال کر رکھے — نظم پر، ضبط پر نظر رکھے
جسم سے جو کوئی گنہ نہ کرے — معصیت کی طرف نگہ نہ کرے
دل، زباں، جسم جو صاف رکھے — جوہرِ اعتکاف جو رکھے
پیروِ عقلمند بدھ کا ہے
اُس کو مسلک پسند بدھ کا ہے

جٹائیں رکھ کے برہمن کوئی نہیں ہوتا
بزرگ اس سے بھی آدمی نہیں ہوتا

نہ گوتر سے، نہ برہمن جنم سے ہے کوئی
فضول کیوں پھر اسے برہمن کہے کوئی

جو راستی کا،صداقت کا ہے علمبردار
شارِدھرم ہے جس پر جو دھرم پر ہے نثار

شعار نیک ہو، محمود ہو چلن جس کا
برنگِ شعلہ ً بے دود ہو چلن جس کا

اسی کے وصف گنانے میں تر زباں رہیے
برہمن اصل میں ہے ،برہمن اسے کہیے

خواب میں بھی جو کسی پر حرف زن ہوتا نہیں
عیب جُو کی گفتگو جس کا سخن ہوتا نہیں

دل میں بے رحمی کے جذبے کو جگہ دیتا نہیں
جو کسی کی جان بھی بے فائدہ لیتا نہیں

جو فقیری کے اصولوں پر عمل پیرا رہے
ساکنِ دنیا بھی ہو کر تارکِ دنیا رہے

جو غذا کھاتا ہو مقدارِ مناسب میں مدام
جاگنے سونے میں جو لیتا ہو تنہائی سے کام

دل کی یکسوئی میں جس کا شغل ہو، ابھیاس ہو
ہے یہی تعلیم داناؤں کی ،اس کا پاس ہو

سستی میں ،کاہلی میں جو سو سال کاٹ دے
عمرِ عزیز یوں جو بد اعمال کاٹ دے

اس پر ہے ایک دن کی بھی فائق وہ زندگی
ہوتی ہے خاص قدر کے لائق وہ زندگی

آغاز جس میں ہو کسی کارِ عظیم کا
اظہار جس سے ہو کسی عزم صمیم کا

بدھ دھرم کی کچھ کتابیں

جاتک کتھائیں	راجندر انجم (مترجم)	پبلی کیشنز ڈویژن، سی جی او کمپلیکس نئی دہلی ۔۱۱۰۰۰۳
دھمپد بھگوان بدھ	چندو لال	ہندوستان الیکٹرک پریس دہلی ،ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۹۳۔ مذہب
دھمپد	منور لکھنوی	آدرش کتاب گھر، فیض گنج، دریا گنج، دہلی
دھمپد یعنی دھرم کا راستہ	بشن نرائن (مترجم)	۔رہبر پریس مرادآباد، ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۱۷۔مذہب
مہاتما بدھ کی حکایتیں	پال کاروس/مسعود فاروقی	پبلی کیشنز ڈویژن، سی جی او کمپلیکس نئی دہلی ۔۱۱۰۰۰۳

ہندوستان میں پیدا ہونے والے مذہبوں میں سے ہندو، جین اور بودھ دھرم بہت قدیم ہیں جینیوں کا تو خیال ہے کہ ان کا دھرم ہندو دھرم سے زیادہ پرانا ہے۔ اس خیال میں کس قدر صداقت ہے، یہ بتانا تو بہت مشکل ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کی بہت پرانی اور مقدس کتاب رگ وید میں جینیوں کے دو تیرتھنکروں کے نام ملتے ہیں جو رشبھ اور ارشٹ نیمی ہیں رشبھ دیو کی کتھا وشنو پران اور شری مد بھاگوت پران میں ملتی ہے اُن کو ایسا یوگیشور کہا گیا ہے جنھوں نے اپنے جسم اور جذبات کو نفس کشی اور ریاضت سے اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم ویدک زمانے میں ہندوستان میں ایک ایسا فرقہ تھا جس نے کسی کو تکلیف نہ دینے اور ریاضت کرنے میں شہرت حاصل کی تھی۔ اس کو ناستک فرقہ بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ وہ ویدوں اور ایشور کو نہیں مانتا تھا۔ ہندوستان میں تین قسم کے خیالات کے پیروؤں کو ناستک کہا جاتا تھا۔ ایک تو وہ جو وید کو پرمان یا صحیح ذریعہ علم تسلیم نہیں کرتے۔ دوسرے وہ جو ایشور یا خدا کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جو موت کے بعد بہشت و دوزخ وغیرہ سے انکار کرتے ہیں۔ جینیوں میں پہلی دو باتیں موجود ہیں۔ یعنی وید کو صحیح ذریعہ علم نہیں مانتے اور ایشور یا خالق کی ہستی کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن وہ دوزخ و بہشت وغیرہ کے قائل ہیں۔ بدھ دھرم والے بھی اسی طرح کے ناستک ہیں۔ لیکن چارواک مت کے پیرو ہر ایک لحاظ سے ناستک ہیں۔

جینی، ایشور اور وید کو تو نہیں مانتے لیکن ان کے خیالات اور زندگی کے طریقے ہندوؤں سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے وہ ہندوؤں میں خوب گھل مل گئے ہیں اور ان کے ساتھ کھان پان اور شادی وغیرہ کے تعلقات کا چلن بھی ہے۔

ویدوں کے مقابلے میں، جین مت میں، اپنے تیرتھنکروں کی تعلیمات کو ہی پرمان یا صحیح ذریعہ علم مانا جاتا ہے اور ایشور کی جگہ، وہ اپنے مذہب کے مطابق، نجات پائے ہوئے جیووں یا انفرادی روحوں کو ہی پرماتما کے طور پر تسلیم کرتے ہیں جن میں غیر محدود گیان، طاقت اور آنند کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے چوبیس (۲۴) تیرتھنکر یا ارہت ہو چکے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) رشبھ ۲۔ اجت ۳۔ سمبھو ۴۔ ابھی نندن ۵۔ سومتی ۶۔ پدم پربھ ۷۔ سوپارشو ۸۔ چندر پربھ ۹۔ پشپ دنت ۱۰۔ شیتل ۱۱۔ شرلے یانس ۱۲۔ سوپوجیہ ۱۳۔ ویمل ۱۴۔ انت ۱۵۔ دھرم ۱۶۔ شانتی ۱۷۔ کنتھو ۱۸۔ ارسو ۱۹۔ ملی ناتھ ۲۰۔ منی سوبرت ۲۱۔ نیمی ۲۲۔ پارشو ۲۳۔ نمی اور ۲۴ وردھ مان مہاویر۔

وردھمان مہاویر:

آخری تیرتھنکر (ارہت) وردھ مان مہاویر ہوئے ہیں انہیں گزرے ہوئے دو ہزار پانچ سو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ یہ مہاتما بدھ کے زمانے کے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ان کی پیدائش کا زمانہ تقریباً ۵۹۹ ق۔م بتایا جاتا ہے۔ انھوں نے ۷۲ سال کی عمر میں نجات حاصل کر لی تھی۔ ایک حساب سے ان کا زمانہ ۵۴۹ ق۔م سے ۴۷۷ ق۔م تک مانا جاتا ہے۔

بھگوان مہاویر کا جنم بہار کے کنڈ پور گاؤں میں ایک کشتریہ خاندان کے راجہ سدھارتھ کے گھر میں ہوا تھا۔ ان کی ماں کا نام ترشلا تھا۔ ان کا اصلی نام وردھ مان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زبردست اور غیر معمولی ریاضت سے ان کا نام مہاویر رکھا گیا تھا۔ انھوں نے تیس سال تک ایک دنیادار کی زندگی گزاری۔ اور ماں باپ کا انتقال ہوتے ہی انھوں نے اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دی اور گھر بار کو چھوڑ کر انتہائی ریاضت میں محو ہو کر سنیاسی بن گئے۔ پاواپوری مقام پر انھوں نے ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی لیے ویشالی اور پاواپوری جینیوں کے بہت بڑے مقدس مقامات سمجھے جاتے ہیں۔ پہلا وہ مقام ہے جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور دوسرا وہ جہاں انھوں نے وفات پائی۔

جین مت کے چند خاص اصول یہ ہیں:

یہ کائنات ہمیشہ سے اسی طرح چلی آرہی ہے۔ نہ اس کا کہیں آغاز ہوا اور نہ کبھی اس کا اختتام ہوگا۔ اس لیے اس کے خالق کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اپنے قدرتی قانون سے چل رہی ہے۔ اس کا انتظام کرنے والا کوئی ایشور نہیں ہے اور نہ اس کو پیدا یا فنا کرنے والا ہے۔ اس کی تہہ میں متعدد جوہر موجود ہیں۔ ان میں ایک تو جیو یا آتما ایک روحانی جوہر ہے اور باقی سب غیر روحانی جوہر ہیں۔ جیو یا کوئی اور جوہر کسی نے پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ باقی

رہیں گے۔ یہ سب کثیر ہوتے ہوئے بھی واحد کی طرح کام کرتے ہیں۔اس لیے اس دنیا کو نہ واحد کہہ سکتے ہیں نہ کثیر بلکہ کثیر ہوتے ہوئے بھی یہ ایک ہے اس لیے اس مذہب کو ''انیک آنت واد'' کہا جاتا ہے۔اس کے مطابق ہر چیز کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ایک پہلو سے سب ایک ہیں، دوسرے پہلو سے کثیر ہیں۔یہ کائنات غیر متغیر بھی ہے اور تغیر پذیر بھی۔تغیر کو ادویت ویدانت کی طرح صرف مایا یا دھوکا نہیں کہا جا سکتا۔اس کی حقیقت اسی طرح قابل تسلیم ہے جس طرح غیر متغیر جوہر کی۔البتہ ایک نقطۂ نگاہ سے جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ سب طرح سے ویسی ہی نہیں ہوتی۔اس دنیا میں کئی ایک طرح کی حرکتیں اور کیفیتیں ہیں۔ان میں سے کسی ایک کو حقیقی سمجھ لینا اور دوسروں کو غیر حقیقی کہہ دینا مناسب نہیں ہے۔ہر ایک چیز پیدا ہو کر تبدیل ہوتی رہتی ہے اور بالآخر فنا ہو جاتی ہے۔لیکن ان سب کے باوجود وہ چیز قائم رہتی ہے۔اس لیے جینیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کائنات میں وحدت اور کثرت، پیدائش اور فنا، تغیر اور دوام۔یہ سب ہی اوصاف موجود ہیں۔ کسی ایک کے بیان سے اس کی تکمیل نہیں ہوتی۔اسی خیال کا نام ''انیک آنت واد'' ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا میں ہر ایک چیز کے کثیر پہلو ہوتے ہیں اور کسی چیز کا ذکر کرنے کے لیے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔یہ اصول تمام کائنات پر منطبق ہوتا ہے اور کائنات کی ہر ایک چیز پر بھی۔ جب ہم کسی چیز کا ذکر کسی ایک پہلو سے کرتے ہیں اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو اپنا بیان بڑی احتیاط کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے۔جینیوں نے ایک لفظ ''سیات'' (شاید ممکن ہے) ایسا رکھا ہے جس کا اضافہ ہر بیان کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔اس اصول کو ''سیات واد'' کہا جاتا ہے۔ ''انیک آنت واد'' اور سیات واد'' کا گہرا تعلق ہے۔اس لیے جین مت کے پیرو اپنے مذہب کو ان دونوں ناموں سے منسوب کرتے ہیں۔

ان خیالات سے ان کی فراخ دلی ظاہر ہوتی ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ تمام انسان ہر ایک مسئلہ پر تمام پہلوؤں سے غور و فکر کر کے عمل کریں۔صرف ایک پہلو سے فکر کرنے سے کئی ایک نقص پیدا ہو جاتے ہیں۔اس سے آدمی طرف دار بن جاتا ہے اور غلطیاں کر بیٹھتا ہے۔ایک طرفہ سوچنے سے آدمی سچائی سے بہت دُور رہ جاتا ہے اور آپس میں لڑائی جھگڑے بھی شروع ہو جاتے ہیں۔اس کی مثال ہاتھی کا تجربہ کرنے والے ان اندھوں سے دی جاتی ہے جو بے چارے دیکھ تو سکتے نہیں صرف ہاتھ سے چھو کر ایک اندازہ پر اپنا بیان دے سکتے ہیں۔کسی نے صرف پیٹ کو چھو کر کچھ کہا تو کسی نے صرف سونڈ کو چھو کر کہا۔کسی نے دم کو ہاتھ سے ٹٹول کر اپنا تجربہ بیان کیا۔تو سب ہی کا بیان غلط ثابت ہوا۔اس طرح ہم لوگ صرف دنیا اور اس کی بے شمار چیزوں کو صرف ایک پہلو سے

دیکھ کر اپنا بیان پیش کرتے ہیں۔اس لیے ہمارے بیانات دوسروں کے بیانات سے مختلف بلکہ متضاد بھی ہوتے ہیں اور ہم اپنے بیان کی طرف داری کر کے دوسروں کے بیان کو غلط ٹھہراتے ہیں اور آپس میں لڑتے ہیں۔اس لیے جین مذہب کے پیرو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیات واد اور انیک آنت واد کے قائم رہنے پر ہی دنیا میں امن اور شانتی قائم رہ سکتی ہے۔جین دھرم ہر ایک چیز کو انیک آنت واد کے نظریہ سے تجربہ کر کے سیات واد کے اصول کی بناء پر اپنا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس جانب دوسرے نظامات نے کوئی توجہ نہیں کی بلکہ سخت نکتہ چینی کی ہے۔

کسی چیز کو بیان کرنے کے متعدد طریقے ہوتے ہیں۔کبھی ہم اس کو کلی نظر سے دیکھتے ہیں کبھی جزوی نظر سے،کبھی اس کی موجودہ حالت کی طرف غور کرتے ہیں تو کبھی اس کی دوامی حالت کی طرف۔اس لیے جین مذہب یہ بتلاتا ہے کہ ان تمام نقاط نظر کو ذہن میں رکھ کر کوئی بات کرنی چاہیے۔اس اصول کو''نئے واد'' کہتے ہیں۔''نئے'' کے معنی طریقہ یا نقطۂ نگاہ ہیں۔

جین دھرم کے مطابق ہم چیزوں پر حسب ذیل سات (۷) نقاط نظر سے غور کر سکتے ہیں۔

(۱) جب ہم کسی چیز کی عام اور خاص صفت یا کلی اور جزوی صورت میں فرق نہ کر کے اس کے متعلق کچھ کہتے ہیں تو اس کو''نیگم نئے'' کہا جاتا ہے۔مثلاً گائے بہت اچھا برتاؤ کرنے والی ہے۔ یہ تو صرف کسی ایک گائے کے متعلق کہا جا سکتا ہے لیکن سب گائیوں کے متعلق یہ طے نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) جب ہم کسی چیز کی عام خاصیتوں کے بارے میں کچھ کہتے ہیں اور اس کے خاص اوصاف کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو اس کو''سنگرہ نئے'' کہا جاتا ہے۔مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ انسان فانی ہے تو کسی خاص انسان سے مراد نہیں ہوتی۔کیوں کہ یہ بات تمام انسانوں پر منطبق ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ انسان دھوکے باز ہے تو ہم اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ سب پر اس کا انطباق نہیں ہوتا۔

(۳) جب ہم کسی خاص آدمی یا چیز کا ذکر کرتے ہوئے اس کے بارے میں اپنا بیان دیتے ہیں اور یہ خیال نہیں رکھتے کہ وہ اس خاص چیز کے متعلق ہے بلکہ غلطی سے سب کے متعلق صحیح سمجھ لیتے ہیں تو اس کو''بیوہار نئے'' کہا جاتا ہے۔

(۴) جب ہم کسی چیز کی بابت اس کی صرف موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر بات کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ماضی میں ایسی نہ تھی یا مستقبل میں وہ کیا ہوگی تو اس کو''رجوسوتر نئے'' کہا جاتا ہے۔مثلاً کسی آدمی کو چور یا ڈاکو کہتے وقت ہم صرف اس کی اس وقت کی حالت پر غور کرتے ہیں نہ کہ دوسرے وقت کی یا دوسری حیثیت کی۔

(۵) جب ہم کسی چیز کے بارے میں قواعد صرف ونحو کے نقطۂ نگاہ سے بات کرتے ہیں اور حقیقت کو بھول جاتے ہیں تو اس کو ''شبد نئے'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً سنسکرت میں عورت کے لیے دار، لتر اور پتنی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن قواعد صرف ونحو کے لحاظ سے ان کے جنس مختلف ہیں اس کی وجہ سے اگر ہم ان تینوں کی حقیقت کو الگ سمجھ کر مذکر یا مؤنث سمجھیں تو غلط ہوگا۔

(۶) جب ہم کسی لفظ کے معنی اس کے مصدر سے طے کر کے توڑ مروڑ کر کے بات کریں تو اس کو ''سمابھی روڑھ نئے'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم منش یعنی انسان کے لغوی معنی یعنی فکر کرنے والا سمجھ کر یہ کہیں کہ یہ خاص آدمی بھی متفکر ہے تو یہ غلط ہوگا۔

(۷) جب ہم کسی شخص کے بارے میں صرف اس کے اس وقت کے کام میں مصروفیت کی بناء پر اس کے پیشہ کے بارے میں اندازہ لگاتے ہیں تو اس کو ''ایوبھوت نئے'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم کسی تاجر کو کمھار کہہ دیں صرف اس لیے کہ اس وقت وہ گھڑے بنا رہا ہے یا کسی کو جلاہا صرف اس لیے کہہ دینا کہ اس وقت وہ کپڑے بن رہا ہے۔ اگر چہ وہ ایک بہت بڑا سنت اور شاعر ہے۔

ہمیں چاہیے کہ تمام بیانات کو مذکورہ بالا نیوں یا نقاط نگاہ کی حقیقت کے مدنظر سمجھیں۔ ورنہ غلط فہمی کا اندیشہ رہے گا۔ کسی چیز کا صحیح مطلب حاصل کرنے کے لیے یہ غور کرنا ہوگا کہ وہ کس نقطۂ نگاہ سے بیان کیا گیا ہے۔ صداقت پر قائم رہنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

جینیوں کا فلسفۂ علم:

روح یا جیو کو جتنی اقسام کا علم حاصل ہو سکتا ہے اس کو مدنظر رکھ کر جینیوں نے علم کی حسب ذیل قسمیں بتلائی ہیں:۔ (۱) متی (۲) شرونی (۳) اودھی (۴) منہ پریہ (۵) کیول۔

متی: وہ گیان ہے جو انسان کو ادراک اور قیاس کے ذرائع علم سے حاصل ہوتا ہے۔ اس گیان کے حاصل کرنے میں حاسّے اور من کام کرتے ہیں۔

شرونی: وہ گیان ہے جو دوسروں سے سن کر حاصل کیا جاتا ہے۔ جس کو نیائے درشن میں شبد گیان کہا جاتا ہے۔ یہ گیان تیرتھنکروں اور دوسرے گوروؤں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

اودھی گیان: وہ گیان ہے جو حاسوں کو استعمال کیے بغیر انسان کی آتما کو بہت دور کی اور پوشیدہ چیزوں کا علم ہو جاتا ہے۔ جس کو مغرب میں غیب دانی یا غیر معمولی بصیرت کہتے ہیں۔ آج کل

کی ماورائے نفسیات نے اس گیان میں کافی کھوج کی ہے۔

کیول گیان: وہ مکمل گیان ہے جس میں تمام اشیاء کا ہر طرح کا کامل گیان شامل ہے۔ جو جیو یا روح کو موکش کی حالت میں کرموں سے آزاد ہونے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے اور ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

گیان کی قسموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جین دھرم میں انسان کے تمام ممکنہ علوم کے حصول کا خیال رکھا گیا ہے۔ جینیوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ ہم چیزوں کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق سات طرح سے اظہار کر سکتے ہیں۔ کسی چیز کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہے یا نہیں ہے۔ وہ ہے بھی اور نہیں بھی یا ہے بھی اور نہیں بھی اور بیان بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس کو "سپت بھنگی نیائے" کہا جاتا ہے۔

اب ہم یہ واضح کریں گے کہ جین دھرم کے مطابق اس کائنات میں کتنے جوہر ہیں اور آپس میں ان کا کیا تعلق ہے۔ اس دنیا میں دو طرح کے "تتو" یا جوہر ہیں۔ ایک جیو اور دوسرے اجیو۔ جیو یا روح تو لاتعداد ہیں جن میں علم حاصل کرنے کی قوت، کام کرنے کی قوت اور آنند یا مسرت سے لطف اندوز ہونے کی طاقت ہے۔ روحیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کی قید میں پڑی ہوئی ہیں۔ دوسری وہ جو کرم کی قید سے نجات پا چکی ہیں۔ گیان یعنی علم آتما کی فطرت ہے۔ جب آتما اپنی فطری پاک حالت میں ہوتی ہے یعنی نجات پائی ہوئی کیفیت میں ہوتی ہے تو اس کا گیان ہر طرح کامل ہوتا ہے جس کو کیول گیان کہتے ہیں۔ جب جیو قید میں ہوتا ہے تو گیان کو ڈھانپ دینے والے کرموں کی وجہ سے جیو کا گیان محدود ہو جاتا ہے اور وہ حاسوں اور من کے ذریعہ صرف محدود علم حاصل کر سکتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آتما کو فطرتاً کامل گیان حاصل ہے۔ لیکن دنیاوی زندگی میں کرموں کے پردے ڈھک کر اس کو محدود کر دیتے ہیں۔

جینیوں کے مطابق، آتما جس جسم سے وابستہ ہوتی ہے اسی جسم کے قد و قامت کی ہو جاتی ہے۔ ہاتھی میں اس کا قد بہت بڑا ہے اور چیونٹی میں بہت چھوٹا۔ انسان میں انسان کے قد و قامت والی ہو جاتی ہے۔ اس طرح جیو میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اہل نیائے یہ مانتے ہیں کہ آتما ہر جگہ موجود ہے لیکن جینیوں کی آتما ایک جسم میں محدود رہتی ہے، الگ رہتی ہے اور تبدیل پذیر رہتی ہے۔ ان کے نزدیک الگ الگ جسم میں الگ الگ آتما ہے۔ ویدانت کے نظریہ کی طرح ایک ہی آتما تمام اجسام میں موجود نہیں ہے نہ سانکھیہ کے پیروؤں کی طرح آتما "اکرتا" یعنی کوئی کرم نہ کرنے والا ہے بلکہ یہ تو یہاں کرم کرتا ہے اور قید میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس میں کرم کے مادی ذروں کو اپنے اندر کھینچنے اور جمع کر کے رکھنے کی ایسی طاقت ہے جیسی کہ تیل سے بھیگے ہوئے کپڑے میں دھول کے ذروں کو جذب کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔

جین فلسفہ کے مطابق کائنات کی تہ میں جو جوہر موجود ہے اس کو اپنشدوں کی طرح ہست برہمہ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ بدھ مت کے فلسفہ کی طرح نیست کہا گیا ہے بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ہست اور نیست دونوں ہے۔ موجود ہونے کے نقطۂ نظر سے وہ ''ہے'' اور تغیر کے نقطۂ نظر سے وہ ''نہیں ہے'' کیوں کہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے ہے بھی اور نہیں بھی۔ اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ دنیا کا آخری جوہر موجود ہے اور تبدیل ہونے والا بھی ہے۔ وہ ایک حالت میں بھی نہیں رہتا وہ ایک بھی ہے اور کثیر بھی۔ ایک ہوتے ہوئے وہ کثیر ہے۔

آتما یا جیو کے علاوہ دنیا میں اور بھی کئی وجود ہیں جن کو اجیو کہا جاتا ہے جو ذی روح نہیں ہیں ان میں سے ایک ہے ''پدگل'' یعنی مادہ جو لطیف اجزا لا تجزی کی شکل میں موجود ہیں اور جیو میں داخل ہو کر اس کو کثیف اور میلا کر دیتے ہیں اور اس کی فطری طاقتوں کو چھپا دیتے ہیں اور محدود بنا دیتے ہیں۔ پدگل کے خاص اوصاف، صورت شکل، ذائقہ، بو اور لمس ہیں۔ ہر ایک ''پرمانو'' یا پدگل کے ذرہ میں یہ سب اوصاف ہوتے ہیں۔ پدگل تمام ذرات اور ذرات سے بنے ہوئے مجموعوں یا اسکندہ میں موجود ہوتا ہے۔ مجموعے نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرات دکھائی نہیں دیتے۔ انو یا پرمانو اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ ہمارے کسی حاسہ کی گرفت میں نہیں آتے۔

پدگل (مادہ) کے علاوہ دنیا میں اور بھی جوہر ہیں ان میں ایک ہے ''آکاش'' یا آسمان۔ یہ ایسا وجود ہے جو سب جگہ پھیلا ہوا ہے اور جس میں تمام چیزیں موجود رہتی ہیں۔ دوسرا ''دھرم'' ہے وہ ایسا مادی جوہر ہے جس کی وجہ سے چیزوں میں حرکت ہوتی ہے اور ''ادھرم'' وہ تنویا جوہر ہے جو مزاحمت پیدا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے چیزیں ایک حالت میں ٹھہر جاتی ہیں۔ ''کال'' یعنی زمان بھی ایک وجود ہے جس میں تمام واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

جین مذہب کے تیرتھنکروں کے حسب ہدایات راہ نجات یا کرموں سے آزاد ہو کر مکتی پانے کا طریقہ بہت مشکل اور تکلیف دہ ہے۔ گرہستی اور تارک الدنیا دونوں کو اس راہ پر چلنا پڑتا ہے اور اس کی برکت سے وہ کرموں کی قید سے رہا ہو کر لامحدود گیان، کام کرنے کی طاقت اور آنند حاصل کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہر ایک انسان کے لیے پانچ عہد یا برت لازمی قرار دیے گئے ہیں اور وہ ہیں: اہنسا، ستیہ، استیہ، اپریگرہ، برہمہ چریہ۔

اہنسا کے معنی ہیں کسی بھی جیو کو کسی طرح کی بھی ایذا نہ پہنچانا۔ سب کے ساتھ محبت کرنا اور سب کی خدمت کرنا۔ دوسرا برت یا عہد ستیہ یا صداقت کا ہے کہ ذہن، قول اور فعل سے سچائی کا برتاؤ کرنا۔ کبھی جھوٹ، دھوکا اور دغابازی سے کام نہ لینا۔ استیہ یا چوری نہ کرنا یہ تیسرا عہد ہے۔

اپریگرہ یعنی دنیا کی فضول چیزوں کو اکٹھا نہ کرنا اوران سے کچھ محبت نہ رکھنا، جو آسانی سے حاصل ہو جائے اور جس کی بے حد ضرورت ہو صرف اسی کو اپنے پاس اس وقت تک رکھنا جب تک اس کی ضرورت ہو اور غیر ضروری اشیاء کو فراہم نہ کرنا۔ یہ چوتھا عہد ہے۔

پانچواں برت۔ برہمہ چریہ کہلاتا ہے اس میں عورتوں سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ رکھنا اور اپنی تمام قوتوں کو برباد نہ کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے ان پانچ عہدوں پر بہت زور دیا ہے۔ یہ برت سب کے لیے ضروری بتلائے گئے ہیں۔ بتدریج اور بھی مشکل مشقیں اور ریاضتیں بتلائی گئی ہیں جس کی وجہ سے جیو میں دنیاوی چیزوں سے رغبت نہیں رہتی اور دنیا سے بالکل دلچسپی نہیں رہتی اور اس جسم سے بھی کوئی پیار باقی نہیں رہتا۔

جین مت کے فلسفہ میں روح یا جیو کے قید و نجات سے تعلق رکھنے والے چند اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) ''اسرو'' روح کی اس حالت کا نام ہے جب کہ وہ کرم کی گندگیوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ گیان اور آنند کی سب طاقتیں کرم کی گندگی سے چھپ جاتی ہیں اور اس کو قید میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کرم کے ذرے آتما پر اس طرح پھیل جاتے ہیں جیسے تیل سے بھیگے ہوئے کپڑے میں تیل کے ذرے داخل ہو کر اس کو کالا اور میلا کر دیتے ہیں۔ جین فلسفہ میں کرم ایک قسم کا مادہ کہلاتا ہے جس کے ذرات بہت ہی لطیف ہوتے ہیں وہ روح کو گھیر لیتے ہیں اور اس کی فطری طاقتوں کو ظہور میں نہیں آنے دیتے۔

(۲) ''بندھ'' آسرو کا نتیجہ بندھن ہوتا ہے جس کی وجہ سے جیو خود کو بالکل بھول کر (اپنے کو) ایک ناچیز سمجھنے لگتا ہے اور سب طرح کی تکلیف اُٹھاتا ہے۔ تناسخ کے چکر میں پھنس کر مجبور ہو جاتا ہے اور غصہ، غرور، لالچ وغیرہ کی کشائے یعنی گندگی سے ملوث ہو کر وہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ اپنی خیر و عافیت چاہنے والے جیو کو ان کشایوں یا گندگیوں سے بچ کر نیک اوصاف حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۳) ''سم ور'' آسرو کے میلان کو روکنے کا نام ''سم ور'' ہے جو آزادی کے راستے میں پہلا قدم ہے۔

(۴) ''نرجرٗ'' کئی ایک گزشتہ جنموں سے گھر کیے ہوئے کرم کے ذرات کو مکمل طور پر نکال کر باہر پھینک دینا اور ان سے آزاد ہونے کو ''نرجر'' کہا جاتا ہے۔

(۵) موکش۔ کرموں کا چکر جب بالکل فنا ہو جاتا ہے اور جیو اپنے خالص گیان اور آنند کی حالت کو محسوس کرنے لگتا ہے اور دنیا کی طرف سے منہ موڑ لیتا ہے تو اس حالت کو موکش کہتے ہیں۔

اسی کو'' کیولیہ اوستھا'' یا نجات کی حالت کہتے ہیں۔اس حالت میں جیو آتما پدگل سے بالکل الگ ہو کر آزاد ہو جاتا ہے اور وہ اس قدر لطیف ہو جاتا ہے کہ اس مادی دنیا سے اُوپر اُٹھ کر اس سے باہر ایک ایسی جگہ جا کر قیام کرتا ہے کہ جہاں کئی ایک روحیں لامحدود گیان، طاقت اور آنند کا تجربہ کرتی ہیں اس جگہ کو'' سدھ شلا'' کہتے ہیں۔یہ جگہ ہمارے آکاش یا آسمان سے بھی بلند تر ہے۔مکت ہو کر تخلیق کی طاقت کے سوائے جیو میں وہ سب اوصاف آجاتے ہیں جو ایشور میں تصور کیے جاتے ہیں۔

جینی اس خلقت کو پیدا کی ہوئی نہیں مانتے۔یہ تو ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آرہی ہے اس کو کسی نے تخلیق نہیں کیا۔اس لیے اس کو بنانے والا یا خالق یا خدا کوئی نہیں ہے۔جو برکتیں خدا کو ماننے والے خدا کی پرستش سے حاصل کرتے ہیں، ان ہی نعمتوں کو جین مت کے پیرو اپنے'' تیر تھنکر'' یا مکت روحوں کی بھلتی اور پرستش سے حاصل کر لیتے ہیں۔اسی لیے جینیوں نے اپنے'' تیر تھنکروں یا جین مت کی اصلی تعلیم دینے والوں کے نام سے مندر بنوائے ہیں۔ان میں ان کی مورتیاں رکھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔

جینیوں کے دو فرقے ہیں۔ایک شوتیامبر اور دوسرے دگامبر۔شوتیامبروں کے مندروں میں مورتیوں کو سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور دگمبر وں کے مندروں میں مورتیاں ننگی رکھی جاتی ہیں۔

موکش حاصل کرنے کے بہت سخت طریقے ہیں۔روزہ، ریاضت اور من کو فنا کرنے کے ذریعہ جیو کے اندر سے سب کرم پدگلوں کو فنا کیا جاتا ہے وہ طریقے حسب ذیل ہیں۔سمیک گیان یعنی مناسب علم۔سمیک درشن یعنی کامل یقین۔

سمیک چرتر یعنی مناسب کردار۔موکش حاصل کرنے کے طریقوں میں ان کو سادھن کے تین رتن کہا جاتا ہے۔موکش حاصل ہوتے ہی جیو بالکل صاف پاک ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ بھی کرم کا مادہ باقی نہیں رہتا۔اس وقت اس کے گیان، کرم اور آنند کی تمام طاقتیں لامحدود ہو جاتی ہیں اور وہ اس طبقہ سے اُٹھ کر'' سدھ شلا'' کے مقام پر ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتا ہے۔اس کو کسی قسم کا دکھ نہیں ہوتا۔اس کو ہی پرمیشور کہہ سکتے ہیں کیوں کہ کامل پاکیزگی والا جیو ہی پرماتما ہے۔جینیوں کے عقیدہ کے مطابق اور دوسرا کوئی پرماتما نہیں ہے۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا جلد سوم مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی)

☆☆☆

جین مذہب سے متعلق کچھ کتابیں

آئینہ ہمدردی	پارس داس	
اہنسا دھرم	شیو برت لال	
جین پوجن سنگرہ	(سو سے زائد ایڈیشن)	-
جین دھرم	مہرشی شیو برت لال	-- دلی پرنٹنگ پریس، ہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۲۷۔ مذہب
جین دھرم کے مقدس مقامات	بابو نیمی داس	1911 ۴۰ روپے
جین رتن مالا	لالہ کیوڑا مل جی	۱۹۰۳ء
جین سماج	لالہ دیپ چند جین	
جین کرم فلاسفی	بابو کھشپ داس جین	۱۹۰۲ء
جین قانون	چمپت رائے جین	
جین مت سار	لالہ سندر لال جین	
جین مت سار یا ہندومت اختصار	لالہ سمیر چند جین	گیتا پریس دہلی، ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۷۳۔ ۸۹ مذہب
حُسنِ ازل	پنڈت گیانیشور پرشاد مائل دہلوی	
دھرم اور پرماتما،	بابو شبھ داس جین	
رازِ حقیقت	سوامی درگا داس جی	
سناتن جین درشن پرکاش	سوہنی لال جین	(۱۹۰۲ء)
لطفِ روحانی	ماسٹر بشمبر داس	
مرقع عبرت	بھولا ناتھ جین	- - -
موکچھ مارگ پرکاشک	پنڈت ٹوڈرمل جین	

سکھ مذہب کی تعلیم اور فلسفہ

سکھ مذہب کا آغاز

سکھ مذہب کا آغاز گرونانک صاحب کی تعلیم سے ہوا۔ گرو کا مطلب ہے ہادی، روحانی پیشوا ،پیغمبر، گرونانک صاحب کی ولادت ۱۴۶۹ء میں پنجاب کے ایک قصبہ تلونڈی میں ہوئی۔ جواب پاکستان کے ضلع شیخوپورہ میں ہے۔ اس کا نام گرونانک صاحب سے وابستہ ہونے کے سبب ننکانہ ہوگیا اور اب یہ مقام احترام سے ننکانہ صاحب کہلاتا ہے۔ گرونانک صاحب کی وفات ۱۵۳۹ء میں ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہندوستان کے بیشتر علاقوں کا سفر کرکے اپنی تعلیم کی اشاعت کی۔ وہ ہندوستان سے باہر بھی گئے۔ ان کا افغانستان، ایران، بغداد اور حرم مکہ کا سفر کرنا اس زمانہ کی تاریخی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو، یوگیوں، تانترک مت کے پیروؤں اور صوفیوں کے مراکز میں جاکر گرونانک صاحب نے صلح کل، بلند اخلاق اور واحد خالق کی پرستش کی تلقین کی اور وہ اس زمانہ میں پھیلے ہوئے مذہبی تعصب اور توہم پرستی کا ازالہ کرنے کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے۔ آپ کی تعلیمات کی تفصیل اس مقالہ میں آگے چل کر دی جائے گی آپ کی تعلیم سکھ مذہب کی مقدس کتاب ،گرنتھ صاحب، میں درج ہے جو معرفت کے قطعوں کی شکل میں ہے۔ ان کو سکھ مذہب کی اصطلاح میں ''شبد'' کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کلام یا کلام مطہر۔ مجموعی طور پر گرونانک صاحب اور ان کے جانشین گروؤں اور بھگتوں کے کلام کو بانی کہا جاتا ہے۔ بانی کا مطلب بھی کلام ہے۔

گرونانک صاحب نے اپنا روحانی جانشین اپنے ایک مرید لہنا کو مقرر کیا اور ان کی والہانہ عقیدت سے متاثر ہوکر اُن کو انگد نام دیا۔ انگد کا مطلب ہے جو اپنے جسم سے پیدا ہوا ہو یا اپنی شخصیت کا اٹوٹ حصہ ہو۔ گرو انگد کے بعد آٹھ اور گرو یکے بعد دیگرے ان کے جانشین ہوئے۔ ان میں سے آخری گرو، گرو گوبند سنگھ تھے جن کی وفات ۱۷۰۸ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ایک سال بعد ہوئی۔ گرو گوبند سنگھ نے اپنی زندگی میں حکم صادر کیا کہ ان کے بعد اور کوئی شخص

گرو کا رتبہ اختیار نہ کرے اور اپنے دینی پیروؤں کی ہدایت کے لیے انھوں نے فرمایا کہ روحانی ارشادات مقدس کتاب "گرنتھ صاحب" میں درج ہیں۔ وہیں سے ہدایت لی جائے اور انھیں ارشادات کو ہادی اور راہبر مانا جائے۔ چناں چہ اس حکم پر سکھ مذہب کے پیروؤں نے لگاتار عمل کیا ہے۔ گرو گوبند سنگھ کے بعد جس کسی نے گرو ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کے دعوے کی تردید کی گئی ہے اور اب تک سکھوں کی مذہبی مجلسوں میں احترام "گرنتھ صاحب" کا ہوتا ہے۔ "گرنتھ صاحب" کو ہادی اور رہبر تسلیم کرنے کی وجہ سے "گرو گرنتھ" کہا جاتا ہے اس کے کلام سے ہدایت اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔

مرکزی مذہبی مقام

سکھوں کا مرکزی مذہبی مقام امرتسر دراصل اس مقدس تالاب کا نام ہے جس کو چوتھے گرو رام داس نے تیرتھ کے طور بنوایا تھا۔ اسی تالاب کے گرد ایک بستی قائم ہوئی جو بعد کو امرتسر کا مشہور شہر اور تجارتی و سیاسی مرکز بن گئی۔ امرتسر کے تالاب پر جسے سکھوں کی اصطلاح میں سرو ور کہتے ہیں۔ گرو ارجن دیو نے جو عمارت تعمیر کی اسے ہری مندر یا الٰہی عبادت گاہ کہا گیا۔ اسی ہری مندر کو دربار صاحب بھی کہا جاتا ہے۔ بعد کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس عمارت پر سونے کے پتروں سے آرائش کی اس وجہ سے اسے انگریزی میں گولڈن ٹیمپل کہتے ہیں اور اس نام سے یہ عبادت گاہ دنیا میں مشہور ہے۔ اس عبادت گاہ میں اور سکھوں کی سب عبادت گاہوں میں جنھیں گرودوارہ (گرو کا در) کہا جاتا ہے۔ معبود محض مقدس کتاب گرو گرنتھ ہوتی ہے۔ کوئی بت یا اورنسان کی بنائی ہوئی چیز وہاں معبود نہیں ہوتی۔ عبادت کا طریقہ بلند آواز سے کلام کی تلاوت ہے۔ یا دل میں اس کا ورد۔ اس کے علاوہ اس کلام کو لے سے گایا جاتا ہے۔ عبادت کے وقت سب لوگ زمین پر ادب سے بیٹھتے ہیں۔ کسی اور قسم کی نشست گاہ کی اجازت نہیں۔ دعا کے وقت سب دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ طریق عبادت سب گرودواروں میں رائج ہے۔ سکھوں کی عبادت یا نماز صبح شام ہوتی ہے۔ یہ عبادت جماعتی ہوتی ہے۔ صبح سورج نکلنے کے قریب اور شام سورج چھپنے کے بعد تک۔ کلام معرفت سننے اور پڑھنے کے بعد سب کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں جسے ارداس کہتے ہیں۔ اس ارداس میں خدا کی صفت وثناء، گروؤں سے ہدایت کی التجاء اور شہیدوں اور خدا کے بندوں کی یاد

کی جاتی ہے۔

گرنتھ صاحب

سکھوں کی مذہبی مقدس کتاب کا نام گرنتھ ہے اور احتراماً اسے گرنتھ صاحب کہا جاتا ہے۔ گرنتھ کا مطلب کتاب ہے۔اس میں گرونانک اوران کے بعد کے گروؤں کا کلام راگوں کے تحت درج ہے۔تدوین کا یہ طریقہ بھارت میں رائج رہا ہے۔گرنتھ صاحب کی تدوین ۱۶۰۴ء میں گرو ارجن دیو نے امرتسر میں کی۔اس میں گروؤں کے علاوہ کچھ نیک بندگان خدا کا کلام بھی شامل ہے جن میں ہندواور مسلمان شامل ہیں۔ہندوؤں میں اچھوت بھی ہیں اوراُونچی ذاتوں کے بھگت بھی۔ جن بھگتوں کا کلام گرنتھ صاحب میں درج ہے ان میں چند ایک یہ ہیں ۔کبیر،روی داس، نامدیو، جے دیو، سورداس، شیخ فرید شکر گنج، شیخ بھیکن شاہ، گرنتھ صاحب کوگرو کا مرتبہ حاصل ہے اور عبادت گاہوں میں اس کی پرستش ہوتی ہے ہر خوشی،غم اوراہم مواقع پراس کی تلاوت ہوتی ہے۔ اس کا حکم یا فال لیا جاتا ہے اور جو حکم نکلے اس کو حکم الٰہی مان کراس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

گرودواروں کی تعمیر و تنظیم

سکھوں کی عبادت گاہوں یا گرودواروں کا اندازِ تعمیر یوں ہوتا ہے کہ بالعموم ایک بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں گرنتھ صاحب کو درمیان میں چوکی پرادب سے رکھا جاتا ہے۔اس کمرے کے دروازے چاروں طرف کھلتے ہیں۔سمت کی کوئی تخصیص نہیں کہ کتاب کا رخ کس جانب ہو۔تاہم شمال مشرق کوافضل سمت سمجھا جاتا ہے۔گرودوارہ کی عمارت کے اوپر بالعموم گنبداور برجیاں ہوتی ہیں۔گنبد کی شکل گولائی لیے ہوئے ہوتی ہے اوراس کے اوپر کلس ہوتا ہے۔عمارت یک منزلہ، دومنزلہ یا سہ منزلہ وغیرہ ہوسکتی ہے۔بالعموم ہر گرودوارے کے ساتھ سرائے یا مسافر خانہ ہوتا ہے جہاں زائرین اور حاجت مند لوگ آکر ٹھہر سکتے ہیں۔گرودواروں کا خرچ زائرین کے چڑھاوے سے پورا ہوتا ہے۔ہر گرودوارے کے ساتھ ایک لنگر خانہ ہوتا ہے جہاں ہر روز جو بھی آئے اسے راہِ مولا کھانا مل جاتا ہے خواہ وہ حاجت مند ہو یا کھانا تبرک کے طور پر کھائے۔دعا کے بعد اور خاص موقعوں پر حلوہ بٹتا ہے جسے پرشاد (خدا کی طرف سے نعمت) کہا جاتا ہے۔ہر گرودوارہ میں

مذہبی فرائض کو انجام دینے والے اور دعا کے وقت امامت کرنے والے شخص کو گرنتھی کہا جاتا ہے۔ یہ شخص کسی بھی ذات کا ہوسکتا ہے۔ سکھوں کے مابین اونچی نیچی ذاتوں کی تخصیص نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ مذہبی اصول کے اعتبار کے قابل ہو اور امامت کے کام کو سرانجام دینے کی تعلیم کے اعتبار سے اہلیت رکھتا ہو۔ سکھوں کی مذہبی تعلیم میں ذات پات کی تمیز اور تقسیم کی گئی ہے نہ برہمن کی تقدیس تسلیم کی جاتی ہے اور نہ نام نہاد اچھوتوں کو نیچ سمجھا جاتا ہے۔ گروؤں کی تعلیم کے مطابق فضیلت عمل سے حاصل ہوتی ہے نسب سے نہیں۔ یہی رویہ مسلمانوں، مذاہب اور نسلوں کے لوگوں کے تئیں روا رکھا گیا ہے۔

نئی تنظیم خالصہ

گرو گوبند رائے نے مذہب میں ایک نئی تنظیم قائم کی۔ ۱۶۹۹ء کو بیساکھی کے تہوار کے موقع پر آنند پور کے مقام پر جہاں گرو کا قیام تھا جب زائرین ہزاروں کی تعداد میں گرو کے درشن کے لیے آئے تو انھوں نے اعلان کیا کہ مجھے پانچ ایسے شخص چاہییں جو اپنی قربانی دیں۔ پانچ آدمی کھڑے ہوگئے۔ گرو نے ان کو گلے سے لگایا اور انھیں اپنی نئی تنظیم میں شامل کیا جس کا نام انھوں نے خالصہ رکھا۔ اس کے بعد ہزاروں آدمی اس خالصہ تنظیم میں شامل ہونے کے لیے آگے آئے۔ گرو نے ان کو تلقین کی کہ اب سے تم سب بھائی بھائی ہو۔ تمھارے مابین ذات پات کی تمیز ختم سمجھی جائے۔ تم سب پانچ نشان ہمیشہ قائم رکھو جن میں سر پر بال بنا کٹوائے، داڑھی، ہمیشہ تلوار یا خنجر تمھارے پاس ہو اور تمھاری زندگی عیب اور بد اخلاقی سے پاک ہو، نشوں اور تمباکو کا استعمال کسی شکل میں نہ کرنا۔ سب کا نام سنگھ یعنی شیر ہو۔ گرو نے بھی اس دن اپنا نیا نام گوبند سنگھ ہونے کا اعلان کیا۔ یہ نئی تنظیم چوں کہ لشکری قسم کی تھی۔ اس کی وجہ سے پنجاب کے عوام میں جوش پھیلا۔ شاہی لشکروں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں جن میں گرو کی جانب سے بہت لوگ مع ان کے اپنے بیٹوں کے شہید ہوئے۔ لیکن اس تنظیم کے اثر سے پنجاب میں ایک انقلابی قوت اُبھر آئی۔ خالصہ یا سکھ قوم آخر کو پنجاب پر قابض ہوگئی۔ یہ اثر اس نئی مذہبی تنظیم کا تھا جو گرو گوبند نے قائم کی۔ اس کے نتائج ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں دور رس ہوئے۔ سکھ لوگ اب تک اس تنظیم پر قائم ہیں جس کی گرو گوبند سنگھ نے ابتدا کی۔ اسی کی وجہ سے سکھ کو اس کی ظاہری شکل سے پہچانا جاتا ہے۔

سکھ مذہب کے بنیادی اصول

سکھ کے لفظی معنی مرید چیلا ہیں۔ گرو ہادی ہے اس لیے سکھ اس کی نسبت سے مرید ہے یعنی وہ جس کی ہدایت کی گئی ہو۔ سکھ مذہب کی بنیاد خدا پرستی پر قائم ہے۔ خدا کی وحدت پر سکھ مذہب مصر ہے اور اس بارے میں کسی قسم کے اختلاف اور انحراف کی گنجائش نہیں، کسی دیوی، دیوتا، یا مورتی کی پرستش سکھ مذہب میں جائز نہیں۔ مذہب کے لیے سکھوں کے درمیان لفظ دھرم یا پنتھ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ دھرم روحانی اور اخلاقی زندگی کے اصولوں کا مجموعی نام ہے۔ پنتھ کا مطلب ہے راستہ، وہ راستہ جس پر چل کر سالک خدا کو مل سکے۔ پنتھ سکھ مذہب کی اجتماعی ہستی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کی اجتماعی ہستی کے لیے ملت۔

خالق عالم کے لیے سکھوں کے مابین جو اصطلاحات بالخصوص مروج ہیں وہ ''ایک اونکار ''برہم، اکالی اور کرتار ہیں۔ ''ایک اونکار'' بھارتی فلسفہ سے اخذ کیا ہوا ہے اس کا مطلب ہے وہ واحد متعال ہستی جو قائم بالذات ہے سکھ مذہب کا کلمہ انہی الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کو مول منتر یا بنیادی کلمہ کہتے ہیں۔ اس کے ارکان کا اجتماعی مطلب ہے'' واحد متعال ہستی جو ازل سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ خالق بے خوف، عناد سے مبرا، زمان کی قید سے بالاتر، جس کی پیدائش نہیں ہوئی، جو قائم بالذات ہے اور جس کا عرفان اس کے فضل و کرم سے ممکن ہے'' اس بنیادی کلمہ میں خالق کی ہستی کے بارے میں سکھ مذہب کے تمام اہم ارکان شامل ہیں۔

برہم۔ اونکار کی طرح اس ہستی کا نام ہے جو انسانی فہم سے بلند تر اور ہر قسم کی صفات سے مبرا ہونے کے سبب لامحدود ہے۔ اکالی کا مطلب کل یا زمان کی قید سے بالاتر یعنی لافانی ہے۔ کرتار کا مطلب ہے خالق۔ ان اسمائے الٰہی کے علاوہ بھارتی اور اسلامی ماخذ سے لیے ہوئے بہت سے نام گوروؤں کے کلام میں استعمال میں آئے ہیں جیسے رام، نرائن، گوپال، پریتم (محبوب) سچا، ساجن کریم، قادر، پروردگار، خدا، اللہ۔ یہ سب ہی نام بار بار آئے ہیں اور ان سب ناموں کے بلا تخصیص استعمال کا مقصد عوام کے درمیان صلح اور آشتی کا ماحول پیدا کرنا رہا ہے۔ تاکہ مذہبوں اور فرقوں کے باہمی تفرقات مٹ جائیں اور لوگ ایک خدا کے راستہ پر چلیں۔ ناموں، ملتوں اور فرقوں کے تفرقات کو اہمیت نہ دیں۔ گرونانک صاحب کو جب الہام الٰہی ہوا تو پہلے الفاظ جو اُن

کے منہ سے نکلے وہ یہ تھے ''نہ کوئی ہندو نہ مسلمان'' یعنی ہندو اور مسلمان سب انسان ہیں۔ محض اس ظاہری تقسیم کی بناء پر کسی سے نفرت کرنا گناہ اور بھول ہے۔ گرونانک صاحب کی تعلیم جیسا کہ اکثر لوگوں کو معلوم ہے صلح کل تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ انھوں نے ہر انسان کو اپنے مذہب کے ان اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین کی جو سب انسانوں کے لیے یکساں ہیں یعنی روحانی اور اخلاقی اصول اور رسوم اور ظاہری شرح کو اہمیت دے کر نفرت اور تفرقات پھیلانا انھوں نے حقیقی مذہب کے اصولوں کے منافی بتایا۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

خالق کی وحدت کے علاوہ سکھ دھرم کا ایک بنیادی اصول وحدت الوجود ہے۔ خدا ایک اور کل کائنات کا خالق ہے اور وہ کل کائنات میں سمایا ہوا ہے۔ جو کچھ موجود ہے اور جو اس انسان سے جانا جا سکتا ہے وہ سبھی خالق کا وجود ہے اور اس کا نور ہے۔ روحانیت کی آنکھ سے ہر شئے میں خالق کو دیکھنا، یہ عرفان اور مذہبی زندگی کی معراج ہے۔ عرفان کے لیے اصطلاح گیان ہے جس کا مطلب ہے جاننا یعنی علم حقیقت، معرفت، یہ معرفت اس بصیرت کا نام ہے جس کو ہر شئے کے پردہ میں الٰہی نور اور جلوہ نظر آتا ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق مادی اشیا، وہم یا چھلاوہ بھی نہیں مگر ان کی حقیقت یہ نہیں کہ انسان ان کو اس قابل سمجھے کہ زندگی ان کے حصول کے لیے وقف کر دے۔ ہر مادی شئے زمان کی قید میں ہے سوائے حق کہ جو زمان کی قید سے آزاد ہے اسی کے نور کو دیکھنا اور اسی کی تلاش میں زندگی صرف کرنا۔ یہ معرفت اور معرفت کے مطابق زندگی کا عمل ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق انسان کو عارف باعمل ہونے کی تلقین کرتا ہے۔

فلسفہ حکم و رضا۔ فضل

سکھ مذہب میں بالخصوص دو فرائض پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ہیں حکم یعنی امر ربی تابع رہنا اور رضائے الٰہی کو ہر حالت، دکھ سکھ میں ماننا اور زندگی کے مصائب کی شکایت نہ کرنا، بلکہ انھیں مشیت ایزدی مان کر صبر اور حلم سے ان کو برداشت کرنا، عبادت سے انسان کو خدا کا راستہ مل جاتا ہے مگر وصال الٰہی کے لیے فضل درکار ہے۔ فضل کے لیے سکھوں کے مابین جو الفاظ مروج ہیں وہ

بیشتر اسلامی ماخذ سے لیے گئے ہیں یہ ہیں نظر (اللہ کی نظر کرم) کرم ومہر مہر (اللہ کی انسان کے تئیں محبت) اس کے علاوہ بھارتی ماخذ سے لفظ پرساد لیا گیا ہے اس کا مطلب بھی فضل وکرم ہے۔اللہ کے فضل کی متابعت کرتے ہوئے انسان کو بھی دیا کرپا یعنی رحم اور مہربانی کی تلقین ہے۔

تناسخ مکتی

سکھوں کا اعتقاد تناسخ پر ہے۔انسان بار بار پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے اور جب تک اس کے اعمال میں مایا کی لوث رہتی ہے یہ سلسلہ اٹوٹ چلتا ہے۔ پیدا ہونا اور مرنا دکھ کا کارن ہیں۔ یہ دکھ اس سلسلہ آواگون کے ختم ہونے سے ہی مٹتا ہے۔زندگی میں خواہشیں جو انسان کے ساتھ وابستہ ہیں دکھ کا کارن ہیں۔دکھ خواہشات پر عبور پانے سے مٹتا ہے لیکن یہ راستہ ترک دنیا کا نہیں۔ترک ہوس کا ہے۔سکھ کا فرض ہے کہ زندگی کے فرائض کو پورا کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہر عمل نیکی اور خدا کی راہ میں کرے یہی اس کی نجات کا راستہ ہے۔ترک دنیا کو ناپسندیدہ عمل کہا گیا ہے۔نجات کے لیے لفظ 'مکتی' استعمال ہوتا ہے مگر یہ نجات آواگون سے نجات ہے۔اس کے لیے نروان بھی استعمال ہوا ہے۔نروان کا سکھ مذہب میں صحیح مطلب نفس اور ہوس سے نجات ہے اور جب انسان نفس اور ہوس کو ترک کر کے اپنی زندگی ان کی کشش سے بالاتر ہو کر گزارے تو وہ جیون مکت (وہ جسے زندگی میں ہی نجات حاصل ہوگئی ہو) کہلاتا ہے ایسا شخص خود نجات حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کا راستہ دکھاتا ہے یہ فرض ہے جو خدا اور گرو کی جانب سے اس پر عاید کیا گیا ہے۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا ،جلد سوم،مطبوعہ،قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان،نئی دہلی)

سکھ ضمنی فرقے

نرن کاری

نرن کاریوں کا کہنا ہے کہ ''یہ فرقہ سکھ دھرم کے کچھ سخت اصولوں اور رسم ورواج کی مخالفت میں وجود میں آیا!''۔ بہر صورت اس فرقے کی ابتدا ۱۹اویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہدِ حکومت میں ہوئی۔اس فرقے کے بانی بابا دیانی داس تھے۔انھوں نے

اپنے آپ کو نرن کاری کہا یعنی ''میں ایسے خدا کی پوجا کرنے والا ہوں جو مجسم نہیں ہے''۔نرن کاری فرقے نے آنند کاج کو رائج کیا۔سکھوں میں شادی کی رسمیں آنند کاج کا رواج ہی کے تحت انجام دی جاتی ہیں۔جب بوٹا سنگھ اس فرقے کے سربراہ (۱۹۲۹) بنے تب سے عام سکھوں میں اور نرن کاریوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔نرن کاریوں نے سکھ دھرم میں گرو کا سلسلہ پھر شروع کر دیا جب کہ عام سکھ گرو گوبند سنگھ (۱۰ویں گرو) کے بعد گرو کا سلسلہ ختم کر چکے ہیں۔وہ گرنتھ صاحب ہی کی ہدایات کو گرو کی ہدایات مانتے ہیں۔عام سکھ بکرے کا گوشت کھاتے ہیں۔گائے اور سور کے گوشت کو اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔مگر نرن کاری کسی طرح کی غذا استعمال کرنے اور مے نوشی کے مخالف نہیں ہیں۔کہا جاتا ہے کہ جب بوٹا سنگھ کھانے اور پینے کی آزادی کے گناہ گار پائے گئے تو انھیں سکھ دربار سے خارج کر دیا گیا۔نتیجہ میں وہ خود نرن کاری فرقے سے الگ ہو گئے۔وہ نرن کاری بننے سے پہلے کٹر الی تھی اور انھوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ تین برس جیل میں بھی رہے تھے۔۱۹۴۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔(پھر بابا اوتار سنگھ گدی نشین ہوئے)......اوتار سنگھ کی موت کے بعد ان کے بیٹے بابا گربچن سنگھ گدی پر بیٹھے۔ان کا فرمانا تھا کہ:

''مذہب کے علم برداروں نے خدا کی رسائی کے لئے حقیقی تعلیم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے چند مخصوص نشانیوں اور عبادت کے مخصوص طریقوں کو اہمیت دے رکھی ہے جب کہ کسی بھی مقدس کتاب کے محض مطالعے سے روحانی فیض ممکن نہیں۔کسی کتاب کی پوجا یا اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے سرنگوں ہونا بے فیض ہے اور جانوروں کی پرستش بھی بے فائدہ ہے۔عبادت کے لئے اوقات مقرر کرنا اور طریقے رائج کرنا خدا کی ناشکری کے مترادف ہے کیوں کہ خدا کی ذات تمام قید و بند سے آزاد ہے۔جو لوگ خدا کو عبادت گاہوں کی چاردیواری میں قید کئے ہوئے ہیں وہ گناہ گار ہیں۔صدیوں سے ہندو اور مسلمان گائے اور ڈھوڑ پر لڑتے آئے ہیں اس لئے کسی کو کسی مخصوص غذا کا پابند بنانا یا اس سے مانع رکھنا درست نہیں ہے۔جسم ذہن اور دولت خدا کا عطیہ ہیں۔چنانچہ ان کے بےلوث اور مناسب استعمال ہی میں خدا کی خوشنودی مضمر ہے۔سماجی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے والے سادھو معاشرے پر بوجھ ہیں۔کوئی بھی مخصوص کتاب کسی دوسری سے بہتر نہیں ہے اور نہ کوئی پیغمبر دوسرے سے کم تر ہے اور کوئی بھی مذہب دوسرے مذہب سے برتر نہیں!''

بابا گربچن سنگھ نے سماجی اصلاحات پر بھی زور دیا۔شادی کو جہیز اور غیر ضروری بدعتوں سے پاک کیا۔نرن کاریوں میں سلام و دعا کا سلسلہ بھی رہا ہے۔جب ایک نرن کاری دوسرے سے ملتا

ہے تو وہ اس کے پاؤں چھوتا ہے۔ نرن کاری سکھ ہونے کے دعوے دار نہیں ہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو کسی ایک مذہب کے پیرو کار یا معتقد ہونے کا اعلان کرتے ہیں ۔ وہ ہندو دھرم اسلام اور عیسائیت اور سکھ مت کی بہت سی اچھی باتیں اپنے جگ میں اپنائے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ سکھوں ہی کی طرح پگڑی باندھتے ہیں اور داڑھی بھی رکھتے ہیں۔ نرن کاری گرو کے نائبین گرو گوبند سنگھ کے پانچ پیاروں کی طرح ہوتے ہیں۔ نرن کاری سیوادل بھی گرو گوبند کی فوج سے ملتا جلتا ہے۔ اگر چہ نرن کاری مسلک بدعتوں کا سخت مخالف ہے مگر ان میں بھی گرو کے پاؤں کا دھلا پانی پیتے ہیں جو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ ایک بڑے ڈرم میں ایسا پانی بھرا ہوتا ہے اور عقیدت مند اسے پینا ثواب سمجھتے ہیں۔ وہ پانی ایک اثر انگیز سمجھا جاتا ہے۔

اوتار بانی، نرن کاریوں کی مقدس کتاب ہے جو گرو اوتار سنگھ کی مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے۔ بابا گربچن سنگھ، ان کی اہلیہ اور ان کے بھائی کی نظمیں بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ اکالی سکھوں کا یہ کہنا ہے کہ اوتار بانی میں ان کے گروؤں کے سلسلے میں توہین آمیز باتیں شامل ہیں ۔۲۴ اپریل کو بابا گربچن سنگھ قتل کر دیئے گئے ۔ ان کے اکلوتے بیٹے بابا ہردیو سنگھ اپنے پتا کے جانشین ہوئے۔ امرت سر کے اکال تخت سے پامال شو حکم نامے کی رو سے عام سکھ نرن کاریوں سے کوئی سماجی تعلق نہیں رکھتے مگر نرن کاریوں کا کہنا ہے کہ ہمارا مشن کسی مذہب کا حامی نہیں اور ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جو خدا شناس افراد پر مشتمل ہے۔ جاری تنظیم میں شامل ہونے کے لئے بنیادی باتوں پر عمل ضروری ہے:۔

(۱) کوئی چیز ہماری نہیں ہے۔ ہماری ساری مادی ملکیت خدا کی ہے۔ ہمیں اس طرح کی کسی ملکیت پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ (۲) عوام کے درمیان فرقے، رنگ، نسل، جنس اور قومیت کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے۔ (۳) دوسروں کی غذا، لباس اور کلچر پر کوئی تنقید نہیں کرنا چاہیے۔

(۴) دنیا ترک کر دینے اور راہب بن جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی کے فرائض معمول کے مطابق انجام دینے پر بھی خدا کو جانا جا سکتا ہے۔ (۵) ہم کو روح کی سلامتی کی فکر کرنا چاہیے جو قادرِ مطلق کا ایک لازمی جزو ہے اور جو کئی جنم پنر جنم کے بعد انسانی جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اپنا سر قادر مطلق کی بارگاہ میں جھکا دو اور خدا کو پا لو!۔

تکملہ

:اس سلسلے میں پروفیسر من موہن سنگھ کا فرمانا ہے کہ اس نام کے دو فرقے کام کر رہے ہیں۔

ایک فرقہ تقریباً سو برس پرانا ہے۔ ۱۹ صدی میں سکھ لوگ دوبارہ براہمن ازم کے قریب آ گئے اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔ لفظ 'نرن کار' کے معانی ہیں 'جسم کی قید سے باہر' سکھوں کا عقیدہ ہے کہ خدا انسانی جسم کی شکل میں نمودار نہیں ہوتا۔ اس لئے دیوی دیوتاؤں کی پرستش ناجائز ہے پرانے نرن کاریوں نے اسی عقیدے کو از سر نو زندہ کر کے سکھوں کو براہمنی رسومات سے آزاد کر دیا۔ اس طرح سکھ دھرم میں ان کا ایک اہم رول ہے۔۔ جن نرنکاریوں کے ساتھ پچھلے دنوں سکھوں کا تصادم ہوا تھا وہ پچھلے نرنکاریوں سے مختلف ہیں۔ ان کے بانی بوٹا سنگھ کو نرنکاری دربار سے مے نوشی کے جرم کے تحت الگ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے بوٹا سنگھ نے ایک نیا فرقہ قائم کر لیا اور وہ کہنے لگے کہ خوراک یا جسم کی پاکیزگی مذہب میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ان کے عقیدت مند، بوٹا سنگھ، اوتار سنگھ اور گربچن سنگھ کو زمین پر خدا کی حیثیت دیئے ہوئے ہیں اور ان کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔۔۔ مسلمانوں کی طرح سکھ بھی ختم نبوت پر ایک طرح یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ قرآن ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح سکھ بھی کہتے ہیں کہ 'گرنتھ صاحب' ہی ان کی گرو ہے اور کسی نئے نبی، کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر آج کے نرن کاریوں میں گروؤں کا رواج ہے اور گرنتھ صاحب کے مقابلے میں ان کی اپنی ''اوتار بانی'' بھی موجود ہے چنانچہ سکھوں اور نرن کاریوں کے درمیان ویسا ہی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ مسلمانوں اور احمدیوں کے درمیان ہے۔ زیادہ تر مذاہب ضبطِ نفس پر زور دیتے ہیں مگر نئے نرنکاری ضبطِ نفس کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں

نام دھاری

یہ بھی سکھوں کا ایک فرقہ ہے جسے ''کوکا'' بھی کہا جاتا ہے۔ جسے بھائی رام سنگھ نام کے ایک بڑھئی نے ۱۸۶۷ء میں جاری کیا تھا۔ رام سنگھ سکھوں کی پلٹن میں ملازم بھی رہ چکے تھے۔ انھوں نے ایک فرانسیسی فوجی افسر سے فوجی قواعد بھی سیکھ لی تھی۔ اس فرقے کا پہلا ہیڈ کوارٹر ضلع راولپنڈی کے قصبے حضرو میں تھا۔ بھائی رام سنگھ نے سودیشی اور عدم تعاون کی تحریکوں میں حصہ لیا اور سماج سدھار کے سلسلے میں چند کام انجام دیئے چنانچہ انگریزوں نے انھیں جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا۔ اور انگریزوں ہی کی قید میں ۲۹/نومبر ۱۸۸۵ء کو رنگون میں ان کی موت واقع ہوئی۔ اس وقت تک ان کے چیلوں اور پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار ہو چکی تھی۔ ان کے ماننے والے ان کو ست گرو کہتے تھے۔ ان دنوں بابا جگ جیت سنگھ نام دھاریوں کے ست گرو ہیں اور آج کل ان کا ہیڈ کوارٹر ضلع لدھیانے میں بھینی صاحب میں ہے۔ نام دھاری فرقے کے بانی رام سنگھ کا کہنا تھا کہ ''میں سکھوں کا مذہب بدلنے کے لئے نہیں پیدا ہوا میں تو سکھوں کا چال چلن درست کرنے آیا

ہوں۔ میری منشا یہ ہے کہ لوگ عیش وعشرت چھوڑ کر بابا گرو بانک کے سچے پیرو کار بن جائیں اور نیکوں کی طرح زندگی بسر کریں!'' بابا رام سنگھ کی زبان پُر اثر تھی۔ وہ اپنے وعظ سے سامعین میں ایسا جوش پیدا کر دیتے تھے کہ حاضرین جن میں مرد، عورتیں، بچے سبھی ہوتے تھے، پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور وہ ''گرنتھ صاحب'' کے بعض فقرے چیخ چیخ کر گانے لگتے تھے اور حال کی صورت میں ناچنے لگتے تھے اور اتنے چکر کھاتے تھے کہ آخر چکرا کر گر پڑتے تھے۔ اس طرح کی چیخ پکار کی بنا پر لوگ اس فرقے کو چلانے اور کوکنے والا فرقہ کہنے لگے اور بعد میں یہ فرقہ 'کوکا' کہا جانے لگا۔ بابا رام سنگھ نے اپنے چیلوں کو کافی تعداد میں انگریزی فوج اور پولیس میں بھرتی کرایا اور پھر پنجاب کو بیس علاقوں میں بانٹ کر ہر علاقے میں اپنے ازم کی تبلیغ کے لئے اپنا ایک ایک نائب مقرر کیا۔ اس فرقے میں ابتدا میں نچلی ذات کے لوگ زیادہ تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کو اکثر قتل بھی کر دیتے تھے اور جب ان کے ہاتھوں ڈپٹی جیشی رام کا قتل ہوا تو اس فرقے کی ساکھ کافی متاثر ہوئی۔ پہلے اس فرقے کا ممبر اپنا خفیہ منتر کسی غیر پر ظاہر نہ کرتا تھا جب تک کہ وہ خلوص سے ان کے فرقے میں شامل نہ ہو جائے۔ اس فرقے میں صرف ہندو اور سکھ ہی شامل ہو سکتے تھے۔

نیل دھاری

چند برس پہلے نام دھاریوں میں سے کچھ لوگ الگ ہو گئے اور انھوں نے قلعے والے بابا ہر نام سنگھ کو اپنا رہنما مان لیا۔ وہ امتیاز پیدا کرنے کی خاطر اپنی پگڑی میں نیلی پٹی استعمال کرنے لگے اور نیلی دھاری والے مشہور ہو گئے۔ ہماچل پردیش اور تھائی لینڈ میں نیل دھاری فرقے کے سکھ خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

رادھا سوامی

سکھوں کا یہ ضمنی فرقہ کردار کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے۔ وہ اچھے و نیک کردار کی تعمیر کے لئے 'گرنتھ صاحب' کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کی مقدس کتب سے بھی مدد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ اس فرقے کے لوگ اپنے رہنما کو سنت کہتے ہیں اور انھیں روحانی رہبر مانتے ہیں۔ نام دھاریوں کی طرح رادھا سوامی فرقے کے لوگ بھی شراب، گوشت اور دوسری نشہ آور چیزوں کو کردار کش قرار دیتے ہیں۔

تکملہ: شری این ڈی آہوجا کا اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ سکھوں کے اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں جیسے اداسی۔ وغیرہ (ماہنامہ گگن بمبئی، مذاہب عالم نمبر ۱۹۸۴ء)

ادارہ

گورو نانک دیو جی

گورو نانک پنجاب کے ایک قصبے رائے بھوئی دی تلونڈی میں ایک ہندو کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام مہتہ کالو اور ماں کا نام ترپتا تھا۔ اُن کے سنِ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ وہ اپریل ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ نومبر ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ عام طور پر اسی تاریخ کو صحیح مانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کی پیدائش ہوئی تو اُن کے خاندانی پنڈت ہردیال نے اُن کی جنم پتری دیکھ کر بتایا تھا کہ اس بچے کے سر کے اُوپر چھتر لہرائے گا اور ہندو اور مسلمان دونوں اس کی تعریف وتوصیف کے گیت گائیں گے۔

سات سال کی عمر میں انہیں پڑھنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ پہلے ایک ہندو اُستاد کے پاس سنسکرت زبان کے حروفِ ابجد اور حساب کتاب سیکھتے رہے۔ اس کے بعد وہ ایک مولوی قطب الدین سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لیکن درسی اور دنیاوی تعلیم میں اُن کا جی نہ لگا اور وہ قریبی جنگل میں جا کر سادھوؤں اور مہاتماؤں کے پاس بیٹھتے اور اُن کی باتیں دھیان سے سنتے۔ شروع ہی سے اُن کا رجحان دنیاداری کی طرف نہیں تھا اور اپنے والدین کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ ایک دنیادار انسان نہ بن سکے۔

جب اُن کے والد نے دیکھا کہ اُن کا پڑھنے لکھنے میں دل نہیں لگتا تو ۹ برس کی عمر میں انہیں گائیں بھینسیں چرانے کا کام سونپ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن جب نانک مویشیوں کو چرانے کے لئے جنگل میں گئے تو ایک درخت کی چھاؤں میں اُن کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب سورج کی روشنی اُن کے چہرے پر پڑنے لگی تو ایک ناگ نے اُن کے چہرے پر سایہ کرنے کے لئے اپنا پھن پھیلا دیا۔ جب لوگوں نے یہ معجزہ دیکھا تو کہنے لگے کہ یقیناً یہ ایک خدا رسیدہ انسان ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ آپ برگد کے نیچے بیٹھ کر ستانے لگے اور اپنے خیالات میں محو ہو گئے۔ بھینسوں نے ایک کسان کے کھیت کو ویران کر دیا۔ کسان ہرجانہ طلب

کرنے گیا۔تلونڈی کے حاکم رائے بلار نے یہ ہرجانہ خود ادا کردیا کیونکہ وہ اُن کا عقیدتمند تھا۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ نانک جی کے کہنے پر وہ کھیت پھر سرسبز ہوگیا۔

گورو نانک کے دنیاوی معاملات سے بے نیازی دیکھ کر بزرگوں نے اُن کے والد کو رائے دی کہ اُن کی شادی کردی جائے جس سے شاید اُن کا دل دنیا کی طرف راغب ہوجائے۔ مہتہ کالو کو یہ صلاح پسند آئی اور انہوں نے جون ۱۴۸۸ء میں اُن کی شادی بٹالہ کے کھتری مولا کی لڑکی سلکھنی سے کردی جن کے بطن سے دو بیٹے سری چند اور لکھمی داس پیدا ہوئے۔تاہم اُن کا دل دنیا سے پہلے کی طرح بیزار ہی رہا۔

اب اُن کے والد نے انہیں دکان کھول کردینے کا فیصلہ کیا۔اس مقصد کے لئے انہوں نے انہیں کچھ روپے دیئے کہ چوہڑکانہ منڈی سے دکان کے لئے سودا سلف لے آئیں لیکن ابھی وہ منڈی نہیں پہنچے تھے کہ انہیں راستے میں چند بھوکے سادھو مل گئے۔انہوں نے اپنی پونجی اُن بھوکے سادھوؤں کو کھانا کھلانے میں خرچ کردی اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آئے۔والد نے جب حساب کتاب مانگا تو انہوں نے جواب دیا۔''پتا جی آپ نے مجھے کھرا سودا لانے کے لئے بھیجا تھا۔اس لئے مَیں نے بھوکے سادھوؤں کو کھانا کھلا دیا۔بھلا اس سے اچھا اور کھرا سودا کیا ہوسکتا ہے۔

اُن کی دنیا سے بیزاری دیکھ کر سب نے اُن کا ماحول بدلنے کا مشورہ دیا۔اس پر اُنہیں اپنی بہن نانکی کے ہاں سلطان پور بھیج دیا گیا جہاں نواب دولت خان کے دربار میں اُن کے بہنوئی جے رام ملازم تھے۔نانک جی کو وہاں نواب کے مودی خانہ میں رسد تولنے کا کام مل گیا۔کہا جاتا ہے کہ انہیں جو رسد اپنے گزارے کے لئے ملتی تھی،وہ اُسے فقیروں اور ضرورت مند افراد کو دے دیتے تھے۔نیز جب وہ رسد کو تولتے تولتے تیرہ کی گنتی پر پہنچتے تھے تو تیرا تیرا کہتے کہتے عالمِ بے خودی میں پہنچ جاتے تھے۔حاسدوں نے نواب سے شکایت کی کہ نانک مودی خانے کو لٹا رہا ہے مگر جب پڑتال ہوئی تو رسد پوری نکلی اور حساب میں کوئی گڑبڑ نہ تھی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دن وہ ندی پر نہانے گئے تو تین دن تک نہ لوٹے۔لوگوں نے انہیں بہت ڈھونڈا مگر وہ کہیں نہ ملے۔تیسرے دن وہ عالمِ مستی میں سلطان پور واپس آئے تو اُن کے لبوں پر انوکھا نعرہ تھا......''نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان'' اُن کا یہ اعلان ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو بُرا لگا۔سلطان پور کے نواب سے شکایت کی گئی تو نواب نے انہیں بلایا اور پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ۔''کوئی کہتا ہے کہ مَیں دیوانہ ہوں اور کوئی کہتا ہے کہ میرے قدم

لڑکھڑا رہے ہیں لیکن مَیں تو اپنے شاہ یعنی اپنے خدا کا شیدائی ہوں۔ اُس کے سوا مَیں کسی کو نہیں جانتا۔"
قاضی نے کہا کہ ہو سکتا کہ تمہیں کوئی سچا ہندو دکھائی نہ دیتا ہو لیکن کیا تمہیں سچا مسلمان بھی نظر نہیں آتا؟

نانک جی مسکرائے اور کہنے لگے۔ "اگر کسی کے لئے رحم وکرم مسجد ہو۔ اعتقاد جائے نماز ہو اور ایمانداری اور دیانت کی زندگی قرآن ہو۔ عجز وانکسار سُنت ہو، پرہیزگاری روزہ ہو تو اُسے مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ نیک اعمال کعبہ کی زیارت ہوں، اگر سچا رہنما ہو اور خدائے کریم کی نماز ادا کی جائے اور خدا کی رضا تسبیح ہو تو خدا ایسے شخص کی لاج ضرور رکھے گا۔"

ان باتوں سے نواب صاحب کو علم ہو گیا کہ نانک جی کی روح بیدار ہو چکی ہے اور انہیں خدا کا عرفان حاصل ہو گیا ہے۔ لہذا انہوں نے عزت واحترام کے ساتھ گزارش کی کہ انہیں ملازمت ترک نہیں کرنی چاہیے لیکن گورونانک یہ کہہ کر چل پڑے کہ اب مَیں اپنے مالک کی نوکری کروں گا۔ اُن کے ساتھ اُن کا مسلمان چیلا مردانہ بھی تھا۔

مردانے کو ساتھ لئے ہوئے گورونانک ویران اور سنسان جنگلوں سے گزرتے ہوئے پنجاب کے جنوب مغربی علاقے میں گھومتے رہے۔ وہ کسی آبادی میں قیام نہیں کرتے تھے۔ اور بستیوں سے کنارہ کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ وہ جنگل کے پھل کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔ گھومتے گھومتے وہ سید پور پہنچے جسے آج کل ایمن آباد کہا جاتا ہے۔ وہاں کسی امیر کے گھر ٹھہرنے کے بجائے انہوں نے ایک بڑھئی لالو کے گھر ٹھہرنے کو ترجیح دی اور وہاں کے حاکم ملک بھاگو کی دعوت نامنظور کر دی۔ ملک بھاگو نے قاصدوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں پکڑ لائیں۔ لیکن زبردستی کرنے پر بھی انہوں نے ملک بھاگو کے گھر کھانا کھانے سے انکار کر دے۔ اس پر ملک نے غصے سے کہا کہ آپ میرے گھر کے بجائے شودر کے گھر کھانے کے لئے کیوں بضد ہیں کیا آپ مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہیں؟ گورونانک جی نے جواب دیا۔ ملک صاحب مَیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا ہوں۔ دراصل آپ کی ظلم وزبردستی کی کمائی اور خون سے لتھڑی روٹی میرے حلق سے نیچے نہیں اُترتی۔ کہتے ہے کہ اس کے بعد گورو جی نے ایک مٹھی میں بھاگو کا پکوان اور دوسری میں لالو بڑھئی کے گھر کی سوکھی روٹی پکڑ کر دبائی اور تب سبھی لوگ حیران رہ گئے کیونکہ لالو کی سوکھی روٹی سے دودھ اور بھاگو کے عمدہ پکوان سے خون ٹپک رہا تھا۔ یہاں سے وہ تلونڈی گئے جہاں وہ اعزا واقارب سے ملے۔ اس کے بعد وہ لاہور اور سیالکوٹ چلے گئے۔ گورونانک نے اپنی زندگی کا ایک طویل

عرصہ مختلف ممالک کی سیر وسیاحت میں گزارا۔انہوں نے چار بڑے سفر کئے۔اُن کے پہلے سفر کا آغاز ۱۵۰۵ء میں ہوااوراس کے دوران انہوں نے کوروکشیتر،کرنال، پانی پت، ہردوار، دہلی متھرا برندابن، نانک مٹھ(پیلی بھیت)ایودھیا،لکھنؤ، وارنسی، پٹنہ، گیا، راج محل، مالار، ڈھاکہ، دھان پور، کامروپ، دھبری، چٹا گانگ اور جگن ناتھ پوری کی سیاحت کی۔

واپسی پر وہ مدھیہ پردیش اور راجستھان گئے۔دوسری بار ۱۵۰۶ء میں جنوبی ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور ...... بیکانیر،اجمیر، پشکر،آبو، اُجین بیدر، پونگل، مدراس، ناگاپٹم اورلنکا تشریف لے گئے۔واپسی کا سفر انہوں نے براستہ رامیشورم، مالابار، سودام پوری، دوارکا، سندھ، منٹگمری اور لاہور کیا۔اس کے بعد تیسری بار وہ ۱۵۱۴ء میں گھر سے روانہ ہوئے اور مانسرور، تبت کشمیر، کیلاش، ریاسی اور جموں گئے۔۲۲۔۱۵۱۸ء کے درمیان گورونانک مکہ، مدینہ، یروشلم، دمشق اور بغداد گئے اور ایران، ترکستان، کابل اور پیشاور کے راستے پنجاب لوٹ آئے۔ بغدامیں ترکی زبان میں ایک کتبہ ہے جسے گورونانک دیو جی سے منسوب کیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ جب بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دی اور پنجاب اور دہلی پر قبضہ کیا تو انہیں کچھ عرصہ بابر کی قید میں بھی رہنا پڑا۔

گورونانک جہاں بھی گئے۔انہوں نے عوام کو پیار اور اتحاد، رواداری اور بھائی چارہ کا پیغام دیا۔انہوں نے بتایا کہ اصل مذہب ظاہری رسم ورواج کی پیروی نہیں ہے۔بلکہ خدا کی ذات کا عرفان حاصل کرنا اوراس کے بندوں کے ساتھ بھلا کرنا ہے۔وہ عہدِ وسطیٰ کی ممتاز ترین ہستیوں میں سے تھے۔

وہ ذات پات کونہیں مانتے تھے اور سب انسانوں کو برابر سمجھتے تھے۔اُن کا لنگر سبھوں کے لئے کھلا رہتا تھا۔وہ ظاہری مذہبی رسوم کے بہت خلاف تھے۔اور انہوں نے ہندو مسلمانوں میں رائج اس طرح کی رسوم کی زبردست مخالفت کی تھی۔کہتے ہیں جب وہ ہردوار گئے تو وہاں پنڈے گنگا میں کھڑے مشرق کی جانب منہ کئے پانی اُچھال رہے تھے۔پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے مرحوم بزرگوں کو پانی دے رہے ہیں۔یہ سُن کر نانک نے مغرب کی طرف منہ کر کے پانی اچھالنا شروع کردیا۔لوگوں نے جب پوچھا کہ وہ مغرب کی طرف پانی کیوں اچھال رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ پنجاب میں اپنے کھیتوں کو پانی دے رہے ہیں۔لوگ ہنسنے لگے اور بولے یہاں سے اچھالا ہوا پانی آپ کے کھیتوں تک کیسے پہنچ جائے گا؟۔اس پر انہوں نے جواب

دیا۔اگر آپ کا پانی دوسری دنیا تک پہنچ سکتا ہے تو میرا پنجاب کے کھیتوں تک کیوں نہیں پہنچ سکتا؟''

نانک اپنے آپ کو نہ ہندو کہتے تھے نہ مسلمان بلکہ انسان کہتے تھے۔اور وہ ساری زندگی مذہب انسانیت کی تبلیغ کرتے رہے۔۱۵۲۹ء میں گورونانک بٹالہ اور ۱۵۳۰ء میں ہردوار تشریف لے گئے۔اور اس کے بعد ۱۵۳۱ء میں واپسی پر کرتار پور آ کر مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔کچھ عرصہ بعد انہوں نے اپنے ایک چیلے بھائی لہنا کو اپنا جانشین بنادیا جو بعد میں گورو انگد کے نام سے مشہور ہوئے۔۱۵۳۸(۱۰ آشون سمت ۱۵۹۵) کو وہ مراقبے میں چلے گئے اور اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔

روایت ہے کہ اس موقع پر اُن کے ہندو اور مسلمان مریدوں میں تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا کیونکہ مسلمان انہیں دفنانا اور ہندو داہ سنسکار کرنا چاہتے تھے۔آخر فیصلہ ہوا کہ دونوں فریق اپنے اپنے پھول اُن کے جسم پر رکھ دیں جن کے پھول کم پژمردہ ہوں گے وہ فریق ان کے جسم کا وارث ہوگا۔لیکن دوسرے دن صبح دیکھا گیا کہ دونوں کے پھول پہلے کی طرح شگفتہ تھے۔اس کے بعد چادر اُٹھائی گئی تو اُن کا جسم غائب تھا۔اس پر ہندو مسلمانوں نے چادر نصف نصف بانٹ لی اور اپنے عقیدے کے مطابق ہندوؤں نے اسے نذرِ آتش کر دیا اور مسلمانوں نے دفنا دیا۔

(ماہنامہ آج کل، نئی دہلی، نومبر ۱۹۶۹ء)

اقبال

نانک

قوم نے پیغامِ گوتم کی ذرا پرواہ نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی
آہ بدقسمت رہے آوازِ حق سے بےخبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ! شودر کے لئے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نورِ ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا
پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اِک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

☆☆☆

نظیر اکبر آبادی

گرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں،وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہ بر جگ میں ہیں،یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد،امید،سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے،اس عظمت کے ،ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو،اور ہر دم بولو واہ گرو

ہر آن دلوں وِچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں
اور سیوک ہوکر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سُکھ چین انہیں دکھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال انہیں،سب تن کا کاج بناتے ہیں
اس بخشش کے،اس عظمت کے،ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو ،واہ گُرو

دن رات جنہوں نے یاں دِل وِچ ہے یادِ گرو سے کام لیا
سب من کے مقصد بھر پائے،خوش وقتی کا ہنگام لیا
دُکھ درد میں اپنے دھیان لگا،جس وقت گُرو کا نام لیا
پل بیچ گُرو نے آن انہیں ِخوش حاَل کیا اور تھام لیا

اس بخشش کے،اس عظمت کے،ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو ،واہ گُرو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گُرو سے کہتے ہیں
وہ اپنے لطف و شفقت سے نِت ہاتھ اُنھوں کے گہتے ہیں
دُکھ دُور انہوں کے ہوتے ہیں۔سو سُکھ میں جگ میں رہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہوکر،سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
اس بخشش کے،اس عظمت کے،ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو ،واہ گُرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا،امید کرم کی دھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انہوں کے بھرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں،سب من کی چِنتا ہرتے ہیں
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو ،واہ گُرو
اس بخشش کے،اس عظمت کے،ہیں بابا نانک شاہ گُرو

نرباہ:پرورش......سب سیس نوا ارداس کو:سب سر جھکا کر ارداس کرو......گہتے ہیں:تھام لیتے ہیں......وِچ معنی اندر

☆☆☆

آرتی

دھنا سری محلہ ۱

بابا گورو نانک

اِک اونکار۔ ستگور پرساد:۔ گگن مَے تھال، روِ چند دیپک بنے، تارِکا منڈل جنک موتی دُھوپ کلیان لَو، پوَن چوَر وکرے، سگل بن روئے پھولنت جوتی۔(۱) کیسی آرتی ہوئے بھَو کنڈنا تیری آرتی۔ انہتا سبد واجنت بھیری (۱) رہاؤ:۔ سہس تَو نین، نن نین ہے تو ہے، گو سہس مُورت ننا ایک تو ہی سہس پد، بمل نن، ایک پد گندھ بن سہس تَو گندھ اِو چلت موہی۔(۲) سبھ مَہہ جوت، جوت ہے سوئے، تِس کے چانن سبھ کہ چانن ہوئے۔ گور ساکھی جوت پرگٹ ہوئے۔ جو تِس بھاوے سو آرتی ہوئے۔(۳) ہر چرن کمل مکرند لو بھت منوان دِنوں مو ہے آہی پیاسا۔ کرپا جل دیہہ نانک سارنگ کو ہوئے جاتے تیرے نام ورسا۔

۴۔۱۔۷۔۹..........صفحہ ۶۶۳

ترجمہ رتن سنگھ

سارا آسمان ایک تھال ہے، جس میں سورج اور چاند، دِیئوں کی طرح رکھے ہیں۔ اس تھال میں ستاروں کی کہکشاں جیسے موتیوں کی طرح رکھی ہے۔ پہاڑ کی طرف سے آنے والی ہوا دھوپ کی طرح مہکتی ہوئی چنور

رہی ہیں۔(۱) اے پرماتما تمہارا کوئی جسم نہیں ہے، اس لئے آنکھیں بھی نہیں ہیں، لیکن پھر بھی تم ہزاروں آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ تمہاری کوئی شکل نہیں ہے، مگر پھر بھی تمہارے ہزاروں روپ ہیں۔ تمہارے کوئی پیر نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے ہزاروں پیر ہیں۔ تمہاری کوئی ناک نہیں، پھر بھی ہزاروں ناک ہیں تمہارے۔ تمہارے اِنہی عجوبوں نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔(۲) اے پرماتما سب جانداروں کے اندر ایک تمہاری ہی جوت کا نور ہے۔ اُس کی روشنی کی وجہ سے ہی سب کے اندر یہ روشنی ہے۔ لیکن اس روشنی کا احساس گورو کی مدد سے ہی ہوسکتا ہے۔ اے پرماتما تیری راہ میں چلنا ہی سچی آرتی ہے۔(۳) اے پرماتما میرے من میں تمہارے کنول سے چرنوں کا رس پانے کی طلب ہے۔ ہر روز مجھے اسی رس کی پیاس لگی رہتی ہے۔ اے پرماتما نانک پپیہے کیطرح بے کل ہے۔ تو مہربانی کر۔ یہ امرت بخش۔ تیرا نام سدا میرے دل میں بسا رہے۔

(ماہنامہ چہارسو راولپنڈی)

درشن سنگھ دُگل

گوربانی کے ارشاداتِ عالیہ

کا آزاد منظوم ترجمہ

راضی بہ رضا

بغیر آنکھ کے دیکھ اُس کے جلوہ زاروں کو
بغیر کان کے سُن اُس کی غائبانہ آواز
بغیر پاؤں کے چل اُس کی رہ گزاروں میں
بغیر ہاتھ کے ہر کام کر اُس کے لئے
بغیر حرف و زباں اُس سے گفتگو کر لے

اس طرح سے اگر جیتے جی مرے گا تو
اسی طرح سے اگر اُس کا حکم مانے گا
رضا کا اوج بحدِ کمال پائے گا
تو بندہ ہوکے خُدا کا وصال پائے گا

گناہ کا پتھر

سمندر میں ہے پانی جس قدر اُتنی بدی مجھ میں
مرے دل کو خدایا چشمِ محرم بھی عطا کردے
گنہ کے بوجھ سے اِک ڈوبتا پتھر ہے دل میرا
نگاہِ لطف سے تو اُس کو ساحل آشنا کردے

داغ

کسی دامن پہ پڑجائے لہو کا دھبّا
مثلِ آئینہ وہ شفاف نہیں رہ سکتا
پھر انسان جو خون پیتے ہیں انسانوں کا
اُن کا سینہ تو کبھی صاف نہیں رہ سکتا

سفرِ حیات

جیسے پانی میں کنول رہ کر نہیں ہوتا تر
جیسے مرغابی پہ موجوں کا نہیں ہوتا اثر
گونج اُٹھتا ہے دماغ و دل میں حرفِ حق تو پھر
پار کر لیتا ہے دنیا کے سمندر کو بشر

اَکلِ حلال

وہ گورو کیا جو کرتا ہو' گدائی دَر بدر
قابلِ عزت نہیں،اُس کی نہ تم عزت کرو
ہاں جو محنت کش ہے،جو خود کھائے اوروں کو کھلائے
سالکِ دانا ہے وہ اُس کے قدم کو چوم لو

سہاگن

ترکِ بدی کے بعد جو بیَراگ لے لیا
تیرے کرم سے جل اُٹھا عرفان کا دیا

سنسار کی جو پیت تھی وہ دل سے کھو گئی
اب دائمی ہری کی سہاگن میں ہوگئی
غم ہجر کے مٹے تو مَیں دلشاد ہوگئی
فکرِ جہاں سے مستقل آزاد ہوگئی

تعلیم اور عمل

مہر مسجد کو، صداقت کو مصلّا سمجھو
اور ایمان کو قرآن کا جلوہ سمجھو
شرم کیا چیز ہے،سُنت کا کوئی کارِ جلیل
روزہ کیا چیز ہے،اخلاقِ حُسن کا قندیل
اپنی تسبیح رضا ہے، تو کرم کلمہ ہے
سچ کو ہم پیر جو سمجھیں تو عمل کعبہ ہے
ان عقائد پہ جو ایمان سدا رکھتے ہیں
وہ مسلمان ہیں ساتھ اپنے خُدا رکھتے ہیں

بہارِ چندروزہ

یہ رنگ و روپ،یہ دولت، یہ نو بہار کے پھول
کنول کی طرح یہ مہمانِ چند روزہ ہیں
حیاتِ حُسن و محبت کو گلفشاں کر لے
کہ دائمی نہیں یہ حسنِ جہاں کی شادابی
یہ دِن بہار کے تا شام ڈھل ہی جائیں گے
ترا لباسِ حسیں چاک چاک ہونا ہے
مری سکھی! تجھے کنجِ لحد میں سونا ہے
ہراس و وہم کے حلقے میں گھِر گئی ہوں مَیں
کراہتی ہوئی غمناک دے رہی ہوں صدا
کہ وہ عدم کے مسافر جدھر سے گزرے ہیں
اسی طرف سے گزرنا ہے ایک دِن مجھ کو

☆☆☆

ناننک چند ناز

ظفر نامہ کا اتہاس

روایات کئی ہیں ۔ایک سے ایک حیرت انگیز۔ ہر روایت اپنے ساتھ مختلف خیالات رکھتی ہے۔ چونکہ روایات گورو گوبند سنگھ جی کے ''ظفر نامہ'' سے وابستہ ہیں ،اس لئے اُن کے معتقدوں کے لئے قابلِ قبول ہوکر کئی اشعار کی بھی حامل ہوگئیں۔ کئی لوگوں نے اصل اشعار پر اضافہ بھی کردیا۔ اوراس طرح ان کی تاریخی حیثیت مسخ ہوکر رہ گئی۔ اور پھر اُس زمانہ میں جب گورو صاحب نے اسے لکھا ،طباعت کا انتظام نہ ہونے پر یہ اپنی اصل صورت میں محفوظ بھی نہ رہ سکا۔ نسلاً بعد نسلاً جس طرح لوگوں کو زبانی یاد رہا، دوسو سال کے لمبے عرصے کا سفر کرتا ہوا موجودہ صدی میں ہم تک پہنچا۔ اس کا سب سے پہلا سراغ اُس وقت ملا جب ۱۹۲۳ء کے جولائی اگست میں بنارس کے اخبار'' ناگری پرچارنی پترکا'' میں ایک ہندو اسکالر بابو جگن ناتھ داس کا ایک مضمون چھپا۔ اس میں انہوں نے انکشاف کیا کہ تیس بتیس سال پہلے انہوں نے پٹنہ کے شری ہرمندر کے پجاری یا مہنت بابا سمیر سنگھ صاحب کے پاس فارسی میں لکھے ہوئے دو خط دیکھے۔ ایک تھا شیوا جی مرہٹہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو اورنگ زیب کے ساتھی مرزا راجہ جے سنگھ کے نام تھا۔ اور دوسرا خالصہ پنتھ کے جنم داتا گورو گوبند سنگھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خود اورنگ زیب کے نام۔ ان دونوں خطوط میں اورنگ زیب کو لعن طعن کی گئی تھی کہ اس نے ہندوؤں پر اتنا ظلم کیوں روا رکھا ہوا ہے؟ بابو جگن ناتھ نے ان دونوں خطوط کی نقلیں اُتاری تھیں۔ یہ غالباً ۱۸۹۰ء کی بات ہے۔ گورو مہاراج کا خط فارسی نظم میں تھا۔

شری شواجی مرہٹہ بھی فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اُن کے خط کی نقل تو ناگری پرچارنی پترکا'' میں شائع کردی گئی تھی اور اس طرح وہ محفوظ ہوگیا۔ لیکن گورو گوبند سنگھ صاحب کے خط کی نقل بابو جگن ناتھ سے بھی اِدھر اُدھر ہوگئی۔ بابو جی فارسی کے شاعر بھی تھے چنانچہ انہوں نے اپنی یادداشت سے کام لے کر گورو مہاراج کے خط کے اشعار قلمبند کر لئے۔ اُس زمانہ میں پٹنہ کے کلکٹر

ایک ادب نواز پنڈت راج بلبھ مصرا تھے۔انہوں نے اس نسخہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اسے چھپوا لیا۔کچھ عرصہ بعد بابو جگن ناتھ نے ایک قلمی نسخہ پنجاب میں سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیہ امرت سر کو ارسال کیا۔انہوں نے اسے خالصہ کالج امرت سر کی لائبریری کے حوالے کر دیا۔لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ گورو مہاراج کا یہ خط پٹنہ کے ہر مندر صاحب کے مہنت صاحب کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔گورو تیغ بہادر کا پریوار کافی عرصہ پٹنہ میں رہا تھا۔گورو گوبند صاحب کا جنم بھی اسی شہر میں ہوا تھا۔ممکن یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ خط لکھا ہوا،اس کی کاپی اپنے کسی متر کو بھی بھیج دی ہو۔اور وہ ہر مندر صاحب میں محفوظ کر لی گئی ہو۔

ایک روایت یہ بھی ہے گورو مہاراج کے اس خط کی کئی دستی نقلیں ہوگئی تھیں جنہیں ملک کے مختلف حصوں میں پہنچا دیا گیا تھا۔تا کہ لوگ انہیں پڑھیں ایک نقل راولپنڈی کے مقام گولڑا میں ایک سید مسلم خاندان کے ہاں بھی محفوظ تھی۔اس کا پتہ راولپنڈی کے ایک سکھ ڈاکٹر نے لگایا تھا۔ایک دفعہ وہ اس خاندان کی ایک بوڑھی عورت کا علاج کرنے گیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ عورت ہر ہفتے پرانے صندوق میں سے ایک کاغذ نکالتی ہے، پڑھتی ہے اور پھر بے ہوش جاتی ہے۔یہ کاغذ جب ڈاکٹر صاحب کو دکھایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ گورو گوبند سنگھ جی کے فارسی میں لکھے ہوئے اس منظوم خط کی نقل ہے جو انہوں نے اورنگ زیب کو بھیجا تھا۔گولڑا کے اس سید خاندان کے کوئی دو آدمی گورو گوبند سنگھ جی کی فوج میں بھرتی تھے۔نسلاً بعد نسلاً یہ خط اس خاندان کے پاس چلا آتا تھا۔کہتے ہیں یہ دونوں سید گورو صاحب کے ساتھ حیدر آباد دکن بھی گئے تھے۔عورت نے اس خط کو بطور تبرک رکھا ہوا تھا۔وہ اسے پڑھ کر جلال میں آجایا کرتی تھی۔سکھ ڈاکٹر نے اس واقعہ کا ذکر کئی دوستوں اور رشتہ داروں سے کیا تھا۔یہ ۱۸۔۱۹۱۷ء کی بات ہے۔تھوڑے دن ہوئے لدھیانہ کے ایک سکھ دوست مجھے جالندھر میں ملے۔انہوں نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا تھا۔"ظفر نامہ" کا وہ حصہ ایک قلمی دسم گرنتھ میں بھی موجود ہے۔جو فارسی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں۔اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ۱۷۰۲ء سے لے کر ۱۷۰۴ء تک کے عرصہ میں گورو گوبند سنگھ صاحب نے اورنگ زیب کے خلاف جو لڑائیاں لڑیں،انہوں نے اس "ظفر نامہ" کو ترتیب دینے میں بڑا کام کیا،اس کی ابتداء ۱۷۰۴ء ہی میں ہو چکی تھی۔اپنے پتا گورو تیغ بہادر کی شہادت کے بعد جب گورو صاحب نے اورنگ زیب سے بدلہ لینے اور شمالی ہندوستان میں ایک بہادر فوج تیار کر کے اس کی سلطنت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو

پہلا قدم انہوں نے یہ اُٹھایا کہ اپنی طاقتوں کو جمع کرنے کے لئے آنند پور صاحب ضلع ہوشیار پور میں اپنا ہیڈکوارٹر بنایا۔ دوسری سرگرمیوں کے پہلو بہ پہلو انہوں نے پنجابی، ہندی، سنسکرت اور فارسی کے ۵۲ (باون) اسکالر اپنے ہاں بُلا لئے۔ ان میں کئی شاعر بھی تھے۔ یہ سب جنگی لٹریچر ترتیب دینے پر لگ گئے۔ گورو مہاراج خود بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ کئی زبانوں میں انہوں نے نظم و نثر کی کتابیں لکھیں۔ فارسی کلام بھی اسی زمانہ میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ (ان) کے باون ادیبوں میں فارسی کے شعراء بھی تھے۔ بھائی نندلال کو اُن میں ممتاز درجہ حاصل تھا اور وہ گورو مہاراج کے بہت قریب تھے۔ ایک تاریخی کتاب میں لکھا ہے کہ بھائی نندلال کے بغیر گورو مہاراج کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اُن سے بہت پریم کرتے تھے۔ اور اُن کی عزت بھی۔ جب بھائی جی دربار میں آتے تو گورو مہاراج اُن کے سواگت کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

یہ مجلسِ شعراء ''ظفر نامہ'' کی ابتداء کا باعث بنی۔ بہت سے اشعار اسی زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ لیکن وہ سرسہ ندی میں ضائع ہو گئے۔ یہ حادثہ جولائی ۱۷۰۳ء اور جنوری ۱۷۰۴ء کے درمیانی وقفہ میں ہوا۔ جب گورو مہاراج کی فوج آنند پور میں محصور ہو گئی تھی۔ لیکن اورنگ زیب کے فوجی سرداروں اور پہاڑی راجاؤں کے حملوں کے باوجود شہر کا محاصرہ نہیں ٹوٹا تھا۔ شاہی فوجوں کو جب کامیابی نہ ہوئی تو اورنگ زیب نے ایک پیغام صلح بھیجا جو قرآن کی قسموں پر تھا۔ اُس کے ایلچیوں نے بھی کئی قسمیں کھائیں۔ اور تحریر لکھ کر گورو مہاراج کو دی کہ مزید حملہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس اقرار نامہ کے مطابق آپ آنند پور سے نکلے مگر دشمن نے وعدہ شکنی کی اور اُن پر حملہ کر دیا۔ اس موقع پر گورو مہاراج کا بہت سا سامان لُٹ گیا۔ بیش بہا علمی خزانہ اور بے شمار قلمی مسودے اور نسخے سرسہ ندی کو پار کرتے وقت دریا میں بہہ گئے۔ تمام خاندان بکھر گیا۔ تمام سکھ بکھر گئے۔ بزرگ ماتا گوجری اور دو چھوٹے صاحبزادے گنگو نامی برہمن ملازم کی غداری کی وجہ سے فتح گڑھ صاحب میں مسلم حکمرانوں نے گرفتار کر لئے۔ کچھ عرصہ خود گورو مہاراج جی کو بھی چمکور کی ایک حویلی میں محصور رہنا پڑا۔ اور پھر محصور کرنے والوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے آپ یہاں سے بھی صحیح سلامت نکل گئے۔

جو قلمی مسودے سرسہ ندی کی نذر ہو گئے۔ ان میں ''ظفر نامہ'' بھی تھا۔ کئی محققین کو اس سے اختلاف ہے لیکن اس کے پہلے تیرہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنند پور ہی میں لکھے گئے تھے۔ ان میں گورو مہاراج نے اورنگ زیب کو مخاطب کر کے اس کی پدرم آزاری اور برادر کشی کا

ذکر کیا ہے۔ مہاراشٹر اور راجپوتانہ میں اس کی شکستوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر دعویٰ کیا ہے کہ میں نے آبِ آہن (لوہے کے پانی) سے پنجاب کے لوگوں کو خالصہ بنا دیا ہے۔ یعنی انہیں امرت چھکا کر بہادر بنا دیا ہے۔ اب تمہاری شکست قریب ہے، چودھویں (۱۴ویں) شعر میں اپنے دونوں چھوٹے صاحبزادوں کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر چمکور صاحب کے معاصرہ کے بعد لکھا گیا تھا۔ لیکن "ظفر نامہ" کے پہلے حصے کی تکمیل روپڑ کے علاقہ میں واقع ایک مقام قصبہ کانگڑ میں ہوئی۔ "ظفر نامہ" کے کل ۱۳۵۔ اشعار ہیں۔ انہیں قلمی شکل میں مرتب کر کے گورو مہاراج نے ایک سکھ بھائی دیا سنگھ کے حوالہ کر دیا۔ جس نے حیدرآباد دکن میں جا کر اورنگ زیب تک پہنچایا۔ اُن دنوں اورنگ زیب وہاں گیا ہوا تھا۔ اس کی زندگی ویسے بھی ختم ہو رہی تھی۔ گورو مہاراج کے اس مراسلہ کے مطالعہ سے وہ بہت نادم ہوا کیونکہ پنجاب میں اس کی فوج کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے اور اس کی سلطنت کی بنیادیں گر رہی تھیں۔ بندا بہادر نے اپنے فوجی کارناموں اور انجام کار اپنی قربانی سے اورنگ زیبی ظلم و ستم کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔

گورو گوبند سنگھ کا فارسی کلام پختہ کاری کا نادر نمونہ ہے۔ عروض کی غلطی ان میں نہیں ہو سکتی لیکن طبع شدہ کئی نسخوں میں حیرت انگیز غلطیاں ہیں۔ مثلاً قسم کے س کو ساکن لکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالفتح ہے۔ یعنی اس پر زبر ہے۔ دیوار کی د حذف کر دی گئی ہے۔ آزاد کو ازاد باندھا گیا۔ قرآن کی ر متشدّد ہے۔ مگر اسے اس شکل میں نہیں باندھا گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ جن احباب نے اپنی یادداشت سے کام لے کر شروع شروع میں ان اشعار کو کاغذ پر لکھا۔ وہ علمِ عروض سے واقف نہ تھے۔ اس لئے غلطی کر گئے۔ اگر وہ الفاظ کو ذرا آگے پیچھے کر دیتے تو یہ سقم نکل جاتا۔ گورو مہاراج نے تو سارے کے سارے اشعار تقطیع و اوزان کے مطابق لکھے تھے۔ مگر زمانے کے ناموافق حالات نے انہیں غلط شکلیں دے دیں۔ اپنی دانست کے مطابق میں نے الفاظ کو آگے پیچھے کر کے یہ سقم دور کر دیئے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں ظفر نامہ کے اشعار کی کی شکل وصورت وہی ہے جس میں گورو گوبند سنگھ کی زبان سے نکلے تھے۔

محققین نے "ظفر نامہ کے ۲۱ ویں شعر کا صرف ایک مصرعہ بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ دوسرا مصرعہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ تو ہو نہیں سکتا میں نے ایک مسودہ میں اس شعر کے دونوں مصرعے دیکھے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں آپ ۲۱ ویں شعر کو مکمل پڑھیں گے۔

فارسی ہمارے ملک کی زبان نہیں۔ نئے آئین کی رو سے شاید ہم اسے محفوظ نہ رکھ سکیں

لیکن چونکہ گورو گوبند صاحب کا اصل ''ظفر نامہ'' فارسی میں ہے اس لئے اس کے مسلسل مطالعہ سے ہم جوشِ زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔اس لئے ہمیں فارسی زبان سے کٹ جانا بھی گوارا نہیں کرنا چاہیے۔گورو صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا یہ کلام ایک طرح کا آبِ حیات ہے۔اس کے قطرات ہماری قوم کے لب ہائے خشک پر گرتے رہیں۔اس تمنا کے ساتھ میں نے گورو صاحب کے ''ظفر نامہ'' کا یہ منظوم ترجمہ کیا ہے کہ جو بھی اسے ایک بار پڑھ لے گا اس کی رگوں میں خون بھی ٹھنڈا نہیں پڑے گا۔☆☆☆

ظفر نامہ کے چند اہم اشعار

بنام خداوندِ تیغ و تبر
خداوندِ تیر و سنان و تبر
ہماں کو تُرا پادشاہی بداد
بما دولتِ دیں پناہی بداد
تُرا ترکتازی بہ مکر و ریا
مَرا چارہ سازی بہ صدوق و صفا
نہ زیبد ترا نام اورنگ زیب
ز اورنگ زیباں نہ یابد فریب
تسبیحت از سبحہ و رشتہ بیش
کزاں دانہ سازی وزاں دام خویش
تو خاک پدر را بہ کردارِ زشت
بہ خونِ برادر بدادی سرشت
وزاں خانۂ خام کردی بنا
برائے درِ دولتِ خویش را

(خداوند تیغ وتبر اور خداوندِ تیر وسناں کی قسم،جس خدا نے تجھے حکومت بخشی اُسی خدا نے دین کی حفاظت کرنے کی دولت عطا کی تو مکر وفریب سے

لوٹ مار کرتا ہے اور ہمارا سچائی سے علاج کرنے کا طریقہ ہے۔ تجھے اورنگ زیب نام زیب نہیں دیتا کیونکہ تخت شاہی کو زیب دینے والوں کو فریب دینا شوبھا نہیں دیتا۔ تیری تسبیح دھاگے اور منکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ تو اس (تسبیح) سے اپنے جال کے دانے بنتا ہے اور شکار پھانستا ہے۔ تو نے اپنے والد کو قید کر کے اس کی مٹی خراب کی۔ اور اپنے بھائیوں کو ہلاک کر کے اپنی سرشت میں اُن کا خون داخل کیا۔ تجھ پر کیا اعتبار۔ اے اورنگ زیب تو نے اپنے باپ کو قید اور بھائیوں کو ہلاک کر کے اپنے لئے حکومت کرنے کے کچے مکان کی بنیاد رکھی مگر اس کچے مکان کی بنیادیں جلد ہی گر جائیں گی............

(سری گورو گوبند سنگھ جی کے فارسی زبان میں تحریر کردہ 'ظفر نامہ' مترجم نانک چند ناز کے اقتباس)

سکھ دھرم کی کچھ دستیاب کتابیں

کتاب	مصنف	سال	صفحات	مطبع
آرتی (دھناسری محلہ ۱)	رتن سنگھ	-	-	-
انتخاب از سوانح عمری شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج	لالہ دولت رائے	-	-	-
اُردو میں سکھوں کا حصہ	امام مرتضٰی نقوی	-	-	-
بابا فرید کے اشلوک	رتن سنگھ	-	-	-
بابا گرونانک کلام وحدانیت	خواجہ دل محمد	-	-	-
پوتھی اونکار	سوامی مترسین	۱۹۲۶ء	۱۱۸	کرشنا اسٹیم پریس گوجرانوالہ (پنجاب)
پوتھی پنج گرنتھی	دیارام عاکف شارح	-	۲۴۶	-
پوتھی رہ راس	سوامی مترسین	۱۹۳۳ء	۱۲۸	گردھرا سٹیم پریس لاہور (پنجاب)
پوتھی شبد ناویں محل	سوامی تیجا سنگھ	-	۱۴	ہندوستان پریس لاہور (پنجاب)
پھول پٹاری اُردو	بابا برج بلب سنگھ بیدی	-	۸۰	مفید عام پریس لاہور (پنجاب)
تاریخ گورو خالصہ	گیانی گیان سنگھ	-	-	-

تذکرہ بابا نانک	مولوی صوفی غلام قاسم	۱۹۰۲ء	-	پشاور (صوبہ سرحد)
جپ پرمارتھ	-	-	-	گیانی پریس گوجرانوالہ (پنجاب)
جپ جی صاحب معہ مقدمہ ومفاہیم	شکیل الرحمٰن	-	-	-
جپ جی صاحب مشرح	مشرقی	-	-	-
جپ جی صاحب سٹیک	منی سنگھ شارح	-	-	-
جنم ساکھی	بھائی بالا والی مترجم دیارام عاکف	-	۲۶۷	آزاد ہند پریس لاہور (پنجاب)
دھرم وچار	جواہر سنگھ کپور	۱۸۸۹ء	۶۸	مطبع اسلامی لاہور (پنجاب)
ست سنگ	مہاراج چرنجیت سنگھ	-		رول پرنٹرز دہلی / ہر دیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲-۹۷ - مذہب
سچا بلی دان	گوپال سنگھ	۱۸۸۵ء	۳۶	آنند پرکاش پریس، امرتسر (پنجاب)
سرباز زاہد: گوبند سنگھ	گیانی نہال سنگھ عفیف	-		سود لیتھو پریس دہلی
سری آدی گرنتھ	منشی برج لال	-	۱۴۴	گیانی پریس گوجرانوالہ (پنجاب)
سکھ مت کی تعلیم کا سلسلہ	کنور دلجیت سنگھ	-	۱۶۰	-
سکھ مت	میجر بلبیر سنگھ	۱۹۹۴ء	۷۸	۲۵ روپے خدابخش لائبریری پٹنہ
سکھ منی صاحب	خواجہ دل محمد	-	-	-
سکھوں کا روحانی انقلاب	لابھ سنگھ	۱۹۲۳ء	۶۴	کریمی پریس لاہور (پنجاب)
سکھوں کے دس گورو	جوالہ دت شرما	-	-	-
سندر گٹکا	سوڈھی تیجا سنگھ	-	-	-
سوانح عمری گورو گوبند سنگھ	دوار کا پرشاد اُفق	-		
سوانح عمری گورو گوبند سنگھ	دولت رائے آریہ	-	-	-
سوانحعمری شری گورو گوبند سنگھ	مکھن سنگھ	۱۹۰۱ء	۶۵	پنجاب پریس لاہور (پنجاب)
صاحبزادوں کا جیون بردان	ڈاکٹر گنڈا سنگھ	-	-	-
صاحبِ کمال	دولت رائے	-	-	-
صدق وصفا (جپ جی صاحب کا نثری ترجمہ)	ڈاکٹر خواجہ عبدالحئی	-	-	-
ظفرنامہ	نانک چند ناز (مرتب)	۱۹۵۲ء	۱۴۴	بھائی جواہر سنگھ کرپال سنگھ بک سیلرز بازار مائی سیواں امرتسر

عطر روحانی (جپ جی)	عطر سنگھ	۱۸۷۴ء	۴۰	گیانی پریس گوجرانوالہ (پنجاب)
کلامِ نانک (ترجمہ جپ جی صاحب)	ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل۔	-	-	
گرنتھ صاحب اردو رسم الخط،				
تراجم اور تشریح متعدد ایڈیشن	-	-	-	
گوروارجن مہاراج کی سوانح عمری۔	-	۱۹۰۳ء	۷۸	نول پریس لاہور (پنجاب)۔
گورو گوبند سنگھ کا جیون چرتر	دولت رائے	۱۹۰۱ء	۲۹۶	رفاہِ عام پریس لاہور (پنجاب)
گورو گوبند سنگھ جی کا دکن کا سفر	ڈاکٹر گنڈا سنگھ	-	-	-
گرونانک بانیاز	بھائی جودھ سنگھ مترجم مخمور جالندھری ۔			لبرٹی آرٹ پریس دہلی ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۴۹۷۔ مذہب
گورونانک درشن	پنڈت درس قمر	۱۹۲۴ء	۱۱۲	لکشمی آرٹ پریس راولپنڈی (پنجاب)
گورونانک (مضمون)	رائے بہادر کنہیالال۔	-	-	
گورونانک	گوپال سنگھ	-	-	-
گورونانک	مرتبہ گورونانک فاؤنڈیشن	-	-	
گورونانک	گوپال سنگھ	-	-	-
گورونانک	مرتبہ گورونانک فاؤنڈیشن			
گورونانک سوانح عمری	سنگھ	-	-	-
گورونانک سے گورو گرنتھ تک	ڈاکٹر مہیپ سنگھ	-	۱۵۰ روپے	پبلی کیشنز ڈویژن، نئی دہلی
وردِ خسری جپ جی صاحب	محلّہ اخواجہ دل محمد	-	-	لاہور (پاکستان)

سکھ ادباء و شعراء: مختصر اشاریہ

آزاد گورداسپوری، مہندر سنگھ — پ ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۳ء ظفروال ضلع گورداسپور شاعر، جوش ملسیانی کے تلامذہ،

آزاد، لاکھن سنگھ — پ: خورجہ ضلع بلند شہر
وفات: ۱۹۴۷ء

اختر۔ کلدیپ سنگھ — شاعر

اروڑہ سریندر سنگھ — شاعر

اسیم، منموہن سنگھ — شاعر

اشک، کرپال سنگھ — شاعر

امرابد آبادی، رنبیر سنگھ — پ۔ ۴ر جون ۱۹۱۰ء — صحافی، شاعر۔

انور جوگا سنگھ — شاعر

باہلوی، گور بخش سنگھ — پ: ۱۹۳۰ء باہلا ضلع ہوشیار پور — پنجابی میں متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

بلونت سنگھ۔ افسانہ نگار — پ: جون ۱۹۲۱ء گوجرانوالہ (پنجاب) جگا، لاروپود، سنہرا دیس، چلمن، اوَ، پہلا
م۔ ۲۷ر مئی ۱۹۸۶ ءالہ آباد (اُتر پردیش) پتھر (افسانے)

بہار، ہردت سنگھ — شاعر

بیدار، کرپال سنگھ — پ: ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۶ء کھنگرانوالہ شیخوپورہ (پاکستان) شاعر۔ پنجابی یونیورسٹی میں فارسی کے اُستاد رہے
م: ۱۸ر اگست ۱۹۷۷ء پٹیالہ (پنجاب) محکمہ السنہ پنجاب سے اعزاز پایا۔

بیدی راجندر سنگھ (افسانہ نگار) — پ: یکم ستمبر ۱۹۱۵ء لاہور (پاکستان) دانہ ودام، گرہن، اپنے دکھ مجھے دے دو،
م: ۱۱ر نومبر ۱۹۸۴ء ممبئی
بے جان چیزیں، سات کھیل ایک چادر
میلی سی (ناولٹ) ہاتھ ہمارے قلم ہوئے۔

بیدی، کالا سنگھ — پیدائش: ۱۹۰۸ء بھلو جلہ امرتسر (پنجاب) تین ہندوستانی زبانیں، شرح بانگ درا،

بیر، بوڑ سنگھ — پیدائش ۳ر مئی ۱۹۰۵ء تنگ بالا ضلع امرتسر پیامِ زندگی، پیامِ بیداری، پیام، حقیقت،
نور و سرور، نیا گیت آوازِ حقیقت، نعرہ حق،
چشمۂ زندگی

پورن دہلوی، پورن سنگھ — پ: ۱۸۴۴ء

نام	پیدائش / وفات	کیفیت
تخت سنگھ	-	گورنمنٹ کالج لائلپور میں معلم تھے۔
تیج، ہربنس سنگھ	پ: ۱۹۲۰ء، ہوشیار پور (پنجاب)	طالب شملوی سے اصلاح لی۔ دو شعری مجموعے۔
جانی کلونت سنگھ	-	شاعر
جگت سنگھ ماسٹر	پ ۲۹ر مئی ۱۸۸۵ء پنڈی گھیب ضلع اٹک (پاکستان) ۱۹۰۷ء میں رسالہ رہنمائے تعلیم کا اجراء م: ۲۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء دہلی	
جمال، کاہن سنگھ	پ ۱۵ر اپریل ۱۹۲۲ء، جُبل، ہماچل پردیش	شاعر
جنگ بہادر سنگھ	پ: ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۵ء لاہور وفات: ۸-۹ر جنوری ۱۹۹۱ء دہلی	۱۹۴۸ء-۱۹۹۱ء ایڈیٹر ہفت روزہ "شیرِ پنجاب" نئی دہلی
جنیجہ، پریتم سنگھ	-	-
جے ناتھ سنگھ	-	-
خمار سنگھ ست نام سنگھ	پ ۱۹۳۵ء چک سرجن سنگھ لائلپور (پاکستان) تلمیذ شمیم کرہانی	
دگل، درشن سنگھ (شاعر)	پ ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۱ء سید کسراں ضلع راولپنڈی (پاکستان) تلمیذ شمیم کرہانی۔ تلاشِ نور، منزل نور م: ۳۰ر مئی ۱۹۸۹ء نئی دہلی	
دگل کرتار سنگھ	پ: یکم مارچ ۱۹۱۷ء دھمیال، راولپنڈی وفات ۲۶ جنوری ۲۰۱۲ دہلی۔	کہانی نویس، ڈرامہ نگار، ناول نگار
دلیپ سنگھ	پ ۱۳ر جنوری ۱۹۳۲ء اما کا چٹھہ، گوجرانوالہ (پاکستان) م: ۸ر اگست ۱۹۹۶ء دہلی	مزاح نگار۔ گوشے میں قفس کے، سارے جہاں کا درد، دوسرا کیول (ناول)
دوست، ہربنس سنگھ	-	افسانہ نگار۔ کتاب ہم امن چاہتے ہیں
دیپک، گورچرن سنگھ	جیتو منڈی، ضلع بھٹنڈہ (پنجاب)	
دیوان سنگھ مفتون	۱۴ر اگست ۱۸۹۰ء حافظ آباد، ضلع گوجرانوالہ، پاکستان م: ۲۶ر جنوری ۱۹۷۵ء دہلی	ناقابلِ فراموش۔ جذباتِ مشرق (ایڈیٹر ہفت روزہ ریاست نئی دہلی)
دیوانہ، (ڈاکٹر) موہن سنگھ	پ: ۱۷ر مارچ ۱۸۹۹ء دھوی ضلع راولپنڈی (پاکستان) شاعر م: ۲۵ر مئی ۱۹۸۴ء ماڈل ٹاؤن، دہلی	
دیویندر ستیارتھی	پ۔ ۲۸ر مئی ۱۹۰۸ء، بھدوڑ، سنگرور ۱۳ر فروری ۲۰۰۳ء نئی دہلی	میں ہوں خانہ بدوش، گائے جا ہندوستان، نئے دیوتا (افسانے) وغیرہ

رتن سنگھ	۱۵ر نومبر ۱۹۲۷ء داؤد، تحصیل نارووال سیالکوٹ (پاکستان) پہلی آواز، پنجرے کا آدمی، مانک موتی، اکاٹھ کا گھوڑا (فسانے)	
رہبر، ہر بھجن سنگھ	ـ	ـ
سادھو سنگھ سادھو	پیدائش: بیرخورد لدھیانہ۔ پنجاب	محافظانِ ہند، پیامِ ربانی، ترجمہ ظفر نامہ وغیرہ
ساگر۔ ہر بھجن سنگھ	ولادت: ۱۷را پریل ۱۹۴۳ء بیرو (کشمیر)	افسانہ نگار
سحر، کنور مہندر سنگھ بیدی	۹ر مارچ ۱۹۰۹ء ساہیوال (پاکستان) ۱۷ر جولائی ۱۹۹۲ء دہلی	طلوعِ سحر، سونشتر، یادوں کا جشن
سر جیت سنگھ	ولادت ۹ر اکتوبر ۱۹۳۹ء راولپنڈی	بے شمار تخلیقات کے ہندی، پنجابی اور اُردو میں تراجم کئے۔
سردار، اودھم سنگھ	وطن امرتسر (پنجاب)	تلمیذ جلال
سرکاریہ۔ بیدی بخشیش سنگھ	ـ	شاعر
سنگھ امرتسری	پ: ۱۹۳۵ء امرتسر (پنجاب)	ایڈیٹر فنکار کانپور۔ افسانہ نگار
سوڈھی کلدیپ سنگھ	ـ	ـ
سوز۔ بھگوت سنگھ	ولادت ۱۹۲۹ء لائلپور (پاکستان)	شاگرد شائق امرتسری
سوہل، پریتم سنگھ	ـ	ـ
شاد، کنور ابھے راج سنگھ	ـ	شاعر
شاد، ناتواں، ایشر سنگھ سوڈھی	پ: ۱۵ر نومبر ۱۸۹۵ء، بلیا (اُتر پردیش) م: ۱۹۶۲ء فیروز پور چھاؤنی، (پنجاب)	طالب بنارسی کے شاگرد۔ شعری مجموعہ 'کلامِ ناتواں۔ تاراوتی، ایڈیٹر' انقلابِ زمانہ' فیروز پور چھاؤنی
شائق اودے سنگھ	پ: اپریل ۱۸۹۵ء، مچاکی، فرید کوٹ (پنجاب) (تلمیذ مراد علی مرادؔ)	
شریف، امانت سنگھ	ٹوبہ ٹیک سنگھ لائلپور (پاکستان)	تقسیم کے بعد کرتار پور ضلع جالندھر میں سکونت اختیار کی۔
شمشیر سنگھ نرولا	۱۵ر نومبر ۱۹۱۵ء امرتسر (پنجاب)	افسانہ نگار۔ افسانوی مجموعہ "جالے"
صابر، سنتو کھ سنگھ	پیدائش۔ موضع گجومتہ لاہور (پاکستان)	تلمیذ شائق امرتسری۔ تقسیم کے بعد سرائے والا ضلع بٹھنڈہ میں سکونت
صادق، دیوان سنگھ	پ یکم فروری ۱۹۲۱ء چک ۱۵۵، ضلع سرگودھا (پاکستان) (تلمیذ صوفی تبسم) خالصہ کالج امرتسر میں اُستاد	

طالب، گوربچن سنگھ	وفات:۹/اپریل ۱۹۸۶ء، امرتسر (پنجاب)	شاعر
طالب امرتسری، ہری سنگھ	وفات: ۱۹۶۶ء امرتسر بعمر ۵۴ سال	شاعر
عادل، امر سنگھ	-	شاعر
عازم۔ گوربندر سنگھ کوہلی	گوجر خان	شاعر
عفیف، گیانی نہال سنگھ	۱۰/نومبر ۱۸۹۷ء، بنوں (صوبہ سرحد، پاکستان)	شہیدانِ معصوم اور نغمۂ عرفان، فارسی میں متعدد کتابیں
غم، کپور سنگھ	-	آئی سی ایس افسر۔ پنجاب میں ڈپٹی کمشنر رہے
فارغ، گلونت سنگھ	-	-
فیض سرحدی، بلونت سنگھ	پ ۲/جنوری ۱۹۲۴ء، پہاڑپور (ڈیرہ اسماعیل خاں) (تلمیذ فضل لکھنوی) حمدِ نانک (نظم) عمر خیام کی رباعیوں کا ترجمہ فارسی سے۔ پنجاب میں اردو، بخند ان فارس اور ظفر نامہ کا پنجابی میں ترجمہ کیا۔	
قتیل، سکھد یو سنگھ	پ اکتوبر ۱۹۲۲ء موضع باڑہ جیند انوالہ، فیروز پور	تلمیذ۔ پنڈت گنگا دھر تسنیم
قلندر، بدھ سنگھ	دہلی	قدیم شاعران کا تذکر گلشنِ ہند اور طبقات الشعراء میں ذکر ملتا ہے
کامل، سنتوکھ سنگھ	پ ۱۹۰۳ء شب لوہڑی جہلم (پاکستان) م ۱۱/جون ۱۹۵۴ء لدھیانہ (پنجاب)	تلمیذ سیماب اکبر آبادی۔
کوشاں، گوربچن سنگھ	پ ۲۶/اپریل ۱۹۰۵ء سنگت پور سوڈھیاں، پٹیالہ	تلمیذ میلارام وفا۔ کئی اخبار پنجاب، نیا جنگ، اور تیج وغیرہ کے ایڈیٹ رہے پھولوں کا کنج، من بیتی، ان کی تصانیف
گل، کرنیل سنگھ	ولادت: ۴/اپریل ۱۹۳۴ء موگا پنجاب	افسانہ نگار پہلے نور تخلص سے شاعری کرتے رہے
گوپال سنگھ، ڈاکٹر	پ: ۲۹/نومبر ۱۹۱۷ء ایبٹ آباد (صوبہ سرحد) ۸/اگست ۱۹۹۰ء نئی دہلی (بعارضہ قلب)	
گوربچن سنگھ	پ۔ ۱۹۲۴ء جمشید پور (بہار) م۔ ۶/جون ۲۰۰۶ء جمشید پور	افسانہ نگار۔ بلو کے پاپا، بھوکا سورج (افسانے) بن پاکھی (ناول)
گوردیپ کور	وطن دھوری (پنجاب)	شاعر
گوہر گوربخش سنگھ		مجموعہ "تلاشِ حسن"۔ ایم اے بی ٹی کرنے کے بعد

		نابھہ میں اُستاد رہے۔
گیان سنگھ شاطر	-	مصنف ناول 'گیان سنگھ شاطر' ساہتیہ اکادمی ایوارڈ یافتہ۔
مان سنگھ مان	-	شاعر
محکم۔ محکم سنگھ سونی	۱۷/مارچ ۱۹۱۲ء گورداسپور (پنجاب) ۸/ستمبر ۱۹۱۳ء	شاعر
مخمور جالندھری، گوربخش سنگھ	۱۹۱۵ء جالندھر (پنجاب) وفات: یکم جنوری ۱۹۷۹ء دہلی	شاعر، مترجم۔ ناول نگار تلمیذ: سیماب اکبرآبادی۔ ناول: چمگادڑ، ریت کا محل بوڑھی چڑیل، طوفانِ بہار بدلہ وغیرہ۔
مسافر، گیانی گورمکھ سنگھ	۱۸۹۹ء، اڈھوال، ضلع اٹک (پاکستان)	متعدد کتابوں کے مصنف ومترجم۔
مصور، اودے سنگھ	-	شاعر
منصور امر سنگھ	وطن پنڈی گھیب ضلع کیمبلپور۔ ولادت سری نگر وفات: ۹/جولائی ۱۹۴۸ء دہلی	شاعر۔ اخبار شیر پنجاب کے مدیر (اجراء ۱۹۱۶ء)
مہجور، پرمان سنگھ	پ ۱۹۰۳ء میانوالی (پاکستان)	راولپنڈی اور لاہور میں انگریزی کے استاد رہے۔ دیش بندھو کالج سے سبکدوش ہوئے۔
ناروی، سجان سنگھ	-	شاعر
ناشاد، سرجیت سنگھ	۱۹/مئی ۱۹۳۸ء فتح گڑھ۔ لدھیانہ (پنجاب)	دیال سنگھ کالج میں استاد رہے۔
نرمل سنگھ نرمل	رائے پور، ہوشیارپور (پنجاب)	شاعر۔ بے برگ شاخ (مجموعہ) آرزوئے زیست۔ دہلی میں سکونت پذیر ہے
نیاز، سرجیت سنگھ		
ہزارا سنگھ	-	-
ہمدرد۔ سادھو سنگھ	۱۹۱۸ء جالندھر (پنجاب)	صحافی، شاعر تلمیذ: جوش ملسیانی۔ ایڈیٹر روزنامہ اجیت
ہنر، پورن سنگھ	امرتسر	آہنگِ غزل۔ شعری مجموعہ

☆☆☆

عیسائیت اور اس کا فلسفہ

عیسائیت دراصل ایک مذہبی عقیدہ اور زندگی کا ایک طریق عمل ہے، نہ کہ کوئی نظام فلسفہ، نہ کسی خاص نظام سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ اس کی تاریخ میں مختلف نظامات فلسفہ جیسے افلاطون، ارسطالالیس اور کانٹ کا فلسفہ یا وجودیت وغیرہ کو کام میں لایا گیا ہے تا کہ اس کی تعبیر کی جائے۔ لیکن ان نظامات میں کسی ایک کے ساتھ بھی اس کا رشتہ نہیں جوڑا جا سکتا۔ جب عیسائیت کا آغاز ہوا تو اس نئے دین کے حامیوں کو ''اس راستہ'' کے لوگ یعنی اس مسلک کے پیرو کہا گیا تھا۔ اس لیے کہ ان کے متعلق یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ پہلے مسلک کی بجائے زندگی کا یہ نیا اور صریحاً مختلف طریقہ عمل اختیار کر چکے ہیں۔ زندگی کے اس طریقہ عمل کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس نئے دین کے بانی عیسی مسیح کا دکھایا ہوا راستہ ہے۔

عیسائیت کے مطابق مسیح سے متعلق جو بھی باور کیا جائے اس کے لیے انجیل سند ہے۔ انجیل کے دو اہم حصے ہیں۔ ایک تو وہ حصہ جس کو عہد نامہ عتیق کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا انجیل کا وہ حصہ جس کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ عہد نامہ عتیق وہی ہے جو یہودیوں کی کتاب مقدس تھی۔ مسیح خود ایک یہودی تھے۔ عہد نامہ عتیق کے انبیا نے خوش خبری دی تھی کہ ایک دن یہودیوں کو نجات دلانے والا پیدا ہوگا۔ وہ مثالی بادشاہ جو لوگوں کو تمام مظالم اور ناانصافیوں سے نجات دلا کر صداقت اور امن قائم کرے گا۔ حضرت عیسی کے پیروؤں نے اُن کو اپنا مسیحا تسلیم کر لیا۔ اور ان کو حضرت عیسی مسیح اور آسمانی بادشاہ کہا۔ لیکن مسیح کے زمانہ کے اسرائیلی قائدین نے یہ محسوس کیا کہ ان کی تعلیم اور دردمندوں کی تکالیف میں ان کے ساتھ اپنائیت اور یگانگی کا برتاؤ اور غریب و بیکس انسانوں اور مظلوموں سے ان کی دلی ہمدردی یہ سب قومی روایات کے متضاد ہے، اس لیے انھوں نے مسیح کو سیاسی حکام یعنی رومن افسروں کے حوالہ کر دیا تا کہ ان کو صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ لیکن جو لوگ مسیح پر ایمان رکھتے تھے اور انھیں آسمانی بادشاہ تسلیم کرتے تھے انھوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسی کے صلیب پر چڑھ جانے اور ان کی تدفین کے بعد تیسرے روز ہی وہ دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھے اور اُن

لوگوں کو اپنے دیدار کا شرف بخشا۔ ان کو جو تجربہ ہوا اس کو انھوں نے اس طرح بیان کیا کہ ایک روح پاک ان میں سرایت کر گئی جس کی بدولت وہ اس قابل ہو گئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق واختلاط سے رہیں اور متحدہ جماعت بن کر بھائی چارگی کی زندگی بسر کریں جو اس نئی زندگی کے مطابق ہو جس کی بصیرت مسیح سے حاصل ہوئی ہے۔ عیسائی مذہب کے ابتدائی پیروؤں کے عقائد، مسیح پر ان کا ایمان اور روح مقدس کا ان کا تجربہ، نیز اس نئے گروہ کا ایک دینی جماعت کی حیثیت سے فروغ ان تمام حالات کا ذکر عہد نامہ جدید میں کیا گیا ہے۔

عیسائی مذہب کے مطابق خدا یعنی منتہائے حقیقت، کا عرفان ذات مسیح کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔ انجیل کے قدیم اور جدید عہد نامہ کی تعبیر کے لیے اس عقیدے کی حیثیت کلیدی ہے۔ انجیل کا یہ دعوی ہے کہ خدا ایک ہے اور یہی وہ خدائے واحد ہے جس نے اپنے آپ کو مسیح کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے اس لیے انجیل کے مطابق عیسائیت بنیادی طور پر توحید پر عقیدہ رکھنے والا مذہب ہے۔

اگر چہ دین مسیح کو کسی نظام فلسفہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ مسلمہ عیسائی معتقدات کے فلسفیانہ مفہوم پر غور کر لیا جائے۔ اس لیے جب ہم عیسائی فلسفہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ دوسرے نظامات فلسفہ سے ممتاز کوئی نظام فلسفہ نہیں ہوتا، بلکہ خدا، انسان اور کائنات کے ادراک کے لیے عیسائی عقیدہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔

وحی یا کشف :

وحی یا کشف کے ذریعہ انسان خدا کو جاننے کے قابل ہوتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں انجیل (Gospel) کا یہ کہنا ہے کہ کسی انسان نے کبھی خدا کو نہیں دیکھا لیکن صرف خدا کے بیٹے نے دیکھا جس کو آسمانی باپ سے دلی قرب حاصل ہے اور اس کے توسط سے دوسروں نے خدا کو پہچانا ہے۔ (جان ۱۔۱۸) دوسرے فقرہ میں بھی اس کی توثیق ہوتی ہے کہ مختلف طریقوں سے مختلف زمانوں میں خدا نے انسان کو اپنا عرفان عطا کیا ہے لیکن بالآخر اس نے اپنے آپ کو اپنے بیٹے کے ذریعہ متعارف کروایا ہے (اسرائیلی ۱۔۱)۔ ان فقروں میں باپ اور بیٹے کی اصطلاح سے مراد کوئی حیاتی رشتہ داری نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسیح کو خدا کا مظہر تسلیم کیا گیا ہے اور اس کا اظہار ''خدا

کے بیٹے'' کے اشارتی خطاب سے ہوتا ہے۔

وحی یا کشف کے ذریعہ خدا کے عرفان کی توثیق کے یہ معنی نہیں کہ کشف یا وحی کے علاوہ انسان کو خدا کا عرفان مطلق ہوتا ہی نہیں۔ انسان میں تو ایمان کے علاوہ استدلال کی استعداد بھی موجود ہے۔ استدلال کے ذریعہ انسان تاریخ کی نوعیت اور واقعات پر غور کر سکتا ہے۔ اور اس طرح خدا کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا علم بے یقینی اور شک سے گھرا رہتا ہے۔ صرف اس ایمان کے ذریعہ ہی انسان بالکل یقین کے ساتھ خدا کے علم کی تصدیق کر سکتا ہے۔

علم بذریعہ ایمان اور علم بذریعہ استدلال میں ایک اور اہم فرق ہے۔ یعنی موضوع اور معروض کی نسبت کا فرق اور موضوع و موضوع کی نسبت کا فرق۔ سی۔ سی۔ جے۔ وب نے اپنی کتاب ''خدا اور انسان کی نسبت کے مسائل'' میں لکھا ہے کہ ''عقل و استدلال کی بلند ترین کامیابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ ذہن کو مکمل طور پر اپنے معروض کا علم ہوتا ہے اور معروض کا جو تصور اس طرح اُبھرتا ہے اس میں ہمارے اپنے رجحان کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اور جس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو معروض سے متعلق نہ ہو۔ موضوع اور معروض کی نسبت کے متعلق یہ ایک بہت اچھی تشریح ہے۔ لیکن ایمان کے ذریعہ کشف والہام کے حصول اور توثیق سے ہمیں موضوع اور موضوع کی نسبت واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ خدا تو ازلی موضوع ہے اور وہ کبھی انسانی تلاش کا معروض نہیں ہے''

جیسا کہ برناڈالی میک لینڈ نے اپنی کتاب ''ایمان کی حقیقت'' میں بتلایا ہے کہ عقل و استدلال کے نتائج قضیاتی علم کا موضوع ہیں۔ جن کا محاسبہ اور دوبارہ تخلیق کشف یا الہام کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کشف والہام کا معاملہ خدا کی حقیقت کی گہرائیوں سے ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو انسان کے استدلال اور تجربے نے محض اپنی جدوجہد سے کبھی نہ معلوم کیا اور نہ معلوم کر سکتا ہے۔

عیسائی مذہب میں بائبل کو واقعات کی ایسی دستاویز سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعہ خدا نے انسان کی بہبودی کے لیے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا۔ جس سے اس کے رحم و کرم، صداقت اور محبت کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ ان واقعات کا نقطۂ عروج حضرت عیسیٰ کی زندگی، موت اور قبر سے اُٹھنے کے جشن کے واقعہ سے روشن ہوتا ہے۔ اس انکشاف سے یہ بنیادی حقیقت ثابت ہوتی ہے

کہ خدا محبت ہے۔

خدا۔خالق۔کائنات:

انجیل کا آغاز اس تصدیق سے ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے جنت اور زمین کو پیدا کیا (توریت کا پہلا باب)۔عہد نامہ عتیق کے پیغمبروں کی تعلیمات میں تو اس بات کو اور بھی واضح طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔عیسائی مذہب کی یہ ایک اساسی تصدیق ہے کہ خدا تمام اشیاء کا خالق ہے خواہ وہ دکھائی دینے والی ہوں یا نہ دکھائی دینے والی ہوں۔یہ بیان کہ خدا تمام اشیاء کا خالق ہے، خدا اور مخلوق اشیاء دونوں سے متعلق ہے۔خواہ وہ مخلوقات انسانی ہوں یا غیر انسانی، ذی روح ہوں یا غیر ذی روح۔مادی ہوں یا غیر مادی۔

تخلیق:

تخلیق کے معنی ہیں نیستی سے اشیاء کو وجود میں لانا۔پال عہد نامہ جدید کے ایک ممتاز حواری ہیں۔انھوں نے بڑی وضاحت سے خدا کو خالق تسلیم کرنے کا عقیدہ پیش کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ خدا ان اشیاء کو وجود میں لاتا ہے جن کا کوئی وجود نہیں (رومن۔۴۔۱۷) صرف خدا ہی ایک موجود بالذات ہستی ہے وہی اکیلا ازلی وجود ہے جس کا نہ کہیں آغاز ہے نہ انجام اور کوئی شے بھی اس کے ساتھ ازلی نہیں ہے۔

اس امر کو واضح کردینا چاہیے کہ انسانی زبان، اشارتی زبان ہے اور وہ زبان جو خدا کی ذات وصفات کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے وہ تو خاص طور پر ایسی ہی ہے۔نیستی سے تخلیق کے تصور کے لفظی معنی نہیں لینا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے گویا خدا نے زمانہ گزشتہ کے ایک خاص لمحہ میں ہر ایک چیز کو وجود بخشا۔جب کہ یہ تو ایمان کی تعمیر کا ایک اشارتی طریقہ ہے۔اس سے خدا اور کائنات کے درمیان رشتے کی تصدیق ہوتی ہے۔اس سے خدائے تعالیٰ جو موجود بالذات ہے اور دیگر اشیاء کی نسبت معلوم ہوتی ہے۔تخلیق کا تصور تعلق کے اور دو نشانات کی شکلوں کو خارج کردیتا ہے جو بعض نظامات تعبیر میں استعمال کیے جاتے ہیں۔یعنی تکوین اور صدور۔تکوین سے ثنویت معلوم ہوتی ہے۔یعنی کائنات کو وجود میں لانے کے لیے خدا کے ساتھ ایک ابتدائی جوہر بھی موجود تھا۔

صدور:

اس سے مراد ہے کہ کائنات کا وجود خدا کے وجود کا مظہر ہے۔ یہ ایک طرح سے وحدت وجود یا ہمہ اوست کا عقیدہ ہے۔ ان نقاط نظر کے برخلاف تخلیق کا نظریہ خدا اور کائنات کے فرق اور خدا پر کائنات کے انحصار ہر دو کو واضح کرتا ہے۔ خدا کے ارادے کے سوائے کائنات کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کائنات کا وجود اور بقا صرف خدا کے آزاد عمل سے ہے۔

تخلیق کو خدا کا آزاد عمل کہنے سے یہ تصور خارج از بحث ہو جاتا ہے کہ خدا نے کائنات کی تخلیق کسی مجبوری سے کی ہے یا تکمیل ذات کے لیے۔ خدا کو کائنات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کسی طرح کائنات کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو کائنات ہے، جس کو خدا کی ضرورت ہے اور خدا کی محتاجی لاحق ہے۔ مشیت ایزدی کی طرف سے ماسوا کی تخلیق کے مسئلہ کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ یہ خدا کی ہمہ گیر صفت حسنی تھیں۔ ''محبت'' کا اظہار یا دوسرے الفاظ میں نیستی سے کائنات کی تخلیق دراصل خدا کی محبت کا بنیادی عمل ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق یہ کشف والہام کی اساسی صداقت ہے۔ قدرت مطلقہ علم کل اور ہمہ جائی کے تصورات صرف اس حد تک موزوں ہیں، جس حد تک وہ اس اساسی تصدیق سے منسوب ہوتے ہیں کہ خدا محبت ہے اور محض اپنی محبت کے اظہار کے طور پر اس نے کائنات کی تخلیق کی ہے۔ عیسائی مذہب کی یہ بھی ایک اہم خصوصیت ہے کہ جس کائنات کی تخلیق خدا نے کی ہے وہ اچھی ہے۔ بائبل کی پہلی کتابوں میں سے توریت میں تخلیق کائنات کی مختلف منزلوں کے متعلق بار بار کہا جاتا ہے کہ ''خدا نے دیکھا کہ وہ اچھی ہے''

(توریت ا۔۴۔۱۰۔۱۲۔۱۸۔۲۱۔۲۵۔۳۱) یہ صحیح ہے کہ کائنات اپنی زمان ومکان کی محدودیت کے ساتھ غیر مطلق ہے اور تبدیل پذیر ہے لیکن کائنات کی ان مادی اور عارضی خصوصیات سے اس کی بنیادی اچھائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

قدرت الٰہی یا فضل الٰہی:

اس ایقان کے ساتھ کہ کائنات خدا کی تخلیق ہے۔ ایک اور قریبی تعلق رکھنے والا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اپنے کاروبار کو جاری رکھتا ہے حقیقت میں فضل الٰہی یا قدرت الٰہی

(Providence) کوتخلیق کے اصول سے مختلف نہ خیال کرنا چاہیے۔ جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ اس امر کی تصدیق سے کہ خدا خالق ہے یہ عقیدہ حقیقی معنی میں اخذ ہوتا ہے کہ مخلوق اشیاء کا مسلسل انحصار خدا پر ہے اور فضل الٰہی یا قدرت الٰہی سے دراصل یہی مراد لی جاتی ہے جیسا کہ ایک عالم دین نے بیان کیا ہے کہ فضل اور اس کی قدرت کی تصدیق اس کی مسلسل تخلیق اور پروردگاری کی تصدیق ہے (جان مک کواری کی کتاب "اصول دینیات عیسائیت" ایس۔ سی۔ ایم۔ پریس ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۱۹)

لیکن فضل الٰہی یا قدرت الٰہی کے مفہوم میں دو اہم نکات ہیں۔ پہلے تو وہ معتقدین فطرت کے تصور سے انکار کرتا ہے کہ کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد اس کو قوانین فطرت پر کام کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ کائنات کے ساتھ فضل خدا کا شمول عالم کے بامقصد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کائنات میں واقعات کے غیر یقینی ہونے کے باوجود ایک صاحب ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ بائبل میں فضل الٰہی کی وضاحت کے لیے حضرت یوسف کے قصہ کی ایک مثال ہے اگرچہ ان کے بھائیوں نے ان کو غلام کے طور پر فروخت کر کے برائی کرنا چاہی لیکن انسانی محرکات پر کامل حکومت کرنے والی الوہیت نے سلسلہ واقعات کو بالکل ہی بدل دیا اور حضرت یوسف کو ایسی حالت میں پہنچا دیا، جس نے ان کو اس قابل بنا دیا کہ اپنے لوگوں کی خدمت کر سکیں (توریت کا پہلا باب ۴۵)۔

بہر حال اس تصور کو تقدیر یا عقیدہ جبر کے تصور سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ عیسائی عقیدے کے لحاظ سے فضل الٰہی یا قدرت الٰہی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ واقعہ ہوتا ہے وہ پہلے سے ہی حکمت الٰہی یا قدرت خداوندی سے متعین کر دیا گیا ہے۔ تقدیر یا جبریت تو انسان کی آزادی اور ذمہ داری کو بے معنی کر دے گی۔ لیکن دنیا میں انسان کی آزادی اور ذمہ داری کی حقیقت تو تخلیق کائنات میں خدا کی محبت کا اہم عنصر ہے۔ انسان کی آزادی اور ذمہ داری ہی کے درمیان فضل الٰہی یا قدرت الٰہی کارفرما ہے جس سے اس کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

شر:

خدا کی تخلیق کے عمل خیر اور فضلِ الٰہی کی تصدیق کے باوجود انجیل اور عیسائی عقائد میں شر کی حقیقت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہم جو کچھ اس دنیا میں دیکھتے ہیں وہ سب کچھ نیکی اور ہم آہنگی کا بہترین

نمونہ نہیں ہے بلکہ اس کی بجائے ہمیں مختلف قسم کی برائیوں اور خرابیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ہمیں بے جا اذیت اور ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شر کا وجود ایک طرح سے خدائی فضل کے عقیدے کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اگر شر کلیتاً انسان کی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہوتا تو مسئلہ شر بالکل آسان ہو جاتا۔ لیکن درحقیقت دنیا میں مسلم شر پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس میں وہ سب حوادث شامل ہیں جنھیں ہم آسمانی یا قدرتی بلائیں کہتے ہیں۔ مثلاً زلزلہ، طوفانی ہوا، خشک سالی اور قحط اس کے علاوہ وہ اخلاقی برائیاں ہیں جو ہمارے ارادی اعمال کا نتیجہ ہیں مثلاً استحصال، نفع خوری، ظلم وستم اور لڑائی جھگڑے وغیرہ نیز وہ برائیاں جو خود انسان کی محدود قابلیت اور ناقص علم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ شر اس لیے ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے شر کی مختلف شکلوں کا ایسا پیچیدہ معاملہ خدا کے فضل اور اس کی محبت کی نفی کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔

انجیل اور عیسائی عقیدہ اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ شر ایک تازیانہ ہے جس سے خدا بُروں کو سزا دیتا ہے یا یہ کہ صرف بُرے لوگ ہی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس بائبل میں تو اعلانیہ اس کا اعتراف ہے کہ اکثر بدکردار لوگ خوش رہتے ہیں اور نیک تکلیف اٹھاتے ہیں۔ عہد نامہ عتیق میں ایوب کے باب میں نیک لوگوں کی تکالیف کا صریح ذکر ہے۔ اور عہد نامہ جدید میں مسیح واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ لوگ اس لیے تکلیف نہیں اُٹھاتے کہ وہ بد ہیں (لیوک ۱۳-۴-۵)

ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب آسان نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا کردار جو بطور علامت کے پیش کیا گیا۔ خدا اور خدا کے مقاصد کا ذاتی دشمن ہے۔ اس کے ذریعہ خدا کی فضیلت اور خیر محض کی منظم مخالفت کا تصور ابھرتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ خیال کہ کوئی ہستی خدا کے اقتدار سے آزاد رہ سکتی ہے عیسائی عقیدہ کے خلاف ہے۔ شیطان تو خالق کے خلاف صرف مخلوق کی نام نہاد منظم آزادی کی ایک علامت ہے۔ بہر حال یہ بات پیش نظر رکھنا چاہیے کہ شر کی تمام صورتوں میں جو چیز شر کو حقیقتاً تکلیف دہ بنا دیتی ہے وہ مصیبت زدوں سے ہمدردی اور محبت کے بجائے ان کی مصیبت کی تاویلات میں الجھنے کا رجحان ہے۔ مسیح کو جب ایسے شر کی صورت کا سامنا کرنا پڑا، جس کا جواز نہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس کا صحیح ردعمل یہ نہیں ہے کہ اس بات کا جواب طلب کیا جائے کہ وہ اندھا کیوں پیدا ہوا بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کی دست گیری کر کے خدا کی مصلحت کو ظاہر کیا جائے تاکہ وہ محض اپنے اندھے پن سے نجات پائے (جان ۔۹۳)۔ اس لیے شر کے لیے عیسائی ردعمل تن بہ تقدیر کا معاملہ نہیں بلکہ جدوجہد کے ذریعہ یہ ثابت کرنا ہے کہ شر

خدا کی محبت اور اس کے فضل کے خلاف ہے۔

انسان:

دنیا کو سمجھنے کے لیے انسان کو سمجھنا ضروری ہے۔ تمام کائنات میں انسان کے منفرد مقام کا اظہار بائبل میں اس قول سے کیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو خود اپنی صورت پر بنایا ہے (توریت۔۱۔۲۶۔۲۷)۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا انسان کی مانند ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ انسان کی فطرت کا راز، اسرار خداوندی سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے۔ خدا کی طرف سے الہام کے بغیر انسان کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

اس امر کو تسلیم کرنے سے کہ انسان کے اندر خدا کا جلوہ ہے انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اگرچہ انسان کا تعلق حیوانی دنیا سے ہے لیکن بنیادی طور پر اس کی فطرت میں رومانیت ہے جس کی وجہ سے قرب الٰہی کا طالب رہتا ہے۔ تمام مخلوقات میں صرف انسان کے متعلق کہا گیا ہے کہ خدا اس کے ساتھ ہے دوسرے یہ کہ انسان خود مخلوق ہوتا ہوا بھی خدا کے تخلیقی عمل میں حصہ رکھتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اختیار کے استعمال میں بھی یہ حصہ دار ہے۔ چوتھے یہ کہ انسان شناسی خدا شناسی سے قریبی تعلق رکھتی ہے۔ شخصیت کو جاننے کا عمل کوئی علاحدہ انفرادی تجربہ نہیں ہے۔ وہ اس تجربہ کا ایک حصہ ہے جو مرد و زن کے باہمی تخصی تعلقات اور انسانی سماج کی اجتماعی زندگی میں بھرپور حصہ لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے ساتھی انسان اور خدا کے ساتھ رشتہ جوڑ کر تخصی سے فوق تخصی درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ حقیقت میں انسان اسی وقت انسان ہے جب وہ دوسروں کے ساتھ اتحاد و اتفاق سے رہتا ہے اس کے تعلقات کی بندش تو محبت کی بندش ہے۔ پانچویں یہ کہ الوہی شباہت (Image Of God) انسانی فطرت کے کسی ایک جز سے متعلق نہیں ہے بلکہ انسان کے کل وجود سے ہے۔ انسانی تجربے کے بہت سے درجے ہیں۔ جس کا بیان ایسے الفاظ جیسے۔ جسم، گوشت، روح، ذہن اور جوہر مجرد سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ کوئی جداگانہ ترکیبی اجزاء نہیں ہیں۔ جن میں انسان کی تقسیم کی جا سکتی یا وہ علاحدہ کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ تو ایک واحد ذات کو وجود میں لاتے ہیں۔

گناہ:

انسان کو الوہی شباہت کی تعبیر کے باوجود انسان کے گناہ گار ہونے کو تسلیم کیا جاتا ہے۔شر کے مسئلہ سے قریبی تعلق رکھنے والا مسئلہ انسان کی گمراہی ہے جو انسان کو نیکی کی بجائے بدی کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ بدی کی طرف انسان کی اس عالم گیر رغبت میں گناہ کا راز پنہاں ہے یہ ایک مذہبی تصور ہے جس کو عقیدہ کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے نہ کہ فلسفیانہ استدلال کے ذریعہ۔

گناہ تو انسان کی اس حالت کا نام ہے۔جس کو خدا، دوسرے انسان اور دنیا کے تعلق سے بیان کیا جاتا ہے۔اس سے تمام تعلقات کا حلیہ بگڑ جاتا ہے اور انسان خدا سے دوسرے انسانوں اور دوسری مخلوق سے منحرف ہو جاتا ہے۔آدم اور حوا کی نافرمانی کا قصہ دراصل انسان کی گری ہوئی حالت کا بیان ہے۔انسان کو تسخیر فطرت کا اختیار دیا گیا ہے پھر بھی وہ خالق کبریا کا بندہ ہے اور اس کو ایک مخلوق کہا جاتا ہے۔اس کو شجر ممنوعہ کے ثمر کو (جس سے مراد خیر وشر کا علم ہے) چکھنے سے منع کیا گیا ہے۔یہ تو بیان کرنے کا ایک اشارتی طریقہ ہے کہ خدا کو ہی خیر وشر کے متعین کرنے کا حق ہے۔آدم اور حوا کا قصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان کی یہ زوال پذیر حالت اس کی بشری کمزوری اس کی اور خالق کے پاس جواب دہی سے انحراف کی تحریص کا قدرتی نتیجہ ہے۔تحریص دینے والا آدم اور حوا کو ترغیب دلاتا ہے کہ ممنوعہ پھل کو چکھنے یعنی خیر وشر کو متعین کرنے کے حق کو اپنے ہاتھ میں لینے سے وہ بھی خدا کی طرح ہو جائیں گے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تحریص اس لیے دی گئی تھی کہ انسان خدا کی فرماں برداری سے آزاد ہونے کا اعلان کر دے۔قصہ کے مطابق خدا نے تو اس قدر کہا تھا کہ اگر وہ ممنوعہ پھل کو چکھیں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، یعنی وہ اپنی انسانیت کو کھو بیٹھیں گے۔ انسان اسی وقت تک انسان رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ اپنی آزادی کو خدا حکومت کے آگے اطاعت گزاری سے استعمال کرے، خدا کے اقتدار اعلیٰ کا خیال کیے بغیر خیر وشر کو محض اپنی مرضی سے متعین کرنے کی وجہ سے انسان نے خدا کی بخشی ہوئی انسانیت کو کھو دیا اور اپنے آپ کو مختلف قسم کی گمراہیوں میں مبتلا کر لیا۔

آدم حوا سے خدا کی خفگی اور کشیدگی کے قصہ کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جب کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا اور کہنے لگا کہ کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟ خدا کی بندگی اور خدا کے

خیر وشر کے تعین کرنے کے حق سے منکر ہونے کا فوری نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی انسانوں کے لیے اجنبی بن گیا۔ اسی کے بعد انسانی تعلقات کی داستان کا آغاز ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر ظلم وستم استحصال اور غلامی کا بوجھ اس کے سر پر آجاتا ہے اور ویسا ہی انسانیت سے گرا ہوا نظر آتا ہے۔

انجیل میں بیان کیا ہوا زوال کا یہ قصہ انسان کی گمراہی کا ایک شاعرانہ یا اشارتی بیان ہے جس کو گناہ کہا جاتا ہے۔ اس کو گناہ کی اصلیت کی وضاحت نہیں کہا جاسکتا۔ جب انجیل اور عیسائی عقیدے میں گناہ کا ذکر ہوتا ہے تو لازمی طور پر اشارہ اس حالت یا اجنبیت کی طرف ہوتا ہے جس میں انسان اپنے آپ کو پاتا ہے نہ کہ اخلاقی اور روحانی قوانین کی کسی مختص خلاف ورزی کا۔ انسان اور فطرت کے خلاف مخصوص اعمال یا گناہ تو گناہ کے اندرونی رجحان یا پاگل پن کی صرف علامتیں ہیں، اساسی گناہ تو خدا کی محبت یا ہمسایہ کی محبت کی بجائے محبت ذات کے انفرادی یا اجتماعی اظہار سے متعلق ہے۔

نجات:

اکثر مذاہب کے مانند عیسائی مذہب کے پیرو گناہ سے نجات چاہتے ہیں۔ نجات انسانی جدوجہد سے نہیں بلکہ خدا کے فیض سے حاصل ہوتی ہے۔ خدا کا فیض اصل میں خدا کی محبت کی بے نیازی ہے۔ خدا جس نے بے نیازی اور محبت کے اظہار کے طور پر تخلیقِ کائنات کی ہے۔ وہی اپنی محبت کی بے نیازی کے ذریعہ دنیا کو نجات دیتا ہے۔ اس کی محبت کچھ ایسی ہے کہ دنیا کی بعض تخلیق اور نجات کے طریقۂ عمل میں بھی خدا اسی طرح کام کرتا ہے کہ اپنے اختیار کے ساتھ انسان کو بھی کچھ اختیار حاصل رہے۔ نجات دینے کے کام میں خدا کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو حالت گناہ سے آزاد کرے اور خدا کی محبت اور انسان دوستی کو اصلی حالت پر لے آئے۔

عیسائی عقیدہ تاریخ کے واقعات میں خدا کی کارفرمائی کی شناخت کرتا ہے۔ انسان کی نجات کا ایک سب سے بڑا معرکہ کا واقعہ عہد نامہ عتیق کے مطابق مصر میں اسرائیلی قوم کی ذلت ظلم وستم اور استحصال سے آزادی حاصل کرنے اور ایک آزاد قوم کے مانند دوبارہ بحال ہونے کا ہے۔ کتاب خروج اور انجیل کی دوسری مقدس کتابوں میں جس قصہ کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اس سے خدا اور بندوں کا تعلق معاشی، سماجی، اور سیاسی امور میں عدل گستری سے کامل طور پر واضح ہوتا ہے۔ اس قصہ میں یہ معلوم کرایا جاتا ہے کہ خدا نے لوگوں سے ایک معاہدہ کیا جس سے ان میں ایک نئی

زندگی کی شان پیدا ہوئی اس زندگی کا آغاز ''دس احکام'' (Ten Commandment) سے ہوتا ہے۔خدا متبرک ہے اس لیے لوگوں کو بھی متبرک ہونا چاہیے۔انجیل میں خدائے مقدس کی تعبیر نیکی ،انصاف اور صداقت سے کی جاتی ہے۔انجیل میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ اسرائیلیوں کے عہد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کو ایک خاص قوم اور خدا کے برگزیدہ بندے تسلیم کرلیا جائے بلکہ اس کے برعکس بعض پیغمبروں نے واضح طور پر تعلیم دی ہے کہ خدا کا منشاء یہ ہے کہ تمام قوموں کو ناانصافی اور انسانیت سوز مظالم سے نجات دلائی جائے۔چنانچہ حواری اموس نے یہ تعلیم دی تھی کہ خدا جس طرح بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال لایا تھا اسی طرح وہ فلسطینیوں کو کفتر سے اور سیریئوں کو کیر سے باہر نکال لایا تھا (اموس۔۹۰۔۷)۔جونہ کی کتاب کا مضمون یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ خدا کی محبت عالمگیر ہے۔

عیسائی عقیدہ کے مطابق سب سے زیادہ فیصلہ کن اہم واقعہ تو عیسیٰ مسیح کا ہے۔مسیحی عقیدے کے مطابق عیسیٰ مسیح میں خدا اور انسان دونوں کی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔پیغمبروں نے ان کو دوسرا آدم یا نیا آدم کہا ہے۔پہلا آدم تو خدا کی حکم عدولی خودی کے دعوے اور خدائی حکومت کے انکار کا نشانہ بنا۔لیکن دوسرے آدم مسیح نے خدا کے حکم کی کامل تعمیل کر کے خود کو تابعدار بنایا۔مسیح نے اپنی پروا کیے بغیر دوسروں کی بھلائی کی خاطر کامل طور پر اپنے آپ کو سپرد کردیا۔یہاں تک کہ اپنا سر چھپانے کے لیے بھی ان کے پاس چپہ بھر جگہ نہیں تھی۔اس لیے ان کے متعلق صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ''وہ تمام تر دوسروں کے لیے وقف تھے۔'' انسان کی تخلیق کی عظمت کے بیان کے ساتھ مسیح نے انسان کی گمراہی کا پردہ بھی چاک کیا ہے۔مسیح نے انسانی زندگی کی اسی سطح کا تجربہ کیا جہاں کہ وہ خود انسان کی بدکاری کا شکار ہوگیا۔ناند میں ان کی پیدائش اور صلیب پر ان کی موت یہ دونوں ہمارے سماج کی بے انصافی کی مثالیں ہیں۔انسان کی اس منظم زوال پذیری کے نتائج کا تجزیہ کرنے کے لیے مسیح نے خدا کی کامل اطاعت کی اور ساتھ ہی انسانوں سے بے غرض محبت کی۔ عیسائی عقیدہ یہ اعتراف کرتا ہے کہ اس واقعہ سے خدا انسان کے بہت ہی قریب آ گیا ہے اور اس کی نجات کا راستہ کھل گیا ہے۔گناہ کے امکانات کی تلاش کی بجائے پرانے گناہ کے نتائج خود بھگت کر مسیح نے خدا کی عفو و بخشش کی صفت کو ظاہر کردیا۔خدا کی معاف کرنے والی محبت کا حصہ دار بن کر مسیح نے ہمیں نجات حاصل کرنے کی اہلیت بخشی۔نجات یافتہ شخص وہ ہے جو محبت کا اہل ہے۔ انسانی محبت نہیں بلکہ خدا کی محبت کا اہل۔یہی مطلب تھا مسیح کے ایک حواری جان کا جب کہ اس

نے یہ لکھا تھا کہ ''ہم محبت کرتے ہیں اس لیے کہ اس نے سب سے پہلے ہم سے محبت کی'' (جان ۴۔۱۹)۔

عیسائی نجات کا تجربہ ایک ایسے سلسلۂ واقعات سے نسبت رکھتا ہے جس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قبر سے اُٹھنے کا جشن کہا جاتا ہے اور اسی کو روح مقدس کی آمد بھی کہا جاتا ہے۔ انسان کو اپنی نجات کا مسئلہ حل کرنے کے لیے صرف اس کی اپنی جدوجہد پر چھوڑ نہیں دیا جاتا۔ اس کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ دوسرے آدم یا نئے آدم کی زندگی میں شامل ہو جس کی ابتدا خود عیسیٰ روح مقدس کی قوت کے ذریعے کرتے ہیں۔ روح مقدس کا تجزیہ جس طور پر ابتدائی عہد کے عیسائیوں کی اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی سے پیدا ہونے والے حالات کا سد باب ہوا۔ سب سے پہلے تو اس کے اثر سے زبانوں کا فرق مٹنے لگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ روح مقدس کے زیر اثر مختلف زبان بولنے والے حضرت عیسیٰ کا پیام سن کر ایک دوسرے کے ساتھ اپنائیت محسوس کرتے تھے۔ اس طرح خدا کی راہ میں لسانی اختلافات کے ماورا انھیں بنی آدم کے ایک خاندان ہونے کا احساس ہوتا تھا۔

روح مقدس کی دوبارہ آمد ان معنوں میں بھی اہمیت رکھتی ہے کہ یک جہتی کے جذبے کے تحت معاشی اختلافات کو دُور کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ یہ مذکور ہے کہ ہم عقیدہ لوگوں میں ہر چیز کی ملکیت مشترک ہے اور وہ اپنی اپنی جائیداد بیچ کر ضرورت مندوں میں ان کی احتیاجات کے مطابق تقسیم کر دیتے تھے (انجیل ۲۔۴۴۔۴۵) اشتمالیت کی اس ابتدائی ضرورت کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا جس میں باہمی محبت اور ایک دوسرے کی خوش حالی مدنظر تھی اور جس میں ایسی قومیت کا تصور تھا جو ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہو۔ لیکن روح مقدس کے تجربہ کے ابتدائی اثرات نے جو راستہ دکھایا وہ بالکل واضح تھا۔ اس کا رخ ایک ایسے سماج کی طرف تھا۔ جس میں ہر قسم کی معاشی ناانصافیوں کو ختم کر دیا گیا ہو۔ روح مقدس کی آمد کا نتیجہ ایسی قومیت کا نشو ونما تھا جو روح مقدس کی برادری کہلاتی تھی جس کے معنی ایک مشترک زندگی جس میں انسان کی مادی اور روحانی بہبودی کے لیے خدا کے عطا کیے ہوئے تمام وسیلے اور ذرائع ہیں۔ اس لیے مسیح کے ذریعہ نجات صرف ایک انفرادی تجربہ نہیں ہے ایک اجتماعی واردات ہے جس میں انسان کی اجتماعی تعمیر نو کے لیے تمام افراد شریک ہوتے ہیں۔ نجات کی منزل مقصود کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک نئی انسانیت کی تعمیر۔ ہے جس میں مسیح نے تفرقے کی تمام دیواریں ڈھا دی ہیں۔

خدا (تثلیث میں وحدت):

عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ عیسیٰ مسیح نجات دلانے والے ہیں اور روح مقدس اس نجات کی تکمیل کی طرف رہبری کرتی ہے۔اس سے باپ بیٹے اور روح مقدس کی تثلیث کے راز کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔یہ واقعی ایک مشکل نظریہ ہے، نہ تو آسانی سے یہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس کی تعبیر کی جا سکتی ہے۔بہر حال یہ ذہن نشین کرنا بہت اہم ہے کہ اس میں توحید کے اصول سے یعنی اس عقیدے سے کہ خدا ایک ہے ذرا بھی انحراف نہیں ہے۔لیکن ساتھ ہی کائنات کی نجات کے لیے ظہور حق کے سلسلے میں انسان کو اس راز کے مختلف پہلوؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔عیسیٰ مسیح کا وجود ظہور حق کا کلیدی واقعہ ہے۔ان کی ذات انسان اور خدا دونوں کی صفات کا مظہر ہے۔اس لیے ان کے پیروؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ واقعی انسان بھی تھے اور خدا بھی۔انجیل میں ان کو انسان کا بیٹا اور خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔جیسا کہ مسیحی دینیات کے ایک عالم نے بیان کیا ہے ''عیسیٰ مسیح میں انسان کی حقیقت'' خدا کی حقیقت کی جلوہ نمائی کرتی ہے (ڈیویڈ جین کینس ''انسان کی عظمت'' ایس۔سی۔این۔پریس۔۱۹۷۶ء ص ۹۷) مسیح نے اپنے شاگردوں کو تعلیم دی تھی کہ خدا کو اپنا باپ کہو۔اسی طرح سے اور اسی معنی میں خدا کو اپنا باپ مانتے ہیں اور روح مقدس کے ذریعہ اس قابل ہوتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح کی طرح خدا کے بیٹے بن کر اس کو اپنا باپ کہیں۔اس لیے جس کو عیسائی تثلیثی عقیدہ کہتے ہیں وہ خدا کے وجود کا مجرد معروضی تجزیہ نہیں ہے۔بلکہ وہ مسیحیت کے معتقد کی خدا کے ساتھ وجودیاتی وابستگی ہے۔باپ، بیٹے اور روح مقدس کے عقیدے کو اس سیاق میں دیکھنا چاہیے جب کہ معتقدین خدا اور انسان، انسان اور انسان کے تعلقات کی ہم آہنگی کی بحالی میں مسیح کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔اس سیاق میں معتقد واقف ہو جاتا ہے کہ بنی آدم کی اجتماعی حیثیت ہی میں انسان میں خدا کی جلوہ فرمائی ہوتی ہے۔انسان کی نجات کے لیے خود خدا کا ظہور ایک اجتماعی حقیقت کا راز ہے نہ کہ محض ایک واحد وجود کا سوال۔کامل محبت ہی باپ، بیٹے اور روح مقدس کی اجتماعی وحدت کے راز کی کلید ہے۔

کلیسا:

دوسرے بہت سے مذہبوں کی طرح شروع سے ہی عیسائیت نے بھی اپنے مذہب اور اجتماعی زندگی کو ایک ادارے کی شکل دینا شروع کیا تھا۔اس منظم عیسائی جماعت کو چرچ (کلیسا) یا اکلیز یہ (آتھنس والوں کی ایک باضابطہ مجلس) نام دیا گیا۔جب دین کے قواعد وضوابط، مذہبی رسمی عبادتوں اور تنظیمی امور میں تفرقے پیدا ہو گئے تو چرچ بھی منقسم ہو گیا۔تفرقے شروع سے ہی پیدا ہونے لگے۔لیکن بہت سے اہم تفرقے، جو تمام ممالک میں عام ہو گئے، وہ بہت بعد میں وقوع پذیر ہوئے۔عیسیٰ مسیح پر اپنے ایمان کی وضاحت کرنے کی کوشش میں مختلف عقیدوں کے سیاق میں انجیل کے عقائد اور ہم عصر چوتھی اور پانچویں صدی کے فلسفیانہ تصورات کو متحد کرنے سے ایک بڑی تقسیم عمل میں آئی۔ایک طرف وہ لوگ تھے جو کال سٹین کی کونسل (۴۵۱ء) کے ضابطہ کو تسلیم کرتے تھے اور دوسرے وہ لوگ جو اس کی تردید کرتے تھے۔ثانی الذکر گروہ سے تعلق رکھنے والے آج کے دن کے شرقی تقلید پسند جشی تقلید پسند اور انگلستان کے شاہ جیمز والے تقلید پسند سیر یائی تقلید پسند چرچ ہیں۔دوسری بڑی تقسیم گیارہویں صدی میں ہوئی جو روم کے پوپ کے وفادار رومن کیتھلک چرچ کی جماعتوں اور ان تقلید پسند چرچوں کے درمیان تھی جو روم کے پوپ کی اطاعت سے انکار کرتے تھے اور جنھوں نے اپنی تنظیم آزاد عیسائی جماعتوں میں کر رکھی تھی۔ایک اور تیسری بڑی تقسیم سولہویں صدی میں ہوئی جب بہت سی اصلاحی تحریکیں جرمنی کے مارٹن لوتھر، جنیوا کے جان کال ون اور اسکاٹ لینڈ کے جان فاکس اور دوسرے قائدین کی رہنمائی میں پروٹسٹنٹ عیسائی جماعتوں نے مستقل بنیاد پر قائم کر رکھی تھیں۔نتیجتاً کئی ایک عیسائی جماعتیں پیدا ہو گئیں جو پروٹسٹنٹ جماعتوں سے باریک سا فرق رکھتی تھیں۔صدیوں سے یہ کوشش جاری رہی ہے کہ ان جماعتوں بں اتحاد بحال کیا جائے۔بیسویں صدی میں اتحاد کی جانب کوششوں نے ایک عالم گیر مذہبی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔اور کئی ایک قومی اور اقلیتی عیسائی جماعتوں کی تحریکیں اس کام میں مصروف ہیں۔چنانچہ بہت سی پروٹسٹنٹ اور تقلید پسند جماعتیں عیسائی جماعتوں کی عالمی کونسل کی رکن ہو گئی ہیں۔جس کا افتتاح ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا۔اب تو رومن کتھیلک عیسائی جماعتوں نے بھی عیسائی جماعتوں کی عالمی کونسل کے ساتھ بہت قریبی اتحاد عمل کے مختلف پروگرام تیار کیے ہیں۔

یوں تو عیسائی مذہب میں چرچ کے موقف اور سرگرمیوں کے متعلق مختلف خیالات ہیں لیکن بعض بنیادی اصولوں میں عام طور پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

معتقدین کی روحانی برادری ہونے کی حیثیت سے چرچ کو ایک پراسرار ادارہ سمجھا جاتا ہے

ایک انسانی سماج کی بندش کے باوجود اس میں خدا کے تقدس کا بھی کچھ رنگ پا تا جاتا ہے۔ وہ مسیح کی موجودگی کا لوگوں کو احساس دلاتا ہے اور مسیح کے ذریعہ ان کی نجات اور معافی گناہ کا وسیلہ بنتا ہے۔ چرچ کو ''پہلا ثمر'' یا ''نئی تخلیق'' یا عالمگیر جدید انسانیت کی ابتدا کہہ سکتے ہیں جسے مسیح نے گناہ اور فتنہ وفساد سے پیدا ہونے والے شر پر فتح حاصل کر کے جنم دیا تھا۔ اس لیے یہ امید کی جاتی ہے کہ ایک روشن خیال ترقی پسند ادارہ ثابت ہوگا نہ کہ ایک محدود وتنگ دائرہ۔ ممکن ہے حقیقت میں چرچ وسعت نظر اور ہمہ گیری کے اس معیار پر ہمیشہ پورا نہ اُتر سکے۔ تاہم اسی راستے پر چل کر یہ امید کی جاتی ہے کہ کلیسا اپنا محاسبہ کرتے اور اپنی زندگی میں نئی روح پھونکتے رہیں گے۔

کلیسا کے مذہبی رسوم یا عہد و پیماں:

چرچ جو ایک روحانی برادری اور مسیح کے واسطے سے نئی تخلیق کا پراسرار اظہار ہے۔ اس کی اساسی خصوصیت کچھ اشارتی و مذہبی رسوم کے ذریعہ ظاہر کی جاتی ہے جنھیں عیسائیوں کے مذہبی رسوم کہا جاتا ہے۔ یہ رسوم باطنی اور روحانی افعال الٰہی کی ظاہری علامتیں مانی جاتی ہیں۔ اس عہد و پیمان کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ خدا کے غیر مرئی فیض کی کھلی نشانی ہے۔ یہ مذہبی رسوم وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ایک طرف تو معتقدین خدا کے عفو اور اس کی محبت سے فیض پاتے ہیں اور اسی کے ساتھ اپنے آپ کو ان صفات حسنی کا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی مذہبی رسوم کے ذریعہ کلیسا میں عیسیٰ مسیح اور روح مقدس کے توسط سے خدا کا نجات دلانے والا ہاتھ کارفرما رہتا ہے۔

کلیساؤں کے درمیان ان مذہبی رسموں کی تعداد کے متعلق کچھ اختلاف رائے ہے ایسے بھی چند کلیسا ہیں۔ مثلاً کویکرس (جو انجمن احباب بھی کہلاتے ہیں) یا سالویشن آرمی (Salvation Army) جن کے یہاں مذہبی رسوم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سے کلیسا دو مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں مثلاً اصطباغ یا پتسمہ اور مقدس عشائے ربانی۔ ان دونوں کو بہت اہم مذہبی رسوم کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ خود مسیح نے ان کی ابتداء کی تھی۔ یہ دونوں رسمیں معتقدین کی اجتماعی حیثیت کی نشانیاں ہیں۔ اس جماعت کو استعارے کے طور پر مسیح کے جسم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کو اپنی زندگی اور اپنے عمل کو اس مقصد کا پابند کرنا جس کے لیے حضرت عیسیٰ بھیجے گئے تھے۔ اصطباغ اس جماعت میں ہمیشہ کے لیے شامل ہونے کی باقاعدہ رسم ہے۔

مقدس عشائے ربانی ایسی رسم ہے جو وقفہ وقفہ سے ادا کی جاتی رہے تا کہ معتقدین اس کے ذریعہ اپنی رکنیت کو باقی رکھیں۔

اصطباغ کو لوگ غلطی سے علاحدگی پسندی کی علامت سمجھتے ہیں۔ اصطباغ تو خود مسیح کے اصطباغ اور مشن سے شروع ہوا ہے۔ اس کے ذریعہ انھوں نے اپنے آپ کو خدا کے تمام فرماں بردار اور خدمت گزار بندوں کے ساتھ وابستہ کرلیا۔ اور اپنی زندگی نئی انسانیت کے وجود کے لیے وقف کردی۔ ان کا مشن عداوت، بے انصافی اور ظلم وستم کی دیواروں کو مسمار کرنا تھا۔ اس لیے اصطباغ کے ذریعہ جو لوگ چرچ یعنی حضرت عیسیٰ کی قوم میں شریک ہوتے ہیں، وہ ایک عالم گیر برادری میں علاحدگی پسندی کا مقابلہ کرتے ہوئے شامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی علاحدگی جو اصطباغ سے حاصل ہوتی ہے وہ کچھ دوسرے لوگوں سے علاحدگی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مقصد ایک محدود وتنگ مذہبی دائرے میں شریک ہونا ہے۔ بلکہ یہ تو اپنے آپ کو تنگ فرقہ پرست نقطہ نظر سے الگ کرنا ہے تا کہ ہم حقیقی انسانی سماج کا ایک حصہ بن جائیں، جو عالمگیر ہے۔

مقدس عشائے ربانی کی رسم مسیح میں شامل ہونے کی علامت ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں کی خاطر قربان کردینا جس کی آخری شکل مسیح کی صلیب پر قربانی ہے۔ اس رسم کے ذریعہ معتقدین ہمیشہ اپنے آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ جس گروہ سے ان کا تعلق ہے وہ مسیح کا پاک جسم ہے جن کی حقیقی زندگی صرف اسی وقت جانی جاسکتی ہے جب کہ ہم دنیا کو ناانصافی ظلم اور شر سے بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادیں۔ اسے قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہر دفعہ جب معتقدین رسم عشائے ربانی میں شامل ہوتے ہیں تو وہ اپنے آپ سے اس اقرار کو دہراتے ہیں کہ وہ مسیح کے ہیں اور جس طرح مسیح نے اپنے جسم کو دوسروں کے لیے قربان کردیا اسی طرح وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے زندہ رہیں گے۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا جلد سوم مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی)

☆☆☆

اصل مذہب ہے پیار محبت انسان دوستی، اور بھائی چارہ

دیودت شاستری

بائبل

ہندو دھرم کے وید، پران گیتا، رامائن، اسلام دھرم کے قرآن اور پارسی دھرم کے اوستا کی طرح عیسائی دھرم کی مقدس کتاب بائبل ہے۔ بائبل کے معنی ہیں پستکیں یعنی کتابیں۔ مطلب یہ کہ بائبل صرف ایک کتاب نہ ہو کر انیک کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے بائبل کو روحانی کتابوں کا مجموعہ کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے دَورِ حکومت سے لے کر پہلی صدی عیسوی تک کے واقعات اس میں جمع کیے گئے ہیں۔ جنہیں الگ الگ مصنفوں نے لکھا ہے۔ عیسائی دھرم کا عقیدہ ہے کہ بائبل وہ مقدس کتابوں کا مجموعہ ہے جو اسے نہیں پڑھتا وہ بھٹک جاتا ہے۔ یونانی اور رومن بائبل کو 'پرائمری اسکول اُستانی' مانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک اُستانی بچے کو اچھی تعلیم دے کر اسے بااخلاق اور تعلیم یافتہ بناتی ہے اسی طرح بائبل انسان کو بری صحبت اور برے کاموں سے بچا کر اچھے راستہ پر چلاتی ہے۔ عیسائی دھرم کا اعتقاد ہے کہ بائبل ایشور کے ذریعہ دیئے گئے وعظ پر مشتمل ہے جسے اس نے تمام انسانوں کی بہبودی کے لئے دیا ہے۔ یونان کے رہنے والے یہ مانتے تھے کہ انسان کو نجات حاصل کرنے کے لئے جن سچائیوں کو جاننا ضروری ہے وہ سب بائبل میں ہیں۔ بائبل کے اُپدیش راہِ حق کی نشان دہی کرتے ہیں اور عرفان حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اسی لئے عیسائی دھرم کو ماننے والوں میں یہ روایت جاری ہے۔ یہ جب تک کسی چیز پر بائیبل کی مہر نہیں لگ جاتی تب تک اسے دھارمک نہیں مانا جا سکتا۔

جیسے ویدوں کی رچنائیں، پرانوں کی کتھائیں، قرآن کی آیتیں آغاز میں ہندو مسلمان زبانی یاد رکھتے تھے۔ اسی طرح عیسیٰ مسیح کی وفات کے کچھ برسوں تک عیسائی عیسیٰ مسیح کے اپدیشوں کو ازبر کرتے تھے۔ اس حالت میں پہلی صدی عیسوی میں عیسائی یہودیوں کے دھرم گرنتھ کو بھی بائبل سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں بھی عیسائی ہبرو بھاشا ہی بولتے تھے اور خود کو رومن سلطنت

کی رعایا سمجھتے تھے۔جب عیسیٰ مسیح کی وفات کے بعد اُن کے اُپدیشوں کی اہمیت بڑھی تو مسیح کے ماننے والوں نے ایک ایسی مستند کتاب کی مانگ کی جو یہودیوں کے دھرم سے الگ ہو اور صرف عیسائیوں کے لئے ہو۔

اس مانگ کی وجہ یہ بھی تھی کہ عیسائی مذہب میں اس وقت تک بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے، جنہیں عیسائی دھرم سے الگ رکھنا ضروری سمجھا گیا۔اس کے علاوہ عیسائی دھرم سلطنت روما کا دھرم بن چکا تھا۔اس لئے روم راج میں رہنے والوں کو عیسائی دھرم کی ایسی خالص کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں کسی اور دھرم کی ملاوٹ نہ ہو۔ان حالات نے اولڈ ٹیسٹامنٹ کی جگہ نیو ٹیسٹامنٹ کو جنم دیا جو چوتھی صدی عیسوی میں اپنی آخری صورت میں لکھی گئی۔

اولڈ ٹیسٹامنٹ میں تاریخ ہبرو یا اسرائیلیوں کا اتہاس بھی ملتا ہے۔یہی اسرائیلی بعد میں یہودی کہلائے۔اولڈ ٹیسٹامنٹ میں دنیا کی تخلیق انسان کی پیدائش کی کہانی، پاپ کرموں کی پیداوار۔ تہذیب کا پھیلاؤ۔ملکوں کا الگ الگ ہونا اور ان ملکوں میں یہودیوں کے حالات کا بیان ہے اور نیو ٹیسٹامنٹ میں عیسیٰ کی سوانح حیات، عیسائی دھرم کی نمود، اس کا پھیلاؤ بھی بتایا گیا ہے۔یہی پرانی اور نئی بائبل میں فرق ہے۔

بائبل کو سب سے پہلے عیسیٰ کے مشہور مرید ''مارک'' نے کتاب کی صورت میں پیش کیا۔

سن ستر عیسوی کے بعد انہوں نے عیسیٰ مسیح کے وعظوں کو سولہ ابواب میں پیش کیا ہے۔مارک نے اپنی اس کتاب میں عیسیٰ مسیح کی سوانح حیات اور اُن کے اپدیشوں پر زیادہ زور دیا ہے۔مارک کے بعد ''متھیو'' اور ''لوکا'' نے جو بائبل لکھی وہ زیادہ تر مارک کی کتاب کے ہی مطابق رہی۔ میتھیو عیسیٰ کو مسیحا مانتے تھے۔اور اپنی یہ بات ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اولڈ ٹیسٹامنٹ کا بھی سہارا لیا ہے۔لوکا نے عیسیٰ کے اپدیشوں کو ہی انسانی بہبودی کا معیار قرار دیا ہے۔میتھیو اور لوکا کے بعد عیسیٰ کے چوتھے مرید جان نے عیسوی سن کے پچانوے برس بعد جو بائبل لکھی اس میں انہوں نے عیسیٰ کے چمتکاروں (معجزات) کو اولیت دیتے ہوئے عیسیٰ کو روحانی قوت کا حامل اور ''خدا کا بیٹا'' بتایا ہے۔بائبل کے ان چاروں ایڈیشنوں کو روم کے پادریوں نے مستند قرار دیا ہے۔

زیادہ سے زیادہ لوگوں میں عیسائی دھرم کا پرچار ہو۔اس لئے بائبل کو عوام کی مروج زبانوں میں لکھا گیا۔پہلے وہ یہودیوں کی زبان میں لکھی گئی۔پھر یونانیوں کی بھاشا میں لکھی گئی۔اس کے بعد روم کی قدیم زبان لاطینی میں ترجمہ کی گئی۔اور صدیوں بعد انگریزی میں اس کا ترجمہ ہوا۔

عیسوی صدی کے ایک سو پچاس برس تک روم میں لاطینی زبان میں لکھی گئی بائیبل پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ رومن چرچ کے دھرم گوروؤں کا یقین تھا کہ لاطینی بھاشا کو چھوڑ کر اور کسی زبان میں بائبل پڑھنا کفر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بائبل کا سب سے پہلے انگریزی میں ترجمہ آٹھویں صدی عیسوی میں کیا گیا۔ لیکن وہ اشاعت نہیں پاسکا۔ ۱۳۸۰ء میں سب سے پہلے وکلف نام کے ایک انگریز نے نیوٹیسٹامنٹ کا انگریزی ترجمہ کر کے شائع کیا۔ وہ ترجمہ شائع ہوتے ہی ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ جب عوام کے ہاتھوں میں پہنچا تب دھرم کے ٹھیکیدار دھرم گوروؤں کا ماتھا ٹھنکا۔ اور انھوں نے اپنے اثر ورسوخ سے پارلمینٹ میں اس انگریزی ترجمے کے خلاف ایک تجویز پاس کرائی اور انگریزی بائبل کی تمام جلدیں جمع کر کے جلا ڈالیں اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ جو آدمی انگریزی کی بائبل پڑھے گا، اسے برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد انگریزی زبان میں بائبل کا ترجمہ کرنے والے وکلف پر بہت ظلم کیا گیا۔ اس کے مرجانے کے بعد اس کی ہڈیاں قبر سے نکال کر ایک نالے میں پھینک دی گئیں۔

وکلف کے بعد ولیم ٹنڈل نے یہودی (ہبرو) اور گریک زبان سے بائبل کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو ولیم کا بھی وہی انجام ہوا جو وکلف کا ہوا تھا۔ یعنی ۱۵۳۶ء میں بیچارے ولیم ٹنڈل کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اور مرنے کے بعد اسے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ گلا گھونٹتے وقت ٹنڈل نے اٹک اٹک کر کہا تھا۔۔۔

''یا خدا! تو انگلینڈ کے بادشاہ کو ہدایت دے، اس کی آنکھیں کھول۔'' ٹنڈیل کے مرنے کے بعد ''گریٹ بائبل''۔ ''جنیوا بائبل'' اور ''بشپ بائبل'' ایڈیشن شائع ہوئے۔ سب سے آخر میں ۱۶۱۱ء میں بائبل کا ایک مستند ایڈیشن انگریزی میں شائع ہوا۔ یہی بائبل آج کل رائج ہے!

....

اُردو میں پہلی بار بائبل کا کچھ حصہ ۱۸۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد نئی بائبل New Testament ۱۸۱۴ء میں شائع ہوئی۔ اُردو میں پہلی بار بائبل کی اشاعت ۱۸۴۳ء میں ہوئی جس کے نظر ثانی ایڈیشن ۱۹۸۹ء۔ ۱۹۹۸ اور ۲۰۰۵ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ بائبل کو نستعلیق میں لکھا گیا تھا تاہم یہ رومن اُردو میں بھی دستیاب ہے۔ ۱۸۷۰ء میں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے جان گاسپل کی نظر ثانی شدہ بائبل مرزاپور سے شائع کی تھی جسے بعد ازاں ۱۹۹۲ء میں لاہور (پاکستان) سے بھی شائع کیا گیا۔ ☆☆☆

ڈی۔اے۔ہیریسن قربان

اُردو کے چند مسیحی شعراء

اُردو زبان کسی ایک مذہب یا فرقے کی زبان نہیں۔مسلمان، ہندو،سکھ،عیسائی سب اس زبان کی ترقی وتوسیع دینے،اس کے ادب کو سنوارنے اور مالا مال کرنے میں برابر کے حصہ دار ہیں۔یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ زبان ہندوستان کے کسی ایک خطے تک محدود نہیں۔بنگال سے بمبئی اور کشمیر سے کنیا کماری تک کی سرزمین نے اُردو شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا ہے اور اُن کی تخلیقات کی نقادوں اور سخن فہموں نے قدر دانی کی ہے۔چنانچہ میدان سخن میں دیگر شعراء اور ادیبوں کے ہمدوش ہندی مسیحی شعراء اور ادیب بھی گامزن رہے ہیں۔لیکن یہ ان کی بد قسمتی رہی کہ اہلِ ادب کی نظریں،اُن کے کمال کی جانب متوجہ نہ ہوسکیں۔حالانکہ تذکرہ نویسوں نے یورپین شعراء کے فن کا تو اعتراف کیا مگر ہندی مسیحی ادیبوں کی طرف سے تغافل سے کام لیا گیا۔

اس کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں۔اول تو شاید یہ کہ ہندی مسیحوں کے بارے میں اہلِ ادب اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ عیسائی اُردو زبان پر خاطر خواہ دسترس نہیں رکھتے۔حضرت نادر مرحوم نے اول اول جب علامہ عشرت لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمیذ تہہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ عیسائی اُردو نہیں جانتے۔(بحوالہ رسالہ زندگی،دہلی، جولائی ۱۹۶۳ء) کچھ اس قسم کے واقعات راقم الحروف کے ساتھ بھی پیش آچکے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اکثر مسیحی شعراء فنی صلاحیت رکھنے کے باوجود کاملانِ فن سے استفادہ نہ کرسکے۔حقیقت یہ ہے کہ تقسیم ہند سے قبل نوے فی صد مسیحی طلباء کی مادری زبان اُردو تھی۔اُن کی مذہبی کتابیں،نمازیں، دعائیں،عبادتیں، رسومات سب اُردو زبان میں ادا کئے جاتے رہے ہیں۔دوسری جانب مسیحی جماعت میں عموماً ادبی ذوق کا فقدان رہا جس کے باعث مسیحی شعراء وادیبوں کی خاطر خواہ قدر دانی نہ ہوئی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں احساسِ کمتری پیدا ہوگیا اور اس جذبے کے ماتحت انہوں نے منظر عام پر آنے کی کوشش نہیں کی۔انہوں نے جو کچھ کہا اس کو ایک خاص طبقے تک ہی محدود

رکھا۔ اچھی خاصی استعداد رکھنے کے اور فن کار ہونے کے باوجود وہ مقامی مشاعروں تک سے دامن بچاتے رہے۔

ایک اور مشکل جو اُن کی راہ میں حائل رہی، یہ تھی کہ اُن کا موضوعِ سخن صرف مذہب اور مذہبیات کی حدود میں رہا۔ مثلاً توصیفِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، واقعاتِ ولادت حضرت مسیح، توصیف حضرت بی بی مریم اور واقعات اور مناظرِ صلیب اور صلیبی موت وقربانی، دوبارہ زندہ ہونا، عیدِ قیامت وغیرہ۔ یہ موضوعات ایسے ہیں جن کو قبولیتِ عام کا شرف حاصل ہونا مشکل امر تھا حالانکہ اُردو ادب میں مذہبی شاعری کی فقدان نہیں رہا ہے۔ مذہبیات میں شاعر اپنے تخیلات اور زبان کے زور سے نئے نئے گل کھلا سکتا ہے۔ شاندار تخلیق کر سکتا ہے۔ مسیحی شعراء نے ایک ہی مضمون کو نئے نئے ڈھنگ سے باندھا ہے لیکن انہوں نے بھی محض مسیحی رسالوں سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ جن کی اشاعت محدود تھی اور ادبی حلقوں میں ان کی باریابی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی فنکاروں کو پبلشر نہ مل سکے۔ اُن کا کلام ان کی بیاضوں میں ہی دم توڑتا رہا۔ بقول نادر مرحوم "میرا دیوان میرے ساتھ مرجائے گا اور اس طرح مَیں دوہری موت مروں گا۔"

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کہ مسیحی شعرا اور ادیبوں کو ادبی حلقوں سے روشناس کرایا جائے اور ان کی تخلیقات کی قدر کی جائے، ہم چند مسیحی شعراء کو روشناس کرانے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ان کے اشعار مسیحی رسالوں سے انتخاب کر کے ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں۔ اور قدردانوں کو ان کی جانب متوجہ ہونے کے لئے دعوتِ عمل دیتے ہیں کہ وہ گوشۂ گمنامی میں پڑے ان فنکاروں کو اہلِ ذوق کے سامنے پیش کریں۔ جن شعرا کے حالات مجھے دستیاب ہو سکے انہیں اس مضمون میں شامل کیا گیا۔

ابوالخیال جان البرٹ پال نادر شاہجہانپوری

۲۶ رفروری ۱۸۸۹ کو پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات پر مدرس اور ہیڈ ماسٹری کے فرائض انجام دیئے۔ ابتدائے شعور سے طبیعت شعر وشاعری کی جانب راغب ہوئی اور شعر موزوں کرنے لگے۔ ابتداء میں فارسی میں شعر کہے اور پروفیسر الٰہی بخش صاحب قرین نیازی سے اصلاح لی۔ بعد میں اُردو میں طبع آزمائی کی اور خواجہ محمد عبدالمعروف صاحب عشرت لکھنوی کے ممتاز مشاعروں میں شریک ہوئے۔ آپ نے ۳۱ رمئی ۱۹۶۳ء کو انتقال کیا۔ آپ نے متعدد شاگرد چھوڑے ہیں۔

آپ کا کلام مسیحی اور غیر مسیحی حلقوں بہت مقبول ہوا۔ کلام نہایت فصیح و بلیغ ہے۔غزلوں میں روانی بدرجہ اُتم موجود ہے۔زبان شگفتہ اور شستہ ہے۔آپ کو ابوالخیال کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔مکمل دیوان موجود ہے لیکن بدقسمتی سے زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا ضروری ہے کہ اس کو منظرِ عام پر لایا جائے۔

نمونہ کلام:

درد لادو ندیمو اگر مل سکے	کچھ تو دل کے لئے کچھ جگر کے لئے
منہ کھول کے کچھ مانگیں یہ کام نہیں کرتے	ہم شانِ کریمی کو بدنام نہیں کرتے
لاکھ غمزے دکھائے گی دنیا	ہاتھ تیرے نہ آئے گی دنیا
جیتے جی اُٹھ سکا نہ اُس در سے	سر پہ احساں ہے ناتوانی کا

پادری اے آر بیلی شفاؔ لکھنوی

آپ ۱۸۸۶ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔یہ وہ وقت تھا کہ جب لکھنؤ میں گھر گھر شاعری کا چرچا تھا۔چنانچہ آپ کو بھی شوق پیدا ہوا اور شعر کہنے لگے۔ابتداء میں حضرت فلکؔ سے رجوع کیا۔بعد میں حضرت عطا بدایونی، وسیمؔ خیر آبادی اور دلؔ شاہجہان پوری سے فیض حاصل کیا۔آخر میں جناب افضل علی خاں بہادر خلف حضرت رشید لکھنوی سے تلمذ حاصل ہوا۔اور اُستادی کا درجہ پایا۔ریاست شیر کوٹ کی سرکار سے افسر الشعراء کا اعزاز عطا ہوا۔نثر میں بھی قلم کا زور دکھایا۔رسالہ دلیس، ہمکاری اور روشنی کے ایڈیٹر رہے۔کئی تصنیفات آپ کی یادگار ہیں۔فغانِ ہند المعروف سیلابِ عظیم، مثنوی خونِ ناحق،قوم کی فریاد، قصہ ہری درس منظوم اور چند ڈرامے غیر طبع ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں وحشیؔ برنوی، ذاکر میرٹھی، ناصر چکوالی وغیرہ اہم ہیں۔آپ کے خلفِ رشید حضرت رضاؔ لکھنوی نے بھی استادی کا مرتبہ پایا۔۳۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو دہلی ریلوے اسٹیشن پر حرکتِ قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوا۔آپ کی وفات پر متعدد شعراء نے عقیدت کے پھول چڑھائے۔

نمونہ کلام:

وہ کیوں نقاب کا گوشہ اُٹھائے جاتے ہیں
کہ پائے ہوش میرے ڈگمگائے جاتے ہیں

جفا و جور کے ایام رنج آگیں کو
بھلا رہا ہوں مگر کب بھلائے جاتے ہیں

☆

تیری صلیب ہے عیسیٰ کلید فطرت کی
تیری صلیب ہے آقا سبیل جنت کی
تیری صلیب ہے مولا شبیہ الفت کی
تیری صلیب ہے گویا دلیل رحمت کی

پادری ایس ایس ریحانی لکھنوی

۱۹۱۲ء میں مرکزِ شعروسخن سرزمینِ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آج کل حیدرآباد دکن میں قیام ہے۔ وہاں ''زندگی کا نور'' ادارے کے ڈائرکٹر ہیں۔ اُردو ادب پر عبور حاصل ہے۔ اور فارسی ادب کا بھی گہرا مطالعہ ہے۔ اثر لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے۔ کہنہ مشق شاعر ہیں اور خود اُستادی کا درجہ رکھتے ہیں۔ بیشتر کلام غزلوں کی صورت میں ہے۔ ایک مجموعۂ غزلیات ''موجِ گل'' شائع ہو چکا ہے جس کو ادب نواز حلقوں میں سراہا گیا۔ علاوہ ازیں دو گلدستے ''رنگ زار'' اور ''نوائے ازل'' مرتب کیے جو شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں چند مسیحی شعراء کا منتخب کلام ہے۔ اُردو ادب کی خدمت ان کا مشغلہ ہے۔ مسیحی شعراء کو منظرِ عام پر لائے اور ادبی حلقوں میں انہیں روشناس کرانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت صاف، سلیس اور سلجھا ہوا ہے۔ زبان میں لکھنؤ کی نزاکت اور گھلاوٹ ہے۔ بحریں مترنم اور رواں ہیں۔ لکھنؤ اسکول کی خصوصیات کلام میں نمایاں ہیں۔ طبیعت کو تصوف سے شغف ہے۔ میدانِ نثر کے بھی شہسوار ہیں۔

نمونہ کلام:

جو رنگ شیخ و برہمن قریب سے دیکھا
تو دور سے حرم و دیر کو سلام کیا
ہماری خاک بھی اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ گئی
ہمیشہ آپ کے دامن کا احترام کیا

☆

عزمِ منزل جب ہے دل میں
لب پہ کیوں ہے رہبر رہبر

☆

کافر نظر آیا نہ مسلماں نظر آیا
انساں میرے آئینہ میں انساں نظر آیا

☆

ہیں سنگ و خشت ایک زمانے سے منتظر
تعمیر کر حیات کے عنواں نئے نئے

☆

جوشِ عصیاں دریا دریا
اشکِ ندامت گوہر گوہر

☆

نہیں دشوار اے واعظ حرم کا راستہ ملنا
مگر انساں کے دل کا راستہ مشکل سے ملتا ہے

۴۔ڈاکٹر سیموئیل وکٹر بھجن طالبؔ شاہ آبادی

۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے۔طالب علمی کے زمانے میں شوقِ سخن پیدا ہوا اور جماعت ہشتم تک پہنچتے پہنچتے جولانیِ طبع رنگ دکھلانے لگی۔اُردو اور فارسی کے جید عالم ہیں۔فارسی کی تعلیم ایران جاکر حاصل کی اور طہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اسلامیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور امریکہ میں ہارلفرڈ یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم اے پاس کیا۔اس وقت ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے ایسوسی ایٹ ڈائرکٹر ہیں۔انسٹی ٹیوٹ کا سہ ماہی مجلّہ آپ کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ہر قسم کی صنفِ شاعری میں طبیعت کی جولانی گل کھلاتی ہے۔حضرت بشیشور پرشاد منور لکھنوی کے خاص شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔شعر نہایت بلیغ کہتے ہیں۔زبان صاف اور شستہ ہے۔نثر نگاری میں یکتائے قلم ہیں:

نمونہ کلام:

بت خانہ و کعبہ کے پابند ہیں فرزانے
ہر قید سے مذہب کی آزاد ہیں دیوانے
ٹوٹے ہوئے دل کیا ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے
کچھ عشق کی تفسیریں کچھ عشق کے افسانے

☆

باغِ عدن میں ہے نہ وہ دشتِ ختن میں ہے
وہ بُو جو ناصرت کے گلِ یاسمن میں ہے
ہے ناصرت کے چاند اے مریم کے نورِ چشم
پوشیدہ آفتاب تیری ہر کرن میں ہے

(۵) سیموئیل ڈانیل شوقؔ جالندھری

پنجاب کے موضع سنسار پور میں پیدا ہوئے۔اس مناسبت سے ابتداء میں نام کے آگے سنسار پوری لکھتے رہے۔بعد میں شوقؔ جالندھری لکھنے لگے۔آج کل رائے پور (مدھیہ پردیش) میں مقیم ہیں۔وہاں گاس میموریل سنٹر میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز ہیں۔نہایت ہی خوش گو اور خوش فکر شاعر ہیں۔کلام میں فصاحت و بلاغت ہے۔بعض اشعار قاری کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔مشاعروں میں بہت کامیاب رہتے ہیں۔زبان میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔جناب شمیمؔ کرہانی سے تلمذ ہے۔

نمونہ کلام:

دعا دیتے نہ گر جامِ شہادت پی کے دشمن کو
سرِ مقتل تیرے جانباز پہچانے کہاں جاتے
کب آ کے اُن کا تیر لگا جب رہا نہ خون
شرمندہ ہیں کہ خاطرِ مہماں نہ کرسکے
گونجے تو جہاں کیسے اناالحق کی صدا ہے
منصور کوئی آج سرِ دار نہیں ہے

یہ مانا آج چھونے جا رہا ہے مہرِ تاباں کو
مگر انسان بننے میں لگے گی دیر انساں کو
جاگ اُٹھے نہ فتنۂ محشر
غم کے ماروں کو نیند آتی ہے

(۶) بیتابؔ سنسار پوری

پنجاب کے موضع سنسار پور کے رہنے والے ہیں۔ مسیحی جماعت کے بہت مقبول شاعر ہیں۔ حضرت مخمورؔ جالندھری سے شرف تلمذ ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور شستہ ہے۔ زبان صاف اور سادہ ہے۔ بائبل مقدس کے بعض حقائق کو بڑی حسن وخوبی کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایک مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔ جس کا ادبی حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا۔
نمونہ کلام:

اس واسطے کہ زیست میں کچھ کشمکش رہے
ہم نے ہر ایک موج کو طوفاں بنا دیا

☆

جو تو پیار کرتا نہ اہلِ جہاں کو
جہاں کو تیرا نام پیارا نہ ہوتا

☆

جامۂ انسانیت میں عجز اُلفت سادگی
کون دیتا ایسا مشکل امتحاں تیرے بغیر

☆

آ دیکھ مَیں ہوں حیرتِ آئینہ کا جواب
پتھرا گئی ہے آنکھ تیرے انتظار میں

(۷) عمانوبل جوزف انورؔ اجمیری

۳؍دسمبر ۱۹۲۸ء میں بمقام اجمیر پیدا ہوئے۔ ذریعہ معاش ریلوے کی ملازمت ہے

اور سابرمتی میں قیام ہے۔زمانۂ طالب علمی سے شعروسخن کا شوق ہوا اور طبع آزمائی کرنے لگے۔اس طرح شاعری کی عمر بیس پچیس برس ہوتی ہے۔موضوعِ سخن زیادہ تر نظمیں ہیں۔غزلیں معیاری ہوتی ہیں۔کلام میں روانی ہے۔زبان صاف ہے۔اکثر ہندی الفاظ کا بھی استعمال کرتے ہیں۔کلام میں درد پایا جاتا ہے اور ناکامی و مایوسی جھلکتی ہے۔شوقِ مطالعہ ہے اور اوقاتِ فرصت میں کتب بینی مشغلہ ہے۔

نمونہ کلام:

نینوں کے آنچل میں اپنی شردھا کے کچھ پھول چڑھائے
آج تمہاری یاد نے من میں چپکے چپکے دیپ جلائے

☆

ظلمتِ شب سے بھی ہوسکتی ہے تائیدِ سحر
کچھ اُجالے بھی تہہِ شام نکل سکتے ہیں

☆

زندگی دھوپ چھاؤں میں کٹ بھی گئی
ناپتے رہ گئے ہم تو پرچھائیاں

(۸) ڈی اے ہیریسن قربان

راقم ۱۲/ مارچ ۱۹۱۹ء میں ضلع مرادآباد میں پیدا ہوا۔زمانۂ طالب علمی سے شعروسخن کا شوق پیدا ہوا۔اور مقامی مشاعرہ میں شرکت کرنے لگا۔اسی وقت نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوا۔اور بچوں کے مختلف رسالوں میں لکھنے لگا۔تحصیلِ علم کے بعد مصروفیات وفکرِ روزگار نے اس شوق پر ضرب لگائی اور مدت تک قلم سے بے نیازی رہی۔جب ذرا سکون نصیب ہوا تو رئیس الشعراء جناب محبوب علی خاں اختر فیروزآبادی کا شاگرد ہوگیا۔آپ کی وفات کے بعد کسی سے مشورۂ سخن نہ کیا۔اب عرصۂ دراز کے بعد اُستادِ زماں علامہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی کی نظرِ کرم کا شرف حاصل ہوا۔تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔بیشتر کلام نعتیہ ہے۔متعدد افسانے اور ڈرامے مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ایک ڈرامہ (ترجمہ) غلام انڈروکلس وشیر (برنارڈ شا) شائع ہو چکا ہے۔چند مسودے برائے اشاعت تیار ہیں۔اُردو فارسی کے اُستاد کی حیثیت سے ملازمت

کا آغاز ہوا۔فی الحال انگریزی ادب کا اُستاد ہوں۔انگریزی اور اُردو ادب میں ایم اے اور الہ آباد سے فارسی کا امتحان اعلیٰ کامل پاس کیا ہے۔اس وقت مغربی بنگال میں قیام ہے۔

نمونہ کلام:

چھوڑ کر عرشِ بریں وہ آ گیا
عشق میں ہوتی ہیں یوں دلداریاں

☆

طُور پر جو ہوچکی تھی واردات
دار پر رنلیں حکایت ہوگئی

☆

تم نے نقابِ رُخ تو اُٹھائی ہزار بار
ہم امتیازِ روئے درخشاں نہ کر سکے

☆

ہر ایک شے میں جلوہ اسی کا ملے گا
نگاہوں سے پردہ اُٹھا کر تو دیکھو

(۹) ایف سردار مسیح روز امرتسری

۲۶ر دسمبر 1915ء کو شہر امرتسر میں پیدا ہوئے۔محکمہ پولیس میں ملازم ہیں۔شعر و سخن کا شوق رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔فصیح الملک حضرت الیاس داس صاحب رسا لکھنوی سے، جن کا سلسلہ حضرت مصحفی سے ملتا ہے، تلمذ ہے، نہایت زود نویس و بسیار گو شاعر ہیں، بعض موقعوں پر زبان گنجلک نظر آتی ہے۔مگر اشعار اچھے کہتے ہیں۔

کلام بیشتر نعتیہ ہے۔ہر قسم کے اصناف سخن میں زورِ قلم دکھاتے ہیں۔مسیحی رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا ہے۔کلام روایتی ہے۔نئے نئے قافیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔نمونۂ کلام:

گرے تھے جو عدن میں تری آنکھوں سے اے انساں
درخشاں ہوگئے آنسو نجوم آسماں ہوکر
نہیں گلشن ہے یہ دنیا ہے یہ جنگل ہے یہ صحرا
سمجھ کے جس کے کانٹوں کو گل و گلزار بیٹھے ہیں

(۱۰) جیکب ڈین شاد

۱۹۱۶ء میں موضع نیلسن آباد ضلع شیخوپورہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ کالج سے بی اے پاس کیا۔ دوسری جنگِ عظیم میں افریقہ اور مصر وغیرہ ممالک میں فوجی خدمات انجام دیں۔ آج کل ہماچل پردیش میں بمقام چمبہ ڈسٹرکٹ انڈسٹریز آفس میں ملازم ہیں۔ ابتدائے شعور سے شعر و سخن کا آغاز ہوا۔ حضرت ہری داس رسا کے شاگردوں کے حلقے میں شامل ہوئے، شاعری کی محرک آپ کی ناکام محبت ہے۔ جس کی وجہ سے کلام آپ بیتی کا مظہر ہے اور ایک خاص قسم کے درد کا حامل ہے۔

نمونۂ کلام:

خون میری حسرتوں کا ہوگیا تو کیا عجب
عاشقی میں کس کے دل کی آرزو بر آئی ہے

☆

شاکی ہو جو کسی کا نہ ایسا دہاں ملے
یارب نہ زندگی میں مجھے وہ زباں ملے

☆

بہزاد کو حیرت ہے مانی کو تحیّر ہے
اے شاد یہ کس بُت کی تصویر بنا ڈالی

(۱۱) بی۔ ایس۔ جارج۔ جارج

آپ کی پیدائش راولپنڈی میں ہوئی۔ اس کے بعد دہلی میں قیام ہوا۔ وہیں تحصیلِ علم کیا۔ فارسی میں بھی خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ حضرت عباس اجمیری سے تلمذ ہے اور مسیح رسالوں میں میں آپ کا کلام شائع ہوتا ہے۔ کلام صاف، ستھرا اور نکھرا ہوتا ہے۔ مستقل طور پر آبو (راجستھان) میں اقامت پذیر ہیں۔

نمونۂ کلام:

رہ گئی ہے ایک قصہ بن کے میری زندگی
کردیا قسمت نے افسانہ در افسانہ مجھے

☆

وارفتگانِ عشق کی وحشت نوازیاں
منزل کو چوم چوم کے پھر لوٹ آئے ہیں

☆

جو ہوگی موت کی تکلیف ایک دن ہوگی
یہ زندگی تو مگر ایک دردِ پیہم ہے

(۱۲) ای، ایکس۔ فالس خستہ بریلوی

۸ر جنوری 1905 کو پیدا ہوئے۔ مرادآباد پارکر ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم رہے۔ اس وقت حضرت مولوی ظفر حسین عاصی جیسے قابل و مشفق اُستاد سے بہرہ ور ہوئے۔ عاصی صاحب کی ترغیب سے میدانِ سخن میں قدم رکھا۔ اور عاصی صاحب کے وسیع حلقۂ شاگرداں میں شریک ہوگئے۔ غزل، رباعی، قصیدہ سب میں زورِ طبع دکھایا ہے۔ زبان عموماً صاف اور عام فہم ہے۔
نمونۂ کلام:

زمیں سلام کرے آسماں سلام کرے
مسیح پاک کو سارا جہاں سلام کرے

(۱۳) جے۔ ایس۔ فانی اکبرآبادی

مسیح جماعت کے ممتاز شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت ابوالخیال نادر شاہجہان پوری کے عزیز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ ہر قسم کے اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں، نعتیہ، غیر نعتیہ، وطنی غرضیکہ ہر قسم کا کلام موجود ہے جو اکثر رسالوں میں شائع ہوتا ہے۔ کلام میں تخیل کی بلند پروازی کے نمونے بھی ملتے ہیں اور فصاحت و بلاغت بھی۔
نمونۂ کلام:۔

کیا قیامت ہے یہ زمیں والے
چاند تاروں کی بات کرتے ہیں

☆

چراغِ فکرِ کہن بجھ چلے تو کیا غم ہے
شعورِ نو کے لئے آفتاب لایا ہوں

(ماہنامہ آج کل۔ نئی دہلی، فروری ۱۹۷۰ء)

عیسائی مذہب سے متعلق کتابیں اور رسالے

آزادی، اقلیتیں، امن	پوپ جان پالII رفیق	
آئینۂ دل	نامعلوم	نول کشور پریس لکھنؤ رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر۳۸۔مذہب
ازدواج کا سفر	لیاقت قیصر	ـ
اُسے تنگ مت کرو	شاذیہ صغیر	مکتبہ Anaveem پاکستان
اعتراضات المسلمین	ـ	ـ
اقلیت کی الہیات	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
القادر	ارنسٹ علامہ پال	ـ
القدوس	یوسف مسیح یاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
الہامات مغرب (انجیل مقدس کے باب)	منور لکھنوی	ـ
الہیٰ عشق کی آگ	فادر یعقوب شہزاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
انصاف کی روحانیت	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
انگنت انجم	ارنسٹ علامہ پال	ـ
انمول موتی	ارنسٹ علامہ پال	ـ
ایشیائی تھیالوجی کی تلاش	آفتاب جیمز پال	مکتبہ Anaveem پاکستان
اے خاتون!	صدیق پطرس	مکتبہ Anaveem پاکستان
ایک اور دیوانگی	ـ	مکتبہ Anaveem پاکستان
ایمان کا محافظ	جارج پال	مکتبہ Anaveem پاکستان
ایمان کے کرشمے	عیمانوئیل شاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
بائبل اور انصاف	فادر رحمت راجہ مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
بائبل اور سماج	فادر سلیم انجم رپسچل کیمنٹ مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
بائبل کی بشارت بحق سرورِ کائنات	مفتی محمد صادق	اللہ بخش پریس قادیاں رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۳۹۳۔مذہب
بائبل، قرآن اور سائنس	ثناالحق صدیق	تاج کمپنی دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۱۰۹۴۔مذہب

بستان التفاسیر پارہ تبارک الذی	شاہ عبدالعزیز	مشن پریس لدھیانہ رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۹ مذہب
بشارت کے طریقے	برکت اے خان	۔
بغاوت اور بشارت	مترجم عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
پاشکا میں شراکت	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
پانی اور روح کی خوش خبری	پول۔سی۔جونگ	۔
پانیوں پر پرواز (شعری مجموعہ)	ڈینیل جاوید	۲۰۰۷ء
پُرفضل کنواری	ارنسٹ علامہ پال	۔
پریشان خاندان	جوزفین نواب (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
پنجاب میں مسیحیت	فادر عنایت برنارڈ	مکتبہ Anaveem پاکستان
پیدائشِ عالم	ارنسٹ علامہ پال	۔
تعلیمی نظامِ تحفظ	انور انتھونی (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
تعلیمی ترقی اور مسیحی ادارے	نجمہ ڈینیل	مکتبہ Anaveem پاکستان
تلمڈ	اسٹیفن بشیر	مکتبہ Anaveem پاکستان
توریت اور تربیت	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
تومارسول ہندوپاک	ڈاکٹر یوسف مسیح یاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
تیسری دنیا کی مریم	الیاس بھٹی (مدیر)	مکتبہ Anaveem پاکستان
تیسرے ہزار سالہ دور کی آمد	پوپ جان پال II	مکتبہ Anaveem پاکستان
جمالِ شہادت	یوسف مسیح شاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
جوشوا	فادر فرانسس تنویر	مکتبہ Anaveem پاکستان
چراغِ راہ	ارنسٹ علامہ پال	۔
حق کی حمایت	حامد ہنری (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
حقیقت المسیح	ارنسٹ علامہ پال	۔
حقیقت المسیح	سید ابواحمد رحمانی	دلی پرنٹنگ پریس رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۴۰۔مذہب
حقائقِ بائبل	ارنسٹ علامہ پال	۔
حلِ مشکلات، حصہ اول	جیمس	نول کشور پریس لکھنؤ، ہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۳۷۔مذہب

خاتونِ نور	عاکف شہزاد	مکتبہ Anaveem پاکستان
خاندان میں تربیت	ایرک سلوسٹر	مکتبہ Anaveem پاکستان
خدا کا مقدمہ	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
خدا کی بات	ارنسٹ علامہ پال	-
خدا کی زبان	ارنسٹ علامہ پال	-
خدا کی شبیہ پر	نسرین ڈینیل	مکتبہ Anaveem پاکستان
خدا کی کتاب	ارنسٹ علامہ پال	-
خدا محبت ہے	برکت اے خان	-
خدا روح ہے	برکت اے خان	-
{خداوند مسیح کی انجیل	نا معلوم	بسٹ مشن کلکتہ، ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۰۔ مذہب
ترجمہ از یونانی (دوم)}		ولیمداس پریس لندن، ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۹۔ مذہب
خود انحصاری	پوپ جان پال II	مکتبہ Anaveem پاکستان
خوشخبری	برکت اے خان	-
دائمی عہد بندی	عیمانوئیل عاصی (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
داؤد	جی ایم فیلکس رقمر امرت	
دنیا کے منجی	برکت اے خان	-
دورِ حاضرہ میں بشارت	برکت اے خان	-
راست بازی کا راستہ	فادر سلیم انجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
روح میں تازہ تحریک	عاکف شہزاد (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
رسالت کے اُفق	ذکیہ طارق	مکتبہ Anaveem پاکستان
رسولی جانشینی	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
رفاقت المسیح	ارنسٹ علامہ پال	-
رہائی کی تحریریں	فادر سلیم انجم (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
زاویے (منظوم)	فادر سندر صدیق مارک	-
زیارت گاہیں	فادر عنایت برنارڈ (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان

ساکرامنٹ اور معاشرت	گلزار وفا چوہدری (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
سالِ جوبلی	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
سلامتی کا شہزادہ	برکت اے خان	ـ
شادی بیاہ	ثاقب خادم	مکتبہ Anaveem پاکستان
صلیب بجواب کسر صلیب	ارنسٹ علامہ پال	ـ
صوفی روحانیت	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
ضعیفوں کا احترام	جی۔ ایم فیلکس	مکتبہ Anaveem پاکستان
طالبانِ حق	ڈی ڈی ایف خیر	ـ
عالم اور درویش	عیمانوئیل نذیر مانی	مکتبہ Anaveem پاکستان
عالمگیر کلیسا اور مقامی کلیسائیں	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
عبادتی موسیقی	ایرک سرور	مکتبہ Anaveem پاکستان
عصر حاضر کا داؤد	عظیم عمار۔ مدیر	مکتبہ Anaveem پاکستان
عہدِ عتیق میں خدا کو جانیں	پادری مبارک۔ ایم گل	ـ
عیسیٰ کی سیرت	نامعلوم	مشن پریس لدھیانہ، ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۳۔ مذہب
عیسائیت: تجزیہ ومطالعہ	پروفیسر ساجد میر (۴۸۱ صفحات)	مکتبہ دارلسلام، پاکستان
غریبوں سے بشارت	فادر رحمت راجہ مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
غریبوں کا مقدمہ	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
فضل دکھیا	عیمانوئیل نذیر مانی	مکتبہ Anaveem پاکستان
فیصلے کی گھڑی	پطرس انتھونی	مکتبہ Anaveem پاکستان
قومی مسیحی مشاہیر	حامد ہنری	مکتبہ Anaveem پاکستان
کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ۔		لندن ر دہلی پرنٹنگ پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۹۴۸۔ مذہب
کڑوا گھونٹ (منظوم)	فادر سندر، صدیق مارک	ـ
کڑ دے دانے	پال پیٹر کرسٹوفر	ـ
کلیسا	بشپ پطرس یوسف	مکتبہ Anaveem پاکستان
کلیسا اور بشارت	فادر یوسف گل	مکتبہ Anaveem پاکستان

کلیسا اور رہائی	فادر سلیم انجم (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
کلیسا اور مقدس مریم	فادر صدیق پطرس	مکتبہ Anaveem پاکستان
کنواری سے پیدائش	ارنسٹ علامہ پال	۔
کھلے خطوط	فادر عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
کیپوچن مشاہیر	عیمانوئیل نذیر مانی مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
کیتھولک سماجی شعور	مشتاق اسد، شہباز عبدالسنان مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
گوہر پارے	۔	مکتبہ Anaveem پاکستان
لبریشن تھیولاجی کا تعارف	مونیکا جوسف، رنا بلال رفیق مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
لوک روحانیت	عقیلہ صدیقی	مکتبہ Anaveem پاکستان
لوگ لگن	فادر عنایت برنارڈ ۔	مکتبہ Anaveem پاکستان
لوگ مجھے کیا کہتے ہیں	حامد ہنری (مدیر)	مکتبہ Anaveem پاکستان
مٹی کے مسافر	حنیف نثار	مکتبہ Anaveem پاکستان
محبت اور قربانی	برکت اے خان	۔
محبت کی ڈوریاں	فادر عیمانوئیل عاصی (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
مدر ٹریسا	لیتھلین وائٹ	مکتبہ Anaveem پاکستان
مذاہب کہتے ہیں	ذکیہ طارق	مکتبہ Anaveem پاکستان
مذہب اور سائنس	اسلم پیٹر	مکتبہ Anaveem پاکستان
مذہب اور معاشرہ	فادر پسچل رابرٹ	مکتبہ Anaveem پاکستان
مذہبی آزادی	پوپ جان پال II	مکتبہ Anaveem پاکستان
مریم آباد: یادوں کے سو سال	فادر جوسف ارشد	مکتبہ Anaveem پاکستان
مریم اور انسانی آزادی	رفیق راہپائل	مکتبہ Anaveem پاکستان
مسیحی اخلاقیات	بشپ پطرس یوسف	مکتبہ Anaveem پاکستان
مسیحی تعلیم اور مسیحی معمول	فادر ارشد عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
معاشرہ اور یسوع	سیموئیل صابر	مکتبہ Anaveem پاکستان
مقامی اُسقفی قیادت	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان

مقامی تھیولاجی	شہباز عبدالمنان رفادر سلیم انجم مترجم	مکتبہ Anaveem پاکستان
مقدس اگنیشیس کی روحانی مشقیں	ذکیہ جمال (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
مقدس مریم اور مومن شاگردہ	فادر صدیق پطرس	مکتبہ Anaveem پاکستان
مقدس مریم کے الٰہی القابات	فادر صدیق پطرس	مکتبہ Anaveem پاکستان
مسلمانوں کے دوست	برکت اے خان	ـ
مسیح ابنِ اللہ	برکت اے خان	ـ
مسیح خادم کی رویا	لیاقت قیصر	ـ
مسیحی خاندانی زندگی کا بھید	باسط اعجاز	مکتبہ Anaveem پاکستان
مسیح کی پیروی	نامعلوم	مفید عام پریس لاہور رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۵۔ مذہب
مسیح کا نمونہ	ڈاکٹر اسٹاکر	مفید عام پریس لاہور رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۳۴۔ مذہب
مسیحی زندگی میں انجیل کا تجربہ	کے ڈی آنند	دیال پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری نمبر ۴۱۴۔ مذہب
مسیحیت علمی اور تاریخی حقائق کی نظر میں	شمس تبریز خاں	لکھنؤ پریس، ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۵۳۔ مذہب
معجزاتِ مسیح	ابنِ زورا	ـ
معیاری مسیحی خادم	لیاقت قیصر	ـ
مقامِ مریم	ارنسٹ علامہ پال	ـ
مومن مبشر	رافائیل	مکتبہ Anaveem پاکستان
ناصری کا انقلاب	فادر سلیم انجم (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان
نجات اور آزادی	فادر رحمت راجہ	مکتبہ Anaveem پاکستان
نجات دہندہ	برکت اے خان	ـ
نقشِ قدم	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
نغمۂ مریم	افشان ایرم (مدیر)	مکتبہ Anaveem پاکستان
نیا عہد نامہ اور مقدس مریم	فادر صدیق پطرس	مکتبہ Anaveem پاکستان
نیک اعمال اور نجات	برکت اے خان	ـ
وہ جو ماہی گیر تھا	صبح صادق لوئیس	مکتبہ Anaveem پاکستان
وہ نبی	برکت اے خان	ـ

یسوع بنظرِ لوکا	عیمانوئیل عاصی	مکتبہ Anaveem پاکستان
یسوع مسیح سے پہلے	عیمانوئیل عاصی (مترجم)	مکتبہ Anaveem پاکستان

اچھا چرواہا۔ المائدہ۔ پیام۔ تعدیب (ڈینیل جاوید)۔ تلاش۔ دیس ہمکاری۔ روشنی۔ زیر وزبر۔ ساون۔ شاداب۔ شعور۔ صحت۔ صدائے اقلیت۔ صلوم۔ فضلوں کی ماں۔ قاصدِ جدید۔ کلام حق۔ کیتھولک نقیب۔ مسیحی خادم۔ مشعل۔ ہم سخن (ایمونیل ظفر)۔ ہم قلم۔

کچھ مسیحی شعراء و ادباء

ارنسٹ علامہ پال۔ اسٹیفن بشیر۔ اسلم پیٹر۔ اسلم ضیائی۔ اعجاز گل۔ افشان ارم۔ الیاس بھٹی۔ انور سجاد انور۔ انور انتھونی۔ ایرک سرور۔ ایس ایس ریحانی لکھنوی۔ ایس کے داس۔ ایمونیل ظفر۔ (علامہ) برکت اللہ۔ برکت اے خان۔ (ڈاکٹر) بشیر خزاں۔ بھگت پریم۔ بی ایس جارج جارج۔ بیتاب سنسار پوری۔ پال جیکب (پ۔ ۱۹۵۸ء)۔ پرویز شیرف۔ پطرس انتھونی۔ پطرس یوسف۔ پیارے لال شاکر (شاعر)۔ جان البرٹ پال نادر شاہجہانپوری۔ جاوید صدیق بھٹی۔ جوزف ارشد۔ عیمانوئیل جوزف انور اجمیری۔۔ جوزفین نواب۔ جے ایس فانی اکبر آبادی۔ جیکب ڈین شاد۔ چاند ضیا، چرن جوسف۔ چودھری گلزار وفا، حامد ہنری۔ حسرت، بی۔ ایم۔ ڈینیل جاوید۔ ڈی اے ہیریسن قربان۔ فادر رحمت راجہ۔ رحمت سرور مسیح۔ سادھو سندر سنگھ۔ سردار مسیح روز امرتسری۔ سرفراز تبسم۔ صدیق پطرس۔ فادر سلیم انجم۔ سندر فادر صدیق مارک۔ سیموئیل وکٹر بھجن طالب شاہ آبادی۔ عیمانوئیل شاد۔ شوق جالندھری۔ شہباز یونس (۱۹۴۹ء)۔ صابر یونس۔ عیمانوئیل عاصی۔ عالم پیسٹر بشیر۔ (فادر) عنایت برنارڈ۔ فرینک صفی اللہ خیر اللہ (۱۹۹۷۔۱۹۱۴ء) فیروز کنول۔ قیصر سلطان، کے۔ آر ضیا (شاعر)۔ لیاقت قیصر۔ محمود شمس۔ نجم الدین اختر نجمہ ڈینیل۔ نذیر قیصر۔ عیمانوئیل نذیر مانی۔ نذیر ہارون۔ نسرین ڈینیل۔ نعیم سلیم۔ واعظ، رحمت مسیح۔ یعقوب شہزاد۔ یوسف گل۔ یوسف مسیح یاد۔ یونس وریام، وغیرہ......(نامکمل)

ہندو دھرم

ہندو لفظ سندھو کا دوسرا نام ہے۔ سندھو وہ دریا ہے جو ہندوستان کے شمال مغرب میں بہتا ہے اور ہندوستان کو مغربی ملکوں سے جدا کرتا ہے۔ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں نے اس ملک کو سندھو کہنا شروع کر دیا تھا۔ ایران کے باشندے سندھو کو ہندو کہنے لگے۔ یونانیوں نے بھی اس کو سندھو کی جگہ اندوس کہا۔ اسی سے انڈین لفظ بن گیا۔ چین اور جاپان کے لوگ اس کو شنٹو کہتے تھے۔ اس طرح دریائے سندھو کے مشرق کی طرف رہنے والے لوگ ہندو کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا مذہب ہندو دھرم ہو گیا۔ لیکن زمانۂ قدیم میں یہ لوگ آریہ کہلاتے تھے اور ان کا مذہب آریہ دھرم کہلاتا تھا۔ اس مذہب کا دوسرا نام ویدک دھرم بھی تھا۔ اسی کو سناتن دھرم بھی کہتے تھے۔ یعنی وہ دھرم یا مذہب جس کا نہ کبھی آغاز ہوا ہو اور نہ کبھی اس کا انجام ہوگا۔ یعنی ہمیشہ قائم رہنے والا دھرم۔ اسی مذہب کو مانو دھرم یعنی انسان کا دھرم بھی کہا جاتا تھا۔ اس وقت دنیا میں کوئی دوسرا مذہب نہیں تھا۔ ایک زمانہ کے بعد دوسرے تمام زندہ مذہب پیدا ہوئے۔ یہ مذہب شاید سب سے قدیم ہے اور قدیم ترین زمانہ سے اب تک کچھ تبدیلیوں کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ اس کو کسی انسان کا بنایا ہوا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہر زمانہ میں اس کا چولا کچھ تبدیل ہوتا رہتا ہے، لیکن اس کی روح وہی قائم رہتی ہے۔ اس لیے اس کو سناتن دھرم یعنی ہمیشہ قائم رہنے والا مذہب کہتے ہیں۔

مذہب کے معنی ہیں دنیا اور عقبیٰ خدا اور انسان کے فرائض اور زندگی کے مقاصد کے متعلق ایسے تصورات جن کو انسان تسلیم کرتا ہے۔ ان کی صداقت اور مناسبت پر یقین کر کے ان پر عمل کرتا ہے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالتا ہے۔ ہندوؤں میں ایسے تصورات بہت قدیم زمانہ سے ایک مجموعی شکل میں چلے آ رہے ہیں اور وہ کسی خاص انسان کے ایجاد کیے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ ویدوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ہندو دھرم یا مذہب کو ویدک مذہب بھی کہا جاتا ہے۔ وید ہندوؤں کی سب سے قدیم اور مقدس کتابیں ہیں، جن کا الہام رشیوں کو ہوا تھا اور جو انھوں نے دوسروں کو سنائے تھے۔ اس لیے ویدوں کو شروتی یعنی سنا ہوا کلام بھی کہا جاتا ہے۔ ویدوں میں ایسے بہت سے خیالات پائے جاتے ہیں جن کو ہندو آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ سوامی دیانند کے

مانند کچھ لوگوں کا یہ یقین ہے کہ ویدوں میں جن خیالات کی تعلیم دی گئی ہے وہی اصلی ہندو دھرم ہے جس کو وہ آریہ دھرم کہتے ہیں۔ بعد میں ان میں اور بہت سے خیالات کا اضافہ ہوا ہے۔ وہ اصلی آریہ دھرم نہیں ہے۔ اس لیے دھرم کے معاملہ میں وید ہی کو سب سے عظیم ذریعہ علم یا پرمان ماننا چاہیے۔ یہ خیال تقریباً تمام ہندوؤں کا ہے۔ اور بالعموم وید ہی ہندو مذہب کے اعلیٰ ترین ذرائع علم تصور کیے جاتے ہیں۔ دوسرے شاستر صرف اس حد تک پرمان یا ذریعۂ علم تسلیم کیے جاتے ہیں جہاں تک کہ ان میں اور ویدوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ ویدوں کی تعلیمات کی تصدیق ''سمرتی'' اور اتہاس یعنی ''رامائن'' اور ''مہابھارت'' وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ جہاں ان کی وضاحت بڑی تفصیل سے کی گئی ہے۔

ہندو مذہب کی مقدس کتابیں

وید چار ہیں یعنی رگ وید، یجروید، سام وید، اتھروید۔ ان ویدوں کے چار خاص حصے ہیں۔ سنگھتا یعنی منتر، براہمن، آرنیک اور اپنشد۔ سنگھتا میں دیوتاؤں یا قدرتی طاقتوں کی حمد وثنا ہے۔ ان کو گاکر آریہ لوگ دیوتاؤں کو خوش کر کے منہ مانگی مرادیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

براہمن وہ حصہ ہے جس میں دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے آگ میں ہون کر کے ان کو بہت سی کھانے پینے کی چیزیں دے کر یگیہ کیا کرتے تھے۔

ارنیک وہ حصہ ہے جس میں ان تصورات کا ذکر ہے جن پر آریہ لوگ جنگل میں جاکر اور وہاں زندگی بسر کرتے ہوئے، غور وفکر کیا کرتے تھے۔

اپنشد وہ آخری حصہ ہے جس میں آریہ لوگوں کے گہرے اور بلند ترین روحانی تجربات اور خیالات کا ذکر ہے جو ہمیں گرو اور چیلوں کے درمیان مکالموں کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔

کچھ زمانہ کے بعد لوگوں نے ویدوں کی تعلیمات کے زیر اثر ایسی تصانیف کیں جن میں ویدوں کے تصورات کی تعبیر کر کے آسان فہم زبان میں مذہبی خیالات کا اظہار کیا گیا۔ یہ اٹھارہ (۱۸) کتابیں ہیں جن کو ''سمرتی'' کہا جاتا ہے اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا لوگوں میں سمجھنے کی طاقت کم ہونے لگی اور ان کی ضروریات بھی کافی تبدیل ہوگئیں تو عالموں نے ویدک دھرم کی اشاعت کے لیے تاریخ کی طرز کی کتابیں اور پران وغیرہ کا لکھنا شروع کیا جس کے ذریعہ سے

زندگی میں ان مذہبی اصولوں کو عمل میں لانے کے طریقے بتلائے گئے۔ رامائن، مہابھارت اٹھارہ بڑے پران اور اٹھارہ چھوٹے پران اسی مقدس مذہبی ادب کے نمونے ہیں۔ اس کے علاوہ عالموں نے ویدوں کے فلسفہ کے اصولوں کی عقلی طور پر تائید اور توضیح کرنے کے لیے کتابیں لکھیں۔ ان سب میں روحانی اور مذہبی تصورات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح ہندوؤں کا تمام ادب مذہبی ہے اس لیے کہ تمام کتابوں میں وید میں بتلائے ہوئے اصولوں پر زندگی میں کس طرح عمل کیا جاسکتا ہے، ان ہی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔

ہندو مذہب کے اصول

اپنشدوں کی تعلیم کے مطابق اس کائنات کی تہہ میں ایک روحانی وجود ہے جس سے یہ تمام کائنات پیدا ہوتی ہے، جس میں یہ سب کائنات موجود رہتی ہے اور جس میں فنا ہو جاتی ہے۔ اس کو برہمہ کہتے ہیں۔ دنیا کی سب چیزیں اور روحیں اسی کا ظہور ہیں اور وہ سب کا حاکم اور پرورش کرنے والا ہے۔ اس طرح تمام کائنات روحانی ہے اور اس کو چلانے والا ایک خدا ہے جو خالق بھی ہے اور جس نے بغیر کسی امداد کے اس کو پیدا کیا ہے اور چلا رہا ہے۔ اس میں بے حد طاقتیں موجود ہیں۔ ان میں سے قوتِ تخلیق کو ''مایا'' یا ''پرکرتی'' کہا جاتا ہے۔ اسی قوت یا شکتی سے وہ اپنے آپ کو برہمہ یعنی خالق، وشنو یعنی پرورش اور قائم رکھنے والا اور شیو یعنی فنا کرنے والے کی شکلوں میں ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے برہمہ، وشنو اور شیو یہ تینوں شکلیں ایک برہمہ کی ہی ہیں جو اس نے تین عظیم کام انجام دینے کے لیے اختیار کر رکھی ہیں۔ ہندو مذہب کے پیرو برہمہ کو تو آخری اور سب جگہ موجود رہنے والی ہستی مانتے ہی ہیں۔ لیکن تین بڑے دیوتا برہمہ، وشنو اور شیو کو بھی اسی طرح مانتے اور ان کی پوجا اور حمد وثنا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے نام سے الگ الگ فرقوں میں منقسم بھی ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگ برہمہ کو، کچھ وشنو کو اور کچھ شیو کو ہی سب سے بڑا دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا اور اس کی بھکتی کرتے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں کئی ایک فرقے بن گئے ہیں جو اپنے اپنے دیوتاؤں کو سب سے بڑا دیوتا مانتے ہیں لیکن دراصل برہمہ ہی سب سے بڑا دیوتا ہے۔ جس کی یہ سب شکلیں ہیں۔ چوں کہ برہمہ ہی سب کی علت ہے اور ہر ایک چیز اس کا ظہور ہے۔ اس لیے انسان کی روح بھی برہمہ ہے۔ جیسے سونے سے بنے ہوئے تمام زیورات سونا ہی ہیں اور مٹی سے

بنے ہوئے برتن مٹی ہیں، اسی طرح یہاں سب کچھ برہمہ ہی ہے۔

قدرت کی جتنی طاقت ور چیزیں جیسے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، دریا، سمندر، برق اور برسات وغیرہ ہیں، ان سب میں برہمہ یا پرماتما کی طاقت کام کر رہی ہے اور ان سب کو دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح ہندو بے شمار دیوتاؤں کو مانتے اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔

اس کائنات میں لطیف اور کثیف بہت سے طبقے ہیں اور ہر طبقہ کے اپنے رہنے والے ہیں۔ کچھ طبقے دیوتاؤں کے رہنے کے ہیں جن کو سورگ یا بہشت کہتے ہیں۔ کچھ طبقے نرک یا دوزخ کہلاتے ہیں، جہاں گنہگاروں اور برا کام کرنے والوں کو مرنے کے بعد رکھا جاتا ہے۔

اوتار: وشنو ایسا منتظم دیوتا ہے جو دنیا کی پرورش اور حفاظت کرتا ہے۔ وہ کبھی کبھی اس دنیا میں پیدا ہو کر اس کے انتظام میں خرابی کو دُور کر کے اس میں دخل دے کر اس کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ اسی کو اوتار کہتے ہیں۔ اس طرح اب تک نو اوتار ہو چکے ہیں، جن کے نام مچھ، کچھ، ورہ، نرسنگھ، پرشورام، وامن، رام، کرشن اور بدھ ہیں۔ ان اوتاروں نے نہایت نازک وقت میں ظاہر ہو کر دنیا کو ترقی کی راہ پر چلایا ہے۔ ہندو اِن اوتاروں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور ان کے نام پر مندر بنواتے ہیں۔ کرشن جی نے گیتا میں کہا ہے کہ ”جب کبھی دھرم کو زوال آجاتا ہے اور برے انسان نیکوں پر غالب ہو کر انھیں ہر طرح کی تکلیف پہنچاتے ہیں اور ادھرم کو فروغ ہو جاتا ہے تو میں کسی نہ کسی شکل میں نمایاں ہو جاتا ہوں۔ راست باز کی حفاظت، کج روی کی تباہی اور دھرم کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لیے مَیں مختلف زمانوں میں اوتار لیتا ہوں۔“

انسان صرف مادی جسم ہی نہیں ہے بلکہ روح بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک سوکشم شریر یعنی لطیف جسم ہے اور ایک علتی جسم، یعنی کارن شریر ہے۔ جس میں گزشتہ جسموں کے سنسکار یعنی خواہشات کے اثرات موجود رہتے ہیں۔ مادی جسم تو مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن لطیف جسم جس کو سوکشم شریر کہتے ہیں وہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے اندر علتی جسم اور اس کے ساتھ روح کو لے کر اسی جہان میں یا دوسرے کسی جہان میں ایک نیا جسم حاصل کر کے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح تناسخ کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور اپنے کرموں کے مطابق پھل بھگتنے کے لیے مرنا اور دوبارہ پیدا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی چھوٹے بچوں کو اپنے گذشتہ جنم کی کچھ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ اس طرح بار بار جینے مرنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ روح کو موکش یا نجات حاصل نہ ہو جائے۔ موکش کیسے حاصل ہوتا ہے۔

کرم، بھکتی اور گیان، موکش حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔

اپنے تمام فرائض کو کسی نتیجہ کی خواہش کے بغیر ایشور کے سپرد کرتے ہوئے انجام دینے سے کرموں کے قید کے اثرات سب غائب ہو جاتے ہیں اور اپنی اصلی ماہیت کا صحیح علم پیدا ہو جانے سے گزشتہ جنموں کے کیے ہوئے کرم بھی فنا ہو جاتے ہیں۔

کرم تین طرح کے ہوتے ہیں۔(۱) ''سنچت''، یعنی گزشتہ جنموں میں کیے ہوئے کرموں کا مجموعہ۔(۲) ''کریہ مان''، یعنی اس زندگی میں کیے جانے والے کرم جن سے سنچت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔(۳) ''پرار بدھ'' یا تقدیر ایسے کرموں کو کہا جاتا ہے جن کا پھل اس زندگی میں ملنا شروع ہو گیا ہے۔اسی کو مسلمان قسمت کہتے ہیں اور ہندو بھاگیہ کہتے ہیں۔

تمام کرموں کا نتیجہ بھگتنا ہی پڑتا ہے اور اسی وجہ سے بار بار جنم لینا پڑتا ہے۔لیکن جو کرم نتیجہ کی خواہش کے بغیر کیے جاتے ہیں اور صرف فرائض سمجھ کر ایشور کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں ان کا کوئی پھل کرنے والے کو نہیں ملتا۔ بلکہ ایسے نشکام کرم سے آتما صاف وشفاف ہو جاتی ہے اور بار بار پیدائش اور موت کے چکر سے بچ کر روح بالکل آزاد ہو جاتی ہے۔

موکش کے حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ ایشور کی بھکتی ہے۔ایسی بھکتی جس میں ایشور کے سوائے اور کسی شخص یا چیز سے پیار نہ ہو۔اس دنیا اور عقبیٰ کی تمام خواہشوں کو ترک کر کے صرف ایک ایشور سے محبت ہو اور ہر دم اس کو ہی پانے اور اسی سے وصال کی تمنا میں محور ہے۔

موکش حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ گیان یا علم معرفت ہے۔جس سے انسان یہ تحقیق کر لیتا ہے کہ اس کی آتما برہمہ ہی ہے اور آزاد ہے۔ برہمہ سے جدا ہونا تو ایک دھوکا ہے۔ جو انسان اپنی باطنی بصیرت سے اچھی طرح یہ پہچان لیتا ہے کہ وہ ہمیشہ برہمہ میں جذب ہو کر اپنے آپ کو سب کی آتما سمجھتا ہوا سب کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتا ہے اور صرف برہمہ گیان میں محورہ کر سب جگہ برہمہ ہی برہمہ دیکھتا ہے اور ہر قسم کی شنویت کو ختم کر دیتا ہے، وہ اس زندگی میں نجات پائی ہوئی روح کی طرح رہتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح برہمہ میں ہمیشہ کے لیے جذب ہو جاتی ہے۔ اس کو پھر کسی جسم میں پیدا نہیں ہونا پڑتا۔گزشتہ جنموں سے جمع ہوئے سنچت کرم علم معرفت کی تیز آگ میں جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔اور کسی قسم کے کرم کا کوئی بھی تعلق باقی نہ رہنے سے وہ آتما مقدس برہمہ ہو جاتی ہے۔

تناسخ یعنی بار بار پیدائش اور موت کا عقیدہ نہ صرف ہندوؤں میں بلکہ جینیوں اور بودھوں

میں بھی ہے۔ان تینوں مذاہب میں اس سے بچنے کے لیے کرم، بھکتی اور گیان کے طریقے بتلائے گئے ہیں۔

زندگی کے چار مقصد

اس زندگی میں موکش حاصل کرنا ایک اہم مقصد ہے لیکن اس کے حاصل ہونے تک اچھی طرح سے زندگی بسر کرنا چاہیے۔اس لیے ہندو دھرم میں انسان کو چار چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان کو حاصل کرنے کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور وہ ہیں: دھرم، ارتھ، کام، موکش۔

دھرم ان اخلاقی اصول اور رہنے سہنے کے طریقوں کو کہا جاتا ہے جن پر عمل کرنے سے انسان تندرست، خوش اور پُرسکون زندگی بسر کرسکتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہم آہنگی سے رہ سکتا ہے۔ یہاں دھرم کے معنی مذہب کے نہیں ہیں بلکہ ایسے اخلاقی اصول کے ہیں جو ہر ایک انسان کے لیے ضروری ہیں۔اس مضمون پر ہندوؤں کے یہاں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔راماین، مہابھارت اور تمام منوسمرتی وغیرہ کتابوں میں مثالوں کے ذریعہ اس کی خوب وضاحت کی گئی ہے۔

منوسمرتی میں مشہور رشی منو نے دھرم کے حسب ذیل دس اصول سے بحث کی ہے، جو تمام انسانوں کے لیے قابل تسلیم اور قابل عمل ہیں۔

(۱) دھرتی یا خیال کے مطابق عمل کرنے کی ہمت (۲) کشما یعنی معافی (۳) دم یعنی من پر قابو پانا (۴) اچوریم یعنی چوری نہ کرنا (۵) شاوچ یعنی اندرونی و بیرونی صفائی (۶) اندریہ نگرہ یعنی اپنے تمام حسوں کو قابو میں رکھنا (۷) دِھی یعنی عقل سے کام لینا (۸) ودیا یعنی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا (۹) ستیہ یعنی ہمیشہ صداقت کا برتاؤ کرنا (۱۰) اکرودھ یعنی غصہ نہ کرنا۔اور شاستروں میں اہنسا (یعنی کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا) پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔اور اس کو پرم دھرم یعنی سب سے بلند اخلاق تصور کیا گیا ہے۔مہاتما گاندھی نے بھی ستیہ اور اہنسا کو سب سے اعلیٰ دھرم تسلیم کیا ہے اور سب لوگوں نے دان یعنی خیرات اور دیا یعنی رحم و کرم کو بھی اُونچا دھرم بتلایا ہے۔دھرم پر اپنی زندگی میں عمل کیے بغیر کوئی بھی انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

دھرم کی تشریح کرتے ہوئے منو نے بتلایا ہے کہ لفظ دھرم جس مصدر سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں ''قائم رکھنا'' اس لیے دھرم ایسے اصول ہیں۔جن پر انسان کا سماج اور انسان کی زندگی

قائم رہتی ہے۔ ویشیشک درشن کے مصنف کنادرشی نے کہا ہے کہ جن اصولوں پر عمل کرنے سے دنیا اور عقبیٰ میں ترقی، خوش حالی اور شانتی حاصل ہوتی ہے ان کو دھرم کہتے ہیں۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ دھرم کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیے۔ ویاس جی نے پرانوں میں واضح کیا ہے کہ سب سے بڑا دھرم دوسروں کی بھلائی کرنا ہے اور سب سے بڑا پاپ یا ادھرم دوسروں کو دکھ دینا ہے۔ مہابھارت میں بتلاتا گیا ہے کہ ہر ایک انسان کو دوسروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اپنے لیے دوسروں سے کرانا چاہتا ہے۔ یہ سنہرا اصول تقریباً تمام مذاہب میں تسلیم کیا گیا ہے۔

اخلاقی اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک انسان کو اپنی زندگی میں دولت بھی کمانا چاہیئے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی کی تمام ضروریات مکمل ہوسکیں۔ اس کو ''ارتھ'' کہتے ہیں۔ یہ دوسرا مقصد ہے۔ دھرم کے ذریعہ دولت کما کر انسان کو آرام کی زندگی بسر کرنا چاہیے تا کہ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ یہ تیسرا مقصد ہے جس کو ''کام'' یا نفسی خواہش کہا گیا ہے۔ ان تینوں مقاصد کو حاصل کرکے بالآخر انسان کو موکش حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تا کہ وہ پھر بھی اس دنیا میں نہ آئے اور تناسخ کے چکر میں گرفتار نہ ہو۔

انسان کو چاہیے کہ اپنی ناپائدار اور محدود زندگی کو اس طرح عقلمندی سے بسر کرے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام مقاصد حاصل ہوسکیں۔ اس کے لیے ہندوؤں نے زندگی کی چار حصوں میں تقسیم کی تھا۔ ہر ایک حصہ کو ایک ''آشرم'' کہا جاتا ہے۔ زندگی کو ایک سو سال کی سمجھ کر ہر ایک آشرم کو پچیس سال کی مدت دی گئی تھی۔ پہلا آشرم ''برہمہ چریہ آشرم'' کہلاتا ہے۔ اس میں جسم کو مضبوط، طاقت ور اور بہت تندرست بناتے ہوئے سب طرح کا ضروری علم حاصل کیا جاتا ہے اور جسم، من اور روح کو تندرست رکھنے کے لیے یوگ کی مشقیں اور ریاضتیں سکھائی جاتی ہیں اور ان پر عمل کرایا جاتا ہے۔ اس طرح پچیس سال گزرنے کے بعد جب طالب علم برہمہ چریہ آشرم کی تعلیم ختم کرکے گورو کے آشرم سے واپس آتا ہے تو وہ دوسرے ''گرہستھ آشرم'' میں داخل ہوتا ہے۔ وہ یہاں شادی کرتا ہے اور اپنا ایک گھر بساتا ہے، اولاد پیدا کرتا ہے اور دولت کما کر اپنی آل واولاد کو تربیت دیتا ہے۔ اس طرح وہ سماج کا ایک اچھا رکن بن جاتا ہے۔ جب اس آشرم میں اس کے پچیس سال ختم ہوجاتے ہیں اور اس کے بچے بڑے ہوجاتے ہیں تو وہ پچاس سال کی عمر میں ''بان پرستھ آشرم'' میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی گھر بار چھوڑ کر جنگل میں رہنا پسند کرتا ہے۔ جہاں وہ اپنی

بیوی کے ساتھ الگ رہ کر دوسروں کی سچی خدمت کرتا ہے اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔ چوتھا آشرم ''سنیاس آشرم'' ہے جس میں وہ اپنے (۷۵) برس کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔ اس آشرم میں وہ آتم گیان اور یوگ کی ریاضت کر کے موکش حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سب دنیاوی فرائض اور دنیاوی خواہشات کو ترک کر کے صرف برہمہ کی ماہیت کے متعلق تحقیق کرتا رہتا ہے۔ اس آشرم میں وہ کھانا پینا کم کر کے پکا یوگی بننے کی کوشش کرتا ہے اور جنگل میں ہی گھومتا پھرتا رہتا ہے۔ وہ دنیا کے باقی آدمیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ صرف مسلسل روحانی ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہ ہے ہندوؤں کے آشرم کی اسکیم جس کو ہندو دھرم کا ایک جز و اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان اس زندگی میں دھرم، ارتھ، کام اور موکش کے تمام مقاصد حاصل کر لیتا ہے۔

سماج کو مضبوط بنیادوں پر رکھ کر ترقی دینے کے لیے ہندوؤں نے اپنے کو برہمن، کشتریہ، ویشیہ اور شودر کے چار فرقوں میں تقسیم کیا تھا۔ جس کو ''ورن ویوستھا'' کہا جاتا ہے۔ برہمن کا فرض ہے کہ سماج میں حصولِ علم کا انتظام کریں۔ اپنے آپ پڑھ لکھ کر دوسروں کو ہر طرح کا علم سکھا کر آنے والی پیڑھیوں کو عالم فاضل بنائیں۔ کشتریہ کا فرض یہ تھا کہ وہ سماج کی حفاظت کرے۔ ملک کے اندر باشندوں کی فلاح و بہبود کا انتظام کرے اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھے۔ ویشیہ وہ لوگ تھے جو ملک میں دولت پیدا کرتے اور باقاعدہ عام لوگوں میں تقسیم کر کے سب کے لیے رہنے سہنے اور کھانے پینے کی چیزوں کو دستیاب کراتے تھے۔ شودر وہ لوگ تھے جو صرف جسمانی کام کرتے تھے۔ سماج کی اچھی خدمت کرتے اور سب کو اپنے اپنے کام انجام دینے میں کافی مدد پہنچاتے تھے۔

کسی بھی سماج کی بہبودی کے لیے ایسے چار قسم کے آدمیوں کا ہونا سخت ضروری ہے۔ یونانی فلسفی فلاطون نے اس مسئلہ کی اہمیت پر کافی زور دیا ہے۔ لیکن ہندوستان میں جب سے یہ سب پیشے پیدائشی حق جتانے لگے اس وقت سے اس تعلیم و تربیت نے ذات پات کی شکل اختیار کر لی اور اس میں کئی ایک خرابیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو قدیم روایت کی بناء پر صرف کارکردگی اور ادائیگی فرائض کے طور پر قائم رکھا جائے اور استاد، پروفیسر، فوج اور پولیس، کسان اور تجارتی گروہ اور مزدور وغیرہ سب اپنے فرائض سے آگاہی رکھتے ہوئے قوم و ملک کی خدمت کے صحیح تصور کو مدنظر رکھ کر کام کریں۔ خود غرضی سے دُور رہیں۔ اور گیتا کی تعلیم کے مطابق خود غرضی کے خیال کر ترک کر کے صرف قوم کی یا ایشور کی سیوا سمجھ کر اپنے فرائض ادا کرتے چلیں۔

روزانہ کے فرائض

ہر ایک ہندو کا فرض ہے کہ وہ ہر روز پانچ مہا یگیہ کرتا رہے۔

برہمہ یگیہ : یعنی ہر روز مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنا اور اس پر غور و فکر کرنا اور ان کی تعلیم کے مَطابق زندگی بسر کرتے ہوئے برہمہ کا صحیح گیان حاصل کرنا۔

دیو یگیہ : یہ وہ یگیہ یا قربانی ہے جس میں دیوتاؤں کو یعنی قدرتی طاقتوں کو نذر پیش کی جاتی ہے ان کی عبادت کی جاتی ہے اور اپنی ترقی کے لیے پرارتھنا یا درخواست کی جاتی ہے۔

پتری یگیہ : اس میں گزرے ہوئے قدیم بزرگوں کو یاد کر کے ان کے لیے عقیدت سے پانی دیا جاتا ہے اور ان کی خوشنودی کے لیے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اتھی یگیہ : یعنی ہر ایک گرہستھ یا دنیاوی زندگی بسر کرنے والے کا فرض ہے کہ مہمان نوازی کرے۔ اگر کوئی اجنبی یا مہمان بغیر اطلاع دئے گھر آجائے تو اس کی خدمت کرے۔ اس کو کھلانا، پلانا اور اس کی خاطر تواضع کرنا ہر ایک انسان کا دھرم بتلایا گیا ہے۔

بھوت یگیہ : یعنی انسان کے علاوہ چوپائے اور پرندہ وغیرہ کو بھی کھانا دیا جاتا ہے۔ ہر ایک ہندو کا فرض ہے کہ روزانہ فرض کے تحت غیر انسان مثلاً گائے، کتا، اور کوے وغیرہ کو بھی کھانا دیتا رہے تاکہ وہ بھی اچھی طرح زندہ رہ سکیں۔

تین فرائض

ہر ایک ہندو کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ وہ دوسروں کا کس قدر قرضدار ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ان قرضوں کی ادائیگی شاستروں کی ہدایت کے مطابق کر کے شانتی حاصل کرے۔

رِتی رِن : یعنی رشیوں کا قرضہ۔ ان لوگوں نے ہمیں گیان دیا ہے۔ اور اس گیان کے لیے انھوں نے ہر طرح کی تحقیقات کیں اور کتابیں لکھی ہیں اس قرض کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ہم بھی آنے والی پیڑھیوں کے لیے گیان اکٹھا کریں' کتابیں لکھیں اور دوسروں کو علم کا دان دیں۔

دیو رِن : یعنی قدرتی طاقتوں یا دیوتاؤں کے ہم بے حد مقروض ہیں۔ انھوں نے ہمیں روشنی' حرارت' پانی وغیرہ دے کر اس دنیا میں ہماری مسرور زندگی کو ممکن بنایا ہے ہمیشہ اُن کی یاد اُن کا ذکر'

اُن کی عبادت اوراُن کے لیے آگ میں گھی اوراناج کی نذر دے کران کا قرض ادا کرنا چاہیے۔

پتری رِن: یہ اپنے بذرگوں اور ماں باپ کا قرضہ ہے۔ جنھوں نے ہمیں پیدا کیا۔ پرورش کی اور پڑھا لکھا کر ہمیں قابل انسان بنایا ہے۔ ان کا قرض ہم اپنی اولاد کے لیے یہ سب کام کر کے ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے اولاد پیدا کرنا' ان کی پرورش' تربیت اوران کو تعلیم دینا ہر ایک ہندو کا فرض ہے کیوں کہ اس طرح سے شاستروں کے مطابق عمل کر کے بزرگوں کا قرض ادا کیا جاتا ہے۔

سنسکار: وہ مذہبی رسوم ہیں جن کو زندگی کی نشو ونما کے ضروری مدارج کے موقعوں پر ادا کیا جاتا ہے جس سے انسان کی تمام زندگی پاک اور روحانی حالت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کل ۱۶ سنسکار ہیں۔ ان میں سے چند خاص سنسکاروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جات کرم سنسکار : یہ بچہ کی پیدائش کے وقت کی رسم ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شکرانہ ادا کر کے اس کے لیے پرارتھنا اور ہون وغیرہ کیا جاتا ہے تاکہ اس کی عمر دراز ہو اور وہ نیک انسان بنے۔

اپ نین سنسکار: اس کو یگیو پویت سنسکار بھی کہتے ہیں۔ جب بچہ آٹھ دس برس کا ہو جاتا ہے تو اس کو جنیو یا زنار پہنایا جاتا ہے' جس میں تین تاگے ہوتے ہیں جو اس کو مذکورہ بالا تین قرضوں کی یاد دلاتے ہیں۔ اس رسم کے بعد اس کو پڑھنے لکھنے کے لیے مدرسہ یا گروکل کو روانہ کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر وید کے مشہور اور متبرک گایتری منتر سے اس کی تعلیم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جس میں یہ پرارتھنا کی گئی ہے کہ خدا ہماری عقل' دماغ اور قلب کو روشن کر دے اور روحانی بصیرت عطا کرے۔

سماورتن سنسکار: یہ اس وقت کی رسم ہے جب کہ طالب علم گروکل کی تعلیم کی تکمیل کر کے وہاں سے ڈگری لے کر گھر واپس آجاتا ہے۔

وِواہ سنسکار: یعنی پڑھ لکھ کر جب لڑکا گرہستھ آشرم میں داخل ہوتا ہے تو وہ وِواہ سنسکار کر کے اپنے لائق لڑکی کے ساتھ باقاعدہ ویدک منتروں کی ہدایت کے مطابق شادی کرتا ہے اور ایک گرہستھ بن جاتا ہے۔ شادی کی رسم کے وقت بیوی کے ساتھ ہمیشہ زندگی بسر کرنے کا اقرار کیا جاتا ہے اور ہم آہنگی اور میل جول کا عہد کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں طلاق کا رواج نہیں ہے اس لیے شادی کو ایک مذہبی فرض تسلیم کیا گیا ہے اور گرہستی میں یہ کوشش کی جاتی

ہے کہ تمام زندگی میں دولہا دلہن میں میل رہے اور کسی قسم کی تلخی پیدا نہ ہو۔

انتے شٹی سنسکار یعنی آخری سنسکار جو مرنے کے بعد مردے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔اس وقت اس کے جسم کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے اور اس کے لیے پرارتھنا کی جاتی ہے۔اور کئی طرح کی چیزیں خیرات کی جاتی ہیں کہ اس کو وہ چیزیں دوسری دنیا میں حاصل ہوں۔

ہر ایک ہندو کو اس زندگی میں خوش حال رہنے کے لیے اور موت کے بعد شانتی پانے کے لیے شاستروں میں بتلائے ہوئے ان تمام سنسکاروں کو فرض کے طور پر انجام دینا ضروری ہے۔

ان سنسکاروں کے علاوہ ہندو ہر ماہ خاص خاص تاریخوں پر روزہ رکھتے ہیں جیسے ایکا دشی، پورنیما وغیرہ۔

تیوہار: ہندوؤں کے یہاں سال بھر میں خاص موقعوں پر تیوہار منائے جاتے ہیں جیسے راکھی' دسہرہ' دیوالی' ہولی' یہ سب تیوہار ایسے موقعوں پر اور اس طرح منائے جاتے ہیں جو اس وقت کے مطابق اور مناسب ہوتے ہیں۔

تیرتھ یاترا ہندو دھرم میں تیرتھ یاترا کو بھی بہت ضروری سمجھا گیا ہے۔تیرتھ یا زیارت کے مقامات دریاؤں کے کنارے، پہاڑوں کے غاروں میں اور بڑے بڑے مندروں میں واقع ہیں۔جیسے ہری دوار، جہاں گنگا ندی ہمالیہ کے پہاڑوں سے نیچے اتر کر میدان میں داخل ہو کر بہتی ہے۔ہری دوار ہی نہیں بلکہ گنگا میں کسی جگہ بھی غسل کرنا متبرک مانا گیا ہے۔اسی طرح گنگا، جمنا، گوداوری، کرشنا، کاویری وغیرہ سب ندیوں کو متبرک تسلیم کیا گیا ہے اور یہ عقیدہ ہے کہ ان میں غسل کرنے سے انسان پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ان کے کناروں پر واقع تمام شہر بھی تیرتھ کے مقام سمجھے جاتے ہیں جیسے گنگا کے کنارے گڑھ مکتیشور اور الہ آباد (پریاگ) جمنا کے کنارے متھرا اور برندا بن وغیرہ۔اور سرجو کے کنارے اجودھیا۔

کچھ ایسے مقامات بھی تیرتھ مانے جاتے ہیں جہاں بھگوان کے اوتار ہوتے ہیں جیسے اجودھیا جو رام چندر جی کا مقام پیدائش ہے اور متھرا جہاں کہ کرشن جی نے اوتار لیا ہے۔ان کے علاوہ ہندوستان کے چاروں طرف چار دھام یعنی تیرتھ کے متبرک مقامات جن کی یاترا کرنا ہر ایک ہندو اپنا دھرم سمجھتا ہے۔وہ ہیں (ا) شمال میں ہمالیہ پربت پر ''بدری ناتھ'' جنوب میں سمندر کے کنارے ''رامیشورم'' ومشرق میں سمندر کے کنارے ''جگناتھ پوری'' اور مغرب میں سمندر کے کنارے ''دوارکا''۔ہر ایک ہندو ان مقامات اور وہاں کے مندروں کے درشن کرنا اپنا فرض سمجھتا

ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اس زیارت سے اس کے لیے ہوئے برے کاموں کا کفارہ ہو جائے گا۔
ان تیرتھوں میں جا کر پاک دریاؤں اور تالابوں میں نہاتے ہیں۔ مندروں میں بھگوان کی مورتی کے درشن کرتے ہیں اور پوجا پاٹھ اور بھجن کیرتن وغیرہ کرتے ہیں۔ ان مقامات میں رہنے والے سنت، مہاتماؤں کے اپدیش یعنی پاکیزہ کلام سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان نیک کرموں سے ان کے لیے ہوئے برے کاموں کے پھل سب فنا ہو جائیں گے اور مرنے کے بعد بہشت میں بھی خوش حال رہیں گے۔ تیرتھ یاترا کرنے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسے مسافر کو اپنے ملک کی اچھی واقفیت ہوتی ہے اور مذہبی باتوں کا گیان ہو جاتا ہے۔

تیرتھوں میں بنارس بھی ایک بڑا تیرتھ مانا گیا ہے جو کہ ہمیشہ سے گیان کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔ یہاں وشوناتھ یعنی دنیا کے مالک بھگوان شیو کا مندر ہے۔ بہت سے ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہاں مرنے سے مکتی یعنی روح کو نجات مل جاتی ہے۔ اس لیے ہندوستان کے ہر ایک گوشہ سے بڑی عقیدت کے ساتھ لوگ بالخصوص ضعیف مرد اور عورتیں مرنے سے پہلے یہاں اکٹھا ہوتے ہیں اور یہاں آ کر اپنی موت کا انتظار کرتے ہیں۔

مورتی پوجا : ہندوؤں کے مندروں میں دیوتاؤں اور اوتاروں وغیرہ کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندو یہ مانتے ہیں کہ ایشور اور اس کی قوت تمام دنیا میں اور دنیا کی چیزوں میں موجود ہے۔ سب کچھ برہمہ ہی ہے اس لیے کسی چیز کے ذریعہ بھگوان کی پوجا کی جا سکتی ہے۔ یہ پوجا کسی مورتی کی پوجا نہیں ہے، بلکہ مورتی میں موجود بھگوان کی پوجا ہے۔ مورتی کے ذریعہ بھگوان میں دھیان قائم ہو جاتا ہے اور اسی بہانے بھگوان اور دیوتاؤں کا دھیان اور پوجا ہو جاتی ہے۔ مورتی کے بغیر بھگوان یا دیوتاؤں کا دھیان کر سکتا ہے اس کے لیے مورتی پوجا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوؤں کی فراخ دلی: ہندو مذہب میں تمام کائنات، خالق، مالک اور منتظم بھگوان ہے۔ اور وہ ایک ہی ہے۔ سب انسان اس کی ہی اولاد ہیں اور سب کو مل جل کر رہنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کی بہبودی کا خیال رکھ کر اپنی زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ اس لیے اس کو کسی مذہب یا فرقہ سے دشمنی نہیں ہے۔ یہ سب مذہبوں کی قدر کرتا ہے اور جس کسی طرح سے دنیا کے اور مذہب ایشور کو مانتے ہیں اور جس طرح وہ اس کی یاد اور پوجا وغیرہ کرتے ہیں وہ ان سب کی قدر کرتا ہے اور سب کو اپنی اپنی جگہ ٹھیک مانتا ہے اور کسی کو اپنے عقیدوں اور رہنے سہنے کے طریقوں کو بدلنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ دنیا میں سب لوگوں کی بہبودی کے لیے پرارتھنا کرتا ہے اور سب سے مل کر رہنے کی

تلقین کرتا ہے۔اس کی نگاہ میں سب مذہب پاک ہیں۔اور شانتی اور سکون دینے والے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھتا ہے کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کی پیروی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہندو دھرم کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ان کو ذیل میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) تعداد اور گہرائی دونوں حیثیت سے یہ کائنات اپنے مظاہر کے ساتھ لامحدود ہے اور اس کو مختلف نقاطِ نظر سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔چارواک نے ان کو صرف مادی نقطہء نظر سے دیکھا ہے اور جو کچھ ہمارے ادراک میں آتا ہے اسی حد تک جاننے کی کوشش کی ہے، بودھوں نے صرف تغیر کے نقطۂ نظر سے دیکھا اور رنج اور تکلیف کو ہی دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت دی۔لیکن اس کے خالق کو نظر انداز کر دیا۔جینیوں نے دنیا کو ہمیشہ رہنے والی سمجھا ہے۔اور اس کے آغاز اور انجام کی طرف توجہ نہیں کی۔اس لیے انھوں نے بھی کسی کو اس کا خالق تسلیم نہیں کیا۔ہندو فلسفہ میں بھی کئی ایک فلسفیوں نے اس کائنات کو مختلف نقاطِ نظر سے دیکھ کر بہت غور کرنے کے بعد متعدد نظاماتِ فکر کو پیدا کیا۔جو سرسری طور پر دیکھنے سے ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد معلوم ہوتے ہیں۔لیکن ان کے ماخذ کا لحاظ کر کے ان سب کو ملا کر گہرا مطالعہ کیا جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو فلسفہ میں کہیں بھی باطنی غیریت یا مخالفت نہیں ہے بلکہ وہ سب ایک ہی فلسفہ کے لازمی اجزاء ہیں۔

(۲) ہندو فلسفہ اس دنیا کا ایک آغاز تسلیم کرتا ہے اور اس کا خالق خدا ہے، جو ہمیشہ رہنے والا، تمام طاقتوں کا ماخذ، سب جگہ حاضر و ناظر ہے۔وہی سب کو پیدا کرتا ہے وہی اس کا انتظام کرتا ہے۔(۳) دنیا میں جب بھی حق (دھرم) کا زوال آتا ہے اور باطل (ادھرم) کو فروغ ہوتا ہے تو راست باز کی حفاظت اور کج رو کی تباہی اور حق کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لیے مختلف زمانوں میں خدا کسی نہ کسی شکل میں نمایاں ہو جاتا ہے۔خدا کے اس طرح ایک شکل میں ظاہر ہونے کو ''اوتار'' کہا جاتا ہے۔زمانہ قدیم میں بہت سے ایسے اوتار ہوئے ہیں جن میں رام اور کرشن خاص طور پر مشہور ہیں۔ کرشن تو سب سے بڑے اور کامل قوت والے اوتار مانے جاتے ہیں۔ان میں جسمانی، دماغی اور روحانی طاقتیں مکمل طور پر ظاہر ہوئی تھیں۔ان کی تعلیم میں بھگوت گیتا بہت مشہور مقدس اور ہندو فلسفہ کی خاص تصنیف ہے جو ارجن کو مہا بھارت کی جنگ عظیم کے خطرناک موقع پر دی گئی تھی۔رام نے دنیا کو یہ زبردست تعلیم دی کہ سچا اخلاق کیا ہے اور اخلاقی زندگی کس طرح بسر کی جاسکتی ہے؟

مہاتما گاندھی ان کی تعلیم اور حکومت کے طریقہ سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کی آرزو تھی کہ ہندوستان آزاد ہو جائے تو رام راج قائم کر دیا جائے۔

(۴) یہ کائنات ایک مکمل جسم ہے جس کو ''برہمانڈ'' کہا جاتا ہے۔اس میں لاتعداد منفرد اجسام ہیں جن کو ''پنڈ'' کہا جاتا ہے۔پنڈ،اور برہمانڈ میں بہت مشابہت ہے۔جو کچھ حقیقی اصول برہمانڈ میں ہیں وہی حقیقت پنڈ میں بھی موجود ہے۔اس لیے برہمانڈ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے پنڈ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔پنڈ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین قسم کے جسم ہیں۔ یعنی مادی جسم کثیف (ستھول شریر) جو نظر آتا ہے۔دوسرا جسم لطیف (سوکشم شریر) جو لطیف عناصر سے بنا ہوا ہے اور جو جسم کثیف کے فنا ہونے پر بھی فنا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے طبقات میں جا کر اپنے کیے ہوئے کرموں کا پھل پاتا ہے۔تیسرا لطیف تر (کارن شریر) جسم علتی ہے۔جس میں گزشتہ زندگیوں میں کیے ہوئے اعمال تخم کی شکل میں موجود رہتے ہیں اور بعد میں مناسب وقت پر ان کا پھل ملتا ہے۔چوتھا جو ہر ہے جیوآتما یا روح جو مذکورہ بالا تینوں اجسام کا مالک ہے اور ان کے ذریعہ اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے اور ان سب کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ہر ایک پنڈ میں یہ چار اجزاء ہوتے ہیں۔اسی طرح برہمانڈ میں ایک تو اس کا باطنی حکمراں ہے اور علتی،لطیف اور کثیف طبقات ہیں۔لطیف طبقہ میں بہشت اور دوزخ شامل ہیں۔ یہاں مرنے کے بعد ہمارا جسم لطیف وہاں جا کر اپنے کیے ہوئے کرموں کا پھل پاتا ہے۔البتہ کامل یوگی اپنے تینوں جسموں پر قابو پا لیتے ہیں۔ جسم کا مکمل علم حاصل کر کے اپنی قوت مراقبہ کے ذریعہ جسم کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔اور اپنی آتما کو برہمانڈ کی آتما یعنی ایشور کے ساتھ متصل کر سکتے ہیں۔ایشور کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر کے بے شمار نادر قوتیں حاصل کرتے ہیں جن کا ذکر پتنجلی رشی نے اپنے یوگ سوتروں کے تیسرے حصہ میں کیا ہے جس کو ''سدھی'' کہتے ہیں۔

(۵) انسان کی زندگی کے چار اعلیٰ مقاصد ہیں۔دھرم،ارتھ،کام،موکش۔دھرم یعنی ذاتی فرائض کی ایمانداری کے ساتھ انجام دہی یا تحقیق ذات۔ارتھ یعنی دھرم کے مطابق خواہشات۔ موکش یعنی نجات جس کو حاصل کر کے انسان کی روح پیدائش اور موت کے چکر سے رہا ہو کر عظیم الشان آنند کا تجربہ کرتی ہے۔یہی ہر ایک انسان کا آخری اور اعلیٰ ترین مقصد ہے۔تمام ہندی نظامات فلسفہ میں اس کو حاصل کرنے کے طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) موکش حاصل کرنے کے لیے انسان کو دنیا میں رہ کر پھل کی خواہش کے بغیر اپنے

فرائض منصبی ادا کرنا چاہیئے ۔ کسی خاص غرض کے بغیر خدا کی عبادت اور بھکتی کرنی چاہیئے اور آتما اور پرماتما کے اصلی تعلق کا علم حاصل کرنا چاہیئے ۔ یعنی نشکام کرم ۔ بھکتی اور آتم گیان ان تینوں ذرائع سے مکتی حاصل کی جاسکتی ہے ۔

(۷) یہ مکتی اس جسم کے فنا ہو جانے کے بعد ملتی ہے یعنی موت کے بعد اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس کا تجربہ اسی زندگی میں اسی جسم کے ساتھ اور یہاں بھی ہوسکتا ہے جس کو ہندو فلسفہ میں ''جیون مکتی'' کہتے ہیں ۔ یعنی وہ دنیا کے تفکرات اور تعلقات سے آزاد ہو کر ایسی زندگی بسر کرسکتا ہے جیسے کنول پانی میں رہتا ہے ۔ مکتی حاصل کرنا ہر ایک انسان کا فرض ہے ۔ کہا گیا ہے کہ ہر ایک انسان کو بدی چھوڑ کر نیک بننا چاہیئے ۔ نیک کو شانت ہونا چاہیئے اور شانت کو مکت یا آزاد ہونا چاہیئے اور آزادی حاصل کیے ہوئے ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو آزاد کرائے اور آزاد ہونے میں ان کی مدد کرے ۔

(۸) نیکی کیا ہے ۔ ضرورت مند لوگوں کی امداد کرنا ۔ ان کی خدمت کرنا ۔ ان کو خوش کرنا ہی نیکی ہے اور کسی کو جسمانی یا روحانی اذیت پہنچانا یا دکھ دینا ہی بدی ہے ۔ جیسے ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہمارے ساتھ برتاؤ کریں ۔ اسی طرح ہمیں بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیئے ۔ یہ ہندو دھرم کا ایک بنیادی اصول ہے جو ''مہابھارت'' میں بتلایا گیا ہے ۔

(۹) کرم کا قانون ہندو فلسفہ کا ایک اہم مسئلہ ہے ۔ ہر ایک شخص اپنے کیے ہوئے کام کا نتیجہ برداشت کرتا ہے ۔ خواہ اسی زندگی میں ہو یا مرنے کے بعد کسی دوسری زندگی میں ہو ۔ بہر حال کوئی شخص اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔ جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے پچھلے جنموں کے کرموں کے مطابق ، ماحول ، مقام اور مناسب ماں باپ کے گھر جنم لیتا ہے اور تمام زندگی میں ان کرموں کے نتائج سے لطف اندوز ہوتا ہے ۔ اسی طرح گزشتہ اعمال کی وجہ سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں پیدا ہونا پڑتا ہے اور جب تک تمام پچھلے کرم فنا نہیں ہو جاتے اس کو موکش یعنی پیدائش اور موت سے آزادی حاصل نہیں ہوسکتی ۔ صرف آتم گیان یا تحقیق ذات سے تمام کرموں کے بیج جلا دیے جاسکتے ہیں ۔

(۱۰) سماج کو اعلیٰ ترین طریقوں کے ذریعہ قائم رکھنے اور فرد کی زندگی کی بہترین رہبری کے لیے ہندو فلسفہ میں چار ورن یعنی فرقے اور چار آشرم یعنی مدارج زندگی کا اصول مستنبط کیا گیا ہے ۔

(۱) برہمن یا عالموں کا طبقہ (۲) کشتریہ یعنی بہادر اور حکومت سنبھالنے والے (۳) ویشہ یعنی دولت پیدا کرنے والے (۴) شودر یعنی ان تینوں کی خدمت کرنے والے۔ ایک دوسرے سے متفق ہو کر اپنے فرائض منصبی انجام دینے سے سماج ایک عضوی وجود بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) برہمہ چریہ۔ یعنی طالب علم کی زندگی (۲) گرہستھ یعنی شادی کے بعد کنبہ کے ساتھ کی زندگی (۳) بان پرستھ یعنی گرہستی کو ختم کرنے کے بعد عوام کی بے غرضانہ خدمت کی زندگی (۴) سنیاس یعنی دنیاوی کاروبار اور ان کی تمام خواہشات کو ترک کر کے روحانیت کی زندگی جس کا مدعا آزادی یا موکش ہے۔ مذکورہ بالا ورن اور آشرم کے صحیح کردار سے فرد اور سماج دونوں میں شانتی اور آنند قائم رہ سکتا ہے۔

ہندو فلسفہ کے چھ نظام

زمانہ قدیم سے ہندوؤں میں خیال کی آزادی رہی ہے۔ مکمل آزادی کے ساتھ ہندو عالموں نے کائنات اور زندگی کے متعلق فکر کی ہے اور بے خوفی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چوں کہ زندگی کے بے شمار پہلو ہیں اور ان پر متعدد نقاطِ نظر سے فکر کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ہندوستان میں فلسفہ اور مذہب کے بہت زیادہ فرقے رونما ہو گئے تھے۔ جن کا نشوونما ایک دوسرے کے مقابلہ کے ساتھ مکمل طور پر ہوا ہے۔ اور ہر ایک مذہب پر بہت زیادہ تصنیفات موجود ہیں اور شرحیں لکھی گئی ہیں۔ وہ سب موجود ہیں۔ لیکن ان سے چند اس وقت دستیاب نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ہندوستان میں فلسفہ کے کئی ایک نظام ہیں جو سرسری نظر سے ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد معلوم ہوتے ہیں اور کوئی ایک بھی نظام فلسفہ ایسا نہیں ہے جو سب کو منظور ہو اور جس کو ہندوستان کا ایک فلسفہ کہا جا سکے۔ لیکن ان میں چھ نظامات فلسفہ بہت مشہور ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) گوتم کا لکھا ہوا ''نیائے درشن'' (۲) کناد کا لکھا ہوا ''ویششک درشن'' (۳) کپل کا لکھا ہوا ''سانکھیہ درشن'' (۴) پتنجلی کا لکھا ہوا ''یوگ درشن'' (۵) جیمنی کا لکھا ہوا ''میمانسا درشن'' (۶) ویدویاس کا لکھا ہوا ''ویدانت درشن''

(اردو انسائیکلوپیڈیا جلد سوم، مرتبہ اردو کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی)

اے جے مالوی

وید اور ان کی اہمیت

اگر یہ کہا جائے تو شائد غلط نہ ہوگا کہ وید صرف سناتن دھرم کا ہی اولین صحیفہ نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب کے صحائف میں سب سے قدیم ترین درجہ رکھتا ہے۔ وید کی نہ صرف مقامی، قومی بلکہ عالمی مکاشفاتی معنویت اور اہمیت ہے۔ جو انسانی تخلیق نہیں ہے بلکہ یہ آسمانی صحیفہ ہے اور ہندوستانی تہذیب وثقافت میں اس کو مرکزی روحانی قدر و منزلت حاصل ہے۔ یہ ہندوستان کی تمام جمالیات، قدریات، قدسیات اور الوہیات کا منبع نور ہے۔ دُنیا کی تمام زبانوں کی طرح اُردو زبان میں بھی وید کے تراجم ہوئے اور خوب ہوئے۔ اُردو زبان میں دستیاب ویدک ادب پر مشتمل مطبوعات کی تعداد ۶۴ ہے۔ ان تراجم کا تجزیہ کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ویدک ادب پر تعارفی گفتگو کی جائے۔

وید کے معانی ومفاہیم

لفظ 'وید' (वेद) سنسکرت کے لفظ 'وِد' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی علم کے ہیں۔ ہندی و سنسکرت کے لغات میں وید کے معانی علم، مذہبی علم، ملہَم علم، ہندوؤں کے مذہبی صحائف (رگ وید، یجر وید اور سام وید ہیں۔ انھیں 'تری' (त्रयी) کہتے ہیں لیکن بعد میں اتھر وید کو اس میں شامل کر لیا گیا) مراد لیے جاتے ہیں۔

سوامی پربھو پاد لکھتے ہیں:

> ''وید کا مطلب ہے علم۔ جو علم آپ حاصل کرتے ہیں وہ وید ہے
> کیوں کہ ویدوں کی تعلم ابتدائی علم ہے۔

آچاریہ رگھوناتھ ونائک دھلیکر لکھتے ہیں کہ:

> ''ویدوں میں برہما کا عظیم علم بھرا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بھی ختم نہ ہونے والا علم ہے، برہما کے ساتھ علم ہے۔ وید لفظ وِد سے مشتق ہے۔ وید کے معنی علم ہے۔'' ۳

وشمبھر ناتھ ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ:

> ''وِد لفظ کے معنی ہیں جاننا۔ اس طرح وید لفظ سے مراد علم کے ہیں۔ جن

صحیفوں میں علم ظاہر ہوا وہ وید کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہندوستانی سماج کی نظروں میں منتروں اور براہمنوں کے یکجا ہونے کو وید کہا گیا ہے۔''

نارائن سوامی لکھتے ہیں کہ:

''تین طرح کے منتر ہونے کی وجہ سے 'وید ترئی' کہا جاتا ہے یا پھر ویدوں میں علم، عمل اور عبادت، تین طرح کے فرائض بیان ہونے کی وجہ سے اسے 'وید ترئی' کہتے ہیں۔''

وید لفظ کی تشریح کرتے ہوئے سوامی دیانند سرسوتی لکھتے ہیں کہ:

''جن سے سبھی انسان صحیح علم کو جانتے ہیں۔ حاصل کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ عالم ہوتے ہیں۔ صحیح علم حاصل کرنے کے لیے گہرائی میں جاتے ہیں۔ ان کو وید کہتے ہیں۔''

ڈاکٹر راج بلی پانڈے لکھتے ہیں کہ:

''منتروں اور براہمنوں کا نام وید ہے۔''

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن 'وید' لفظ کے معانی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وید کے معنی علم کے ہیں۔ مقدس علم 'وید' چار ہیں۔ رگ وید۔ سام وید۔ یجر وید۔ اتھرووید۔''

'وید' ہندو مذہبی صحیفہ ہے۔ وید انسانی تخلیق نہیں ہے بلکہ یہ خدائی علم ہے۔ وید کو کئی رشیوں نے مل کر تخلیق کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برہما جی نے پہلے رشیوں سے ویدک علم کو حاصل کیا اور وید ویاس نے رشیوں کی سنہتاؤں کو یکجا کر کے ترتیب دینے کا کام کیا۔

سوامی پربھو پاد لکھتے ہیں کہ:

''ویدوں کو ماں مانا جاتا ہے اور برہما کو دادا کہا جاتا ہے۔ پیش رو باپ۔ کیوں کہ انھوں نے سب سے پہلے ویدک علم سیکھا تھا۔ شروع میں پہلی زندہ مخلوق برہما تھے۔ انھوں نے ویدک علم حاصل کیا اور نارد اور دوسرے شاگردوں اور بیٹوں کو دیا۔ انھوں نے پھر اپنے شاگردوں کو سکھایا۔ اس طرح شاگردانہ جانشینی سے سلسلہ درسلسلہ یہ علم چلا آیا۔ بھگوت گیتا میں بھی اس کی تصدیق کی گئی ہے کہ ویدک علم اس طریقے سے سمجھا گیا ہے۔

چاروں ویدوں کو ہندو سماج میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ وید الہامی کتاب ہے۔ اسی

وجہ سے ویدک ادب کو''شرتی''(سناہوا) کہتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق کرنے سے قبل خدا نے اگنی رشی کو رگ وید، وایو رشی کو یجر وید، آدتیہ رشی کو سام وید اور انگرا رشی کو اتھر وید کی تعلیم دی۔ انھیں چاروں رشیوں نے ان ویدوں کو آپس میں مل کر چاروں ویدوں کا علم حاصل کیا اور انھیں سب سے پہلے برہما کو سنایا۔

ڈاکٹر غیاث الدین محمد عبدالقادر ندوی لکھتے ہیں:

''وید ہندوؤں کی قدیم ترین مذہبی دستاویز ہیں۔ ان کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ کسی فرد واحد کی تصنیف یا تالیف نہیں ہیں بلکہ مختلف رشیوں پر مختلف حالات اور واقعات میں الہام کے ذریعہ نازل ہوئی ہیں۔''

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن ویدوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ویدوں کی روشنی سے اس دُنیا اور اس کائنات کی خوبصورتی کا احساس اور زیادہ ہوتا ہے۔''

آچاریہ رگھوناتھ وناٹک دھلیکر اپنے خیالات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہزاروں رشیوں نے جو منتر دیکھا۔ انسانوں سے سنا اور سنتے ہیں کافی ہے۔وہ کہہ دیا اور اس وجہ سے وید منتروں کے مجموعہ کو شرتی کہتے ہیں۔''

سوامی پربھو پاد لکھتے ہیں کہ:

''وید انسانی علم کی تالیف نہیں ہیں۔ ویدک علم روحانی دنیا سے آیا ہے۔ بھگوان کرشن سے ویدوں کا دوسرا نام شُرت اس علم سے متعلق ہے جو سن کر حاصل کیا گیا ہے۔ یہ تجرباتی علم نہیں ہے۔شُرت کو ماں کی مانند سمجھا جاتا ہے۔ہم اپنی ماں سے کتنا علم حاصل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر تم جاننا چاہو کہ تمہارا باپ کون ہے، تمہیں کون بتا سکتا ہے۔تمہاری ماں اگر ماں کہتی ہے'تمہارا باپ یہ ہے۔'تمہیں ماننا پڑے گا۔''

عمادالحسن آزاد فاروقی لکھتے ہیں:

''جو مذہبی ادب اس روایت کے زیر اثر وجود میں آیا۔ وہ سب کا سب ویدک ادب میں شامل ہے اور وید کہلانے کا مستحق ہے۔ برہمنی مت اور اس کی جانشین ہندومت کے مذہبی ادب میں وید کو ایک مخصوص مقام

حاصل ہے اور اس کو شرتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ویدک ادب کو
شرتی (الہامی) قرار دینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں شامل مذہبی حقائق
کو کسی کی تخلیق نہیں سمجھا جاتا۔ وید کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ
اس میں بیان کردہ سچائیاں ابدی حقائق ہیں، جو اپنا ایک الگ لازوال وجود
رکھتی ہیں۔ قدیم رشیوں (روحانی شخصیتوں) نے اپنے اعلیٰ روحانی
مقامات کی بنا پر ان سچائیوں کو سن لیا تھا اور پھر ان کو الفاظ کا جاما پہنا دیا۔
اسی لیے ویدک ادب کو شرتی، سنا ہوا (الہامی) مانا گیا ہے اور یہ خدا یا انسان
کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔''

مہرشی دیانند لکھتے ہیں کہ:

''وید خدا کے ذریعہ لکھے گئے۔''

وشمبھر ناتھ ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ:

''ویدوں کو کئی رشیوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں یاد رکھا اور
اسے اپنے شاگردوں کو دے دیا۔ یہ رواج ہندوستان میں لکھنے سے قبل
تک جاری رہا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ وید مختلف سمتوں میں تقسیم ہوا۔''

آچاریہ رگھوناتھ دھلیکر وید کی تخلیق کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہزاروں رشیوں نے الگ الگ جس حقیقت کو محسوس کیا اور دیکھا ویسا ہی
انھوں نے عوام کو دے دیا۔ اسی وجہ سے رشی لوگوں کو وید کے منترں کا
درشٹا (دیکھنے والے) کہتے ہیں۔ حقیقت انسانوں کے ذریعہ گڑھی نہیں
جاتی۔ حقیقت ہمیشہ روشن آنکھوں یا علم کی ہی آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے۔
دُنیا کی سبھی عظیم شخصیتوں نے اس بات کی توضیح کی ہے۔ انھوں نے بار بار
اپنے شاگردوں سے کہا ہے کہ خدا نے جیسا دیکھایا ویسا ہی ہم نے کہا۔
جو ہم دیکھتے ہیں وہ ہماری رائے یا دل و دماغ کی پیداوار نہیں ہے۔''

ان تمام مصنفوں کی آرا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وید الہامی کتاب ہے جسے
مختلف رشیوں نے مل کر مرتب کیا ہے۔ ویدوں سے متعلق محققین و ناقدین کی آرا الگ الگ ہے: مثلاً

''۲۰۰ سال قبل سنسکرت کے دانشور میلسمولر نے جب ویدوں کو پڑھنا شروع
کیا تھا تب انھوں نے لکھا تھا کہ 'ویدوں کے منتر کسی بچّے کی توتلی بولی ہے

'اور یورپ کے محققین اور دانشوروں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ 'ویدوں کے منتر گڈریوں کے گیت ہیں' ۵۰ سال تحقیق کرنے کے بعد میلسمولر لکھتا ہے کہ '۵۰ سال کی تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ یورپ کے دانشوروں کو کئی صدیاں لگ جائیں گی، تب وہ انہیں ویدوں کو سمجھ پائیں گے۔''

ویدوں کی تخلیق کا زمانہ

وید کی تخلیق کب اور کیسے ہوئی، یہ سوال اہم ہے۔ اس سلسے میں مصنّفوں کی آراء حسب ذیل ہیں:

سوامی دیانند سرسوتی لکھتے ہیں کہ:

''ایک ارب چھیانوے کروڑ آٹھ لاکھ باون ہزار دو سو چھیتر (۱۹۶۰۸۵۲۹۷۶) سال ویدوں اور کائنات کی پیدائش کے ہو گئے ہیں۔''

شری رام دھاری سنگھ دنکر لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان میں لکھنے کا فن ۱۸۰۰ ق۔م میں شروع ہوا اور سنہتائیں (संहितायें) لکھی جانے لگیں۔ مگر وید جن سنہتاؤں میں ہمیں ملتے ہیں اُن کو ترتیب دینے کا کام کرشن ووپائن ویاس نے کیا جو مہابھارت کے زمانہ میں بقید حیات تھے۔ مہابھارت کی جنگ ۱۴۰۰ ق۔م میں ہوئی اور اس سے چار سو سال قبل وید کو تیار کیا جانے لگا۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ منتر ۲۵۰۰ق۔م میں بننے لگے تھے جو ۱۸۰۰ق۔م کے قریب وید سنہتا میں لکھی جانے لگے اور ۱۴۰۰ق۔م میں وید ویاس نے سنہتاؤں کو مکمّل کیا۔''

شری رام داس گون ویدوں کی تخلیق کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اربوں سال کی تہذیب سے لے کر سات آٹھ ہزار سال کی تہذیب تک ویدوں کے منتروں کے سنے یا دیکھے جانے اور لکھے جانے کا بہت لوگوں کا خیال ہے۔''

شری بال گنگادھر تلک لکھتے ہیں کہ:

''برہمن صحائف ۴۵۰۰ ق۔م میں لکھے گئے۔ سارے منتر ایک ساتھ نہیں

بنے۔ رشیوں اور ان کے خاندان والوں نے ہزاروں سالوں میں منتر
بنائے۔ اس طرح کچھ منتر تو دس ہزار سال کے ہیں۔ کچھ سات یا ساڑھے
سات ہزار سال کے ہیں۔ تمام قدیم رچنائیں رگ وید کی ہیں۔"

وید کی تخلیق کے سلسلے میں مصنفوں کی آراء سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وید آسمانی صحیفہ ہے۔ وید مقدس کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ تمام رشیوں کی کاوش کا یہ نتیجہ ہے۔ وید کی تخلیق کا کوئی مخصوص عہد نہیں ہے بلکہ مختلف ادوار میں اس کی تخلیق ہوتی رہی ہے۔ پنڈت رام دھاری سنگھ دنکر کا خیال ایک حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وید کی تخلیق تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح تک ہوتی رہی ہے۔ ان ساڑھے سات سو برسوں کے درمیان تقریباً تین سو رشیوں نے وید کے منتروں کی تخلیق کی ہے۔

ویدوں کا خاکہ

موجودہ دور میں ویدوں کی تعداد چار ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) رگ وید (۲) یجر وید (۳) سام وید (۴) اتھر و وید

یگیہ (قربانی) کو کرنے کے لیے چار (ऋत्विजों) رتوجوں یعنی پروہتوں پنڈتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ہوتا (होता) (۲) ادھریو (अधरयू) (۳) ادگاتا (उदगाता)

(۴) برہما (ब्रहमा)

ا۔ ہوتا: ہوتا سے مراد بلانے والا ہے۔ یگیہ کے موقع پر خاص دیوتا کے حمد والے منتروں کو پڑھ کر 'ہوتا' اس دیوتا کو بلانے کا اہتمام کرتا ہے۔ رگ وید میں 'ہوتا' کے منتر پائے جاتے ہیں۔

۲۔ ادھریو: ادھریو کا مقصد یگیہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اس طرح کے منتروں کو یجر وید میں یکجا کیا گیا ہے۔

۳۔ ادگاتا: ادگاتا (उदगाता) سے مراد ترنم سے گانے والا ہے۔ ایسے منتروں کو سام وید میں درج کیا گیا ہے۔

۴۔ برہما: برہما کا کام یہ ہے کہ وہ صدارت کرتے ہوئے یگیہ کا معائنہ کرے۔ برہما ہی چاروں ویدوں کا عالم ہے۔ ایسے منتروں کو اتھر و وید میں شامل کیا گیا ہے۔

شری رام داس گون لکھتے ہیں کہ:

''رگ وید ہوتا کے لیے ہیں۔ یجروید ادھریو کے لیے ہیں۔ سام وید ادگاتا
کے لیے اور اتھروو وید برھما کے سلسلے میں ہیں۔''۲۳

چار حصّوں میں ویدک ادب کو تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ویدک ادب حسب ذیل ہیں:
(۱) سنہیا (۲) برہمن (۳) آرنیکا (۴) اُپنشد

۱۔ سنہتا: سنہتا ویدک ادب کا اولین حصّہ ہے۔ جس کے منتر خاص طور سے آریائی دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں بھجنوں اور گیتوں کا بھی بیان ملتا ہے۔

۲۔ براہمن:

دوسرے حصّے کا نام براہمن ہے جس میں مذہبی رسم ورواج، آدابِ زندگی، یگیہ اور ہون کے طور طریقے کا مفصل بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ آرنیکا: تیسرے حصّے کو آرنیکا کہا جاتا ہے۔ س جز میں مذہبی اور سرّی رجحانات کے بیان تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔

۴۔ اُپنشد: اُپنشد کو ویدانت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ویدک ادب کا آخری حصّہ ہے۔ ان ویدوں پر تقریباً ایک ہزار ایک سو اسّی (۱۱۸۰) شاکھائیں اُپنشدوں کی سنسکرت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن عہدِ حاضر میں اُپنشد کی بارہ شاکھائیں ملتی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ایشاواسیہ (ईषावास्य) (۲) کین (केन) (۳) کٹھ (कठ) (۴) پرشن (प्रश्न)
(۵) منڈک (मुण्डक) (۶) مانڈوکیہ (माण्डूक्य) ر(۷) تیتریہ (तैत्तिरीय) (۸) آیتریہ (ऐतरेय)
(۹) چھاندوگیہ (छान्दोग्य) (۱۰) برہدارنیک (बृहदारण्यक) (۱۱) کوشیتکی (कौषीतकि)
(۱۲) شویتاسوتر (श्वेतासूत्र)

مکتوپنشد (मुक्तिकोपनिषद) کے مطابق ایک سو آٹھ اُپنشد ہیں۔ یہ اُپنشد مذہبی سوالات اور جوابات پر مبنی ہیں جو خفیہ مجالس میں اُٹھائے گئے ہیں۔ چاروں ویدوں کے چار اُپ وید بھی ہیں۔ رگ وید کا آیوروید، یجروید کا دھنر وید، سام وید کا گاندھرووید اور اتھرووید کا شلپ وید (शिल्पवेद) یا شوکرم شاشتر ہے۔

ویدک دھرم اور اُردو

اُردو زبان کی زندہ اور دھڑکتی ہوئی جڑ ویدک ثقافت میں موجود ہے۔ اُس کی حقیقی جڑ کی تلاش میں ہم کو ویدک تہذیب کی گہرائیوں اور اُونچائیوں میں مستغرق ہونا پڑے گا۔ لفظ ''اُردو'' مسلسل سفر کرتا ہوا جو کبھی ہندوی، ریختہ، ہندوستانی اور ہندی وغیرہ ناموں سے جانا جاتا تھا اور آخر میں اپنی اوریجنل شکل اُردو میں موجود ہے۔ انگریزوں نے اس خوبصورت اور حسین زبان کو کیمپ (Camp) کی زبان کہا۔ دراصل اُردو کے معنی لشکر، فوج یا بازار کے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ ترکی نژاد لفظ ہے بلکہ ''اُردو'' خالص ویدک لفظ ہے۔ ''اُردو'' دو الفاظ ''اُر'' اور ''دُو'' کا مجموعہ ہے۔ ''اُر'' معنی دل اور ''دُو'' کے معنی جاننا ہے۔ عارف لوگ تمثیلاً دل کو روح اور جان کے لیے استعمال کرتے تھے۔ دراصل ''اُردو'' کے لفظی معنی یہ ہے کہ روح اور جان کو جاننا یعنی خدا کو جاننا ہے۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ خود شناسی خدا شناسی ہے۔ اس کے ایک معنی دل دینا اور دل لینا بھی ہے۔ Love begets love دل دو، دل لو یا محبت دو، محبت لو وغیرہ مراد لیے جاسکتے ہیں۔

اُردو کا ویدی اسطوری ماڈل

(Proto Paradigm)

आदि प्रतिमूर्ति

ویدک ادب میں'' اُر '' (उर) لفظ سے اُرن (उरण) ،اُرو (उरु) ،اُروو (उरवो) ، اُروہ (उरव:) ،اُوروہ (ऊर्व:) ،اُروریہ (उर्वर्य) ،اُرورا (उर्वरा) ،اُرورا جتے (उर्वराजित्) ، اُروشی (उर्वशी) ،اُروشی اِڈا (उर्वशी इडा) ، اُرانہ (उराण:) ،اُرامتھیہ (उरामथि:) ،اُرجونپات (उर्जों नपात) ،اُروارو (उर्वारू) ،اُرویا (उर्विया) ،اُروی (उर्वी) ،اُروجما (उरुज्मा) ،

اُروجیوتی(उरुज्योति)، اُرودھارا (उरुधारा)، اُرووِیچا (उरुव्यचा) اور اُرووِیچسا (उरुव्यचसा) وغیرہ لفظوں کا متعدد جگہوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ ویدک لغات، سنسکرت اور ہندی کے مختلف لغات میں ان الفاظ کے لغوی اور لفظی معانی ''ہردے (हृदय)، مَن (मन)، امن (अमन)، دِل، روح، جان، طوانائی، قدرت، وسعتِ زبان، نور، آتش، ہوا، لوگوں کو زندگی دینے والا آفتاب، آفاق، عظیم الشان، زیادہ، اندھیرا ختم کرنے والا سورج، بصیرت افروزی، منبعِ نور، چشمِ دِل، عظیم الشان ویدک زبان، عظیم الشان دھرتی، کائنات اور رفیع ترین تخلیقیت وغیرہ مراد لی جاتی ہیں۔''۳۸

ویدک ادب میں '' اُر ''(उर)، ''ہردے''(हृदय) اور '' مَن '' لفظ اور اس سے مشتق الفاظ کا استعمال جگہ جگہ ملتا ہے۔

اُردو کا نخشتمسالی پیکر

(Archtypal Image)

(आदि प्रतिबिम्ब)

'اُر' دو طرح کی توانائیوں کا منبع نور ہے۔ ایک عشق کی توانائی ہے اور دوسری شاہدانہ شعور آگہی کی توانائی ہے۔ نور کے معنی اشہد آگہی ہے۔ اس ضمن میں جگر مراد آبادی نے کہا ہے ؎

اک لفظ محبّت کا یہ ادنیٰ سا فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

دوسرے مصرعہ میں شاعر نے زمانہ سے مراد ابدیت کی نشاندہی کی ہے۔ حدیثِ قدسی میں خُدا نے فرمایا ہے ''زمانہ کو بُرا نہ کہو زمانہ میں خود ہوں''۔

بُنیادی توانائی کی نخشتمسالی تحریر

(Arch Writing of Basic Energy

(मूलभूत ऊर्जा का आद्य लेखन)

توانائی، قوت اور طاقت کے چار ارتفاعی مراحل ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) جنسی توانائی (Sex Energy)

(۲) عشقِ مجازی (Mundane Love Energy)
(۳) عشقِ حقیقی (Divine Love Energy)
(۴) شعورِ کلّی یا شعورِ اُولیٰ (Total Energy of Awareness)

جنسی توانائی کا سرچشمہ مولا دھار ہے۔ ہر انسان میں اُس کا پہلا چکر کھُلا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جنسی توانائی سے فطری طور پر بچّے کی تولید ہوتی ہے۔ دوسرا چکر خصوصی طور پر بند ہوتا ہے۔ اُس کے بند کُفر کو کھولنے کے لیے دھیان کی کنجی لگانی پڑتی ہے اور نافی توانائی کی تطہیر (نابھی شودھن) کرنی پڑتی ہے اور جنسی توانائی کی آگ کو آہستہ آہستہ عشق کی توانائی کی لَو میں کومل نرمل اور انسانیت نواز بناتا ہے۔ تیسرے چکر میں نافی توانائی دِل کی طرف اُوپر کی جانب گامزن ہوتی ہے اور ہولے ہولے یہ عشقِ حقیقی کی مقدّس توانائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا رومی فرماتے ہیں۔

عاشقانِ چشمِ غیب بگشائند
باقیان کور کر اند

''عاشقوں کی غیب کی آنکھ کھُلی ہوتی ہے۔ دُنیا کے باقی لوگ اندھے ہوتے ہیں۔''

مولانا جامی بھی فرماتے ہیں۔

عالمِ علم عالمِ عشق نیست رویتِ صدق چوں روایت نیست

''علم کی دُنیا عشق کی دُنیا نہیں ہے۔ عشق کی دُنیا مختلف ہوتی ہے اور صداقت کا چہرہ روایت کے مطابق نہیں ہے۔ صداقت کے چہرہ کو عشق کی آنکھ دیکھتی ہے۔''

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بھلتی میں شکتی ہے لیکن یہ مکمّل سچّائی نہیں ہے اس کے آگے بھی توانائی کا سفر ارتفاع کر کے آگے بلند ترین منزل کی جانب گامزن ہوتی ہے تو اپنے معراج پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ شعورِ کل، شعورِ کلّی یا شعورِ اولیٰ کی رفیع ترین منزل ہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب فرماتے ہیں۔

جام ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے
کس کا دِل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

بُنیادی توانائی کی آزادئی دید اور عرفان

(Philosia of Basic Energy)

(मूलभूत ऊर्जा का दर्शन और सचेतन)

ویدک ادب میں'' دَو ''(द्यो) ،'' دُو ''(दो) اور'' دَیا ''(दया) لفظ '' دا ''
(दा) مصدر سے مشتق ہے۔ '' دا ''(दा) مصدر سے دَے(दय) ، دَیتے(दयते) ، ددانی
(ददाति)،دویوہ(द्वयु:) ،دویہ(द्वि:) ،دِو(द्वि) ،دوا(द्वा) ،دَون(द्वं) ،دتّے(दत्ते) ،داتُن(दातुं) ،
داتر(दात्र) ،داشتی(दाशति) ،داتم(दांतम्) ،داتوے(दातवे) ،دو(द्यो) اوردَو(द्वौ) وغیرہ لفظوں
کا جگہ جگہ استعمال ملتا ہے۔ ویدک لغات، سنسکرت اور ہندی کے مختلف لغات میں ان الفاظ
کے لغوی معانی ''دینا (जव हपअम) ، جاننا (जव ाद्वू)، قبول کرنا(जव बबमचज) ،
حفاظت(जव ˜अम) ،دینے کے قابل، دینے کے لائق، دینے کے لیے، دیتا ہے، دونوں جہاں
یعنی زمین و آسمان، جنّت، عمل اور وجہ، قدرت اور آدمی، دو یعنی دُ گنے، دو مختلف خیالات کو اپنے دل
میں رکھنے والا یعنی زبان پر کچھ اور دِل میں کچھ اور رکھنے والا وغیرہ مراد لیے جاتے ہیں۔'' ۳۹

میری ترجمہ کردہ شری مد بھگوت گیتا (نغمۂ یزدانی) کے دیباچہ'' اُردو زبان کے تناظر
میں شری مد بھگوت گیتا (نغمۂ یزدانی) پر ایک نظر'' کے صفحہ ۱۳ پر نظام صدّیقی اس ضمن میں ایک اہم
اور معنی خیز نکتہ پر بھرپور روشنی مرکوز کرتے ہیں:

''اس سے یہ سورج آسا صداقت مزید روشن ہو جاتی ہے کہ اُس کی جڑیں ہماری عظیم اور قدیم تر مشترکہ ثقافت میں جذب و پیوست ہیں۔ بذات خود ''اُردو'' محض ترکی نژاد لفظ نہیں ہے۔ جس کے معنی محض لشکر یا فوج کے ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ دو الفاظ 'اُردو' اور'اَمن' (بہ معنی ماورائے دماغ و آشتی) چاروں ویدوں کے علاوہ ژند و اوستا میں بھی محفوظ ہیں ۔ یہ لفظ اُردو مسلسل سفر کرتا ہوا سنسکرت (یہ بھی کبھی عوامی بولی تھی بعد میں بڑی بلند پایہ ادبی زبان بن گئی۔ مقتدر برہمن طبقہ اُس پر قابض ہو گیا۔ یہ بھی ویدک زبان سے وجود میں آئی ''پراکرت'' یعنی عوامی بولیوں کی زائیدہ اور پروردہ ہے۔) پراکرت، اپ بھرنش، شورسینی اور مغربی ہندی سے گزرتا ہوا اپنی قدیم تر اور یجنل شکل میں آج بھی برقرار ہے۔ ''اُر'' معنی دل اور ''دُو'' معنی جاننا ہے۔ ویدک رشی اور عارف دل کو علامتاً روح اور جان کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ درحقیقت روح کو جاننا خدا کو جاننا ہے۔ خود شناسی

خداشناسی ہے۔ (قرآن) اس کے دوسرے معنی دل دینا اور دل لینا ہے۔
درحقیقت اُردو کے معنی ہی ''دل دو اور دل لو'' ہے۔''
مجھے اس سلسلے میں جمہوری درویش شاعر نظیرا کبر آبادی کا یہ شعر بے اختیار یاد آرہا ہے۔

سب کتابوں کے کھل گئے معانی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

نظام صدّیقی نے ویدک زبان سے قبل کی جن پراکرتوں (دیسی بولیوں) کا تذکرہ کیا ہے، وہ بعد میں شستہ اور شائستہ زبان ویدک سنسکرت میں بدل گئی۔ ہندوستان کی اوّلین زبان 'مُنڈا' تھی۔ جس کی بہت ساری شاخیں تھیں۔ جن کو ہندوستان کے قدیم ترین باشندے موسوم مُنڈا بولتے تھے۔ جس کی بابت جسٹس مارکنڈے کاٹجو، عدالتِ عالیہ، انڈیا (Justice Markandey Katju, Judge, Supreme Court of Indi) اپنے اہم اور پُرمغز مقالہ 'باہمی افہام وتفہیم کے لیے قائم کردہ کالی داس اور غالب اکیڈمی' (Kalidas-Ghalib Academy For Mutual Understanding) میں رقمطراز ہیں:

> "The original inhabitants of India may be identified with the speakers of the Munda languages, which are unrelated to either Indo-Aryan or Dravidian languages.
>
> Thus the generally accepted view now is that the original inhabitants of India were not the Dravidians but the Munda aborigines whose descendants presently live in parts of Chotanagpur (Jharkhand), Chattisgarh, Orissa, West Bengal, etc. In 1983 their total population was about five million which is only a tiny fraction of the total population of India."

''ہندوستان کے اصلی باشندے مُنڈا زبانوں کے بولنے والوں سے شناخت کیے جاسکتے ہیں۔ جو ہند آریائی اور دراوڑ زبانوں سے یکسر مختلف ہیں۔

اس طرح سے عموماً تسلیم شدہ تصور یہ ہے کہ ہندوستان کے اصلی باشندے دراوڑین لوگ نہیں تھے بلکہ مُنڈا باشندے تھے، جن کی اولادیں چھوٹا ناگپور (جھارکھنڈ)، چھتیس گڑھ، اُڑیسہ، مغربی بنگال وغیرہ میں رہتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ان کی کُل آبادی پانچ ملین تھی، جو کہ ہندوستان کی کُل آبادی کا قلیل ترین حصہ ہے۔''

جس کی مزید توثیق و تصدیق The Cambridge History of Ancient India (Vol-I)India بھی کرتی ہے۔ اُوپر پیراگراف ۱۲ میں ہی جسٹس مارکنڈے کاٹجو نہایت دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے نشاندہی کرتے ہیں:

"At the same time, there can be little doubt that Dravidian languages were actually flourishing in the western regions of Northern India at the period when languages of the Indo-European type were introduced by the Aryan invasions from the North-West. Dravidian characteristics have been traced alike in Vedic and Classical Sanskrit, in the Prakrits, or early popular dialects, and in the modern vernaculars derived from them. The linguistic strata would thus appear to arranged in the order---Austric, Dravidian, Indo-European."

''اس سلسلے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دراوڑی زبانیں در حقیقت شمال مغربی صوبہ میں پھل پھول رہی تھیں۔ اس دور میں جب ہند

یوروپی زبانیں شمال مشرق سے آریائی حملوں کے ذریعہ آہستہ آہستہ
متعارف ہو رہی تھیں۔ دراوڑی صفات کو ویدوں، کلاسیکی سنسکرت اور
پراکرت دیسی بولیوں میں بھی تلاش کیا گیا ہے۔ابتدائی مقبول بولیاں اور
جدید دیسی بولیاں انھیں سے مشتق ہیں۔آسٹرس، دراوڑ اور ہند یوروپی
زبانیں لسانی سطح پر اس تحقیقی روشنی میں مرتب کی جا سکتی ہیں۔''

ماقبل ویدک ادب کی دیسی بولیوں کے تواریخی اور تحقیقی مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لسان (Langue) ہی تمام تہذیبی اور ثقافتی روایتوں کی آفریدگار اور پروردگار ہے۔ اسی بنیادی نقطہ پر ساختیات (Structualism)، مابعد ساختیات (Post Structualism) اور ردّ تشکیل بھی بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔ یہی جدید ترین تھیوری (فکریات) کا بنیادی پتھر ہے۔

''اُردو'' اصطلاح کی معرفت عظمیٰ

(The Gnosis of Urdu Term)

उर्दू परिभाषिक शब्द का पराअभिज्ञान

''قیدِ دید'' (Philosphia) کے برخلاف ''آزادئ دید'' (Philosia) کے زاویۂ نگاہ سے اُردو نسوانی توانائی کے بہاؤ اور اُردو مردانہ ٹھہراؤ کی حسین و زریں علامت ہے۔ یہ بہاؤ میں ٹھہراؤ کا وحدتِ وجودی تصوّر ہے۔ جس کے ارتقاع کے بعد پرم برہم (Ultimate Brahm) وَحدَہٗ لاشریک کا قُدسی اور الوہی تجربہ ہوتا ہے۔ جس کو احدِ اولیٰ اور نورِ اولیٰ کے بیکراں حُسن جلوہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کے اندر حُسنِ نظارہ بے اختیار جذب و پیوست ہو جاتا ہے۔ یہ وحیدیت اور وحدت سے آگے کی منزل احدیت ہے۔

''اُردَیا'' (उर्दया) (Cosmos) آفاقی نورِ اولیٰ (Ultimate Brahm) کا نگار خانۂ رقصاں ہے۔ جیسے جیسے برہم پھیلتے جاتے ہیں ویسے ویسے آفاق (ब्रह्मांड) بھی ہر ثانیہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا رُوم مُرشدِ اقبالؔ فرماتے ہیں۔

اصلِ ارضِ اللہ قلبِ عارفِ است
لامکاں است و ندارد فوق و پست

''اللہ کی زمین کی جڑ عارف کی روح میں جاں گزیں ہے۔ وہ لامکاں ہے۔ اُس میں گہرائی اور اُونچائی بیک وقت دائروی شکل میں ایک ہو جاتی ہے۔''

میر تقی میرؔ فرماتے ہیں۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گری کا

انڈو یوروپین آریہ ایران جانے سے قبل تُرکی گئے تھے اور تُرکی زبان و ثقافت بھی انڈو آریائی زبان، ادب اور ثقافت سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی لیکن ایران میں وہ بعد میں داخل ہوئے اور قدیم ایرانی زبان پہلوی زبان، ادب اور ثقافت خصوصی طور پر آریائی زبان، ادب اور تہذیب سے بیحد متاثر، متحرک اور منور رہوئی ہے۔ ان کے یہاں بھی روح اور جان کے لیے اُرون (URVAN) لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اُس کے لیے وہ اشارتاً روح کا پیکر (SOUL IMAGE) کا علامتی مرکب استعمال کرتے ہیں۔ گو یہ بُنیادی طور پر تجریدی (ABSTRACT) ہے۔ اسی طرح وہ خُدا کے لیے آہُورمزد (AH,URA MAZDA) لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ جو دراصل تخشمثالی (ARCH IMAGE) پیکر ہے لیکن بُنیادی طور پر تنزیہی (ABSTRACT) ہے۔ دونوں تہذیبوں کے باہمی تاثر پذیری سے تشبیہی رنگ و آہنگ بھی بڑھتا رہا۔ مثلاً ژندواوستا کا اُرون (URVAN) رگ وید کے اُر سے مشتق ہے اور آہُورمزد بھی رگ وید کے اُریشوِر سے مشتق ہے لیکن ان دونوں کے تلفظ میں غالباً ایرانی اثر کی وجہ سے تبدیلی آئی ہے اور کہیں کہیں ایرانی اثر کی وجہ سے مفہوم میں بھی تبدیلی آئی ہے اور یہ تبدیلی دونوں جگہ آئی ہے۔ مثلاً رگ وید کا دیو (DEV) ایران میں شیطان کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور اوستا کا اَہورا (اَہُور) سام وید اور یجروید میں اَسُر ا (اَسُر) میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ زمانے کی ایک گردش کے بعد ایران میں ہند یوروپی آریا (INDO EUROPIAN ARYA) اس دور تک ہند ایرانین آریا (INDO IRANIAN ARYA) کہلانے لگے تھے۔ رگ ویدی اندر (INDRA) پہلوی (پارسی) زبان میں انگرا (INGRA) میں تبدیل ہو گیا۔ انگرا کے معنی شیطان کے ہیں۔ پہلوی زبان میں یم زندگی اور انسانیت کا سب سے بڑا اظہاریہ بن گیا۔ جو کہ بعد میں پارسی ادب میں جم میں تبدیل ہو کر جمشید میں بدل گیا ہے۔ جامِ جمشید کا استعمال جدید فارسی ادب سے مستعار اُردو ادب میں بھی استعمال ہونے لگا ہے جب کہ یہ یم لفظ ویدک ادب میں موت کا فرشتہ ہے۔

اُر (उर): (उर्जा) روحانی توانائی، (चिद्) شاہدانہ ہوش و آگہی، (चिदम्बरम) فؤاد (شاہدانہ ہوش و آگہی کے قیام کی جگہ)، (अन्त: प्रकाश) روشنی، (दिव्य आलोक) نور۔ اُم (उम): (परम उर्जा) الوہی توانائی، (परम चिद्) اشہد

شعوروآگہی، (परम चिदम्बरम)اشہدشعوروآگہی کا مرکز،(परमात्मा)روحِ اولیٰ،(परम चेतना)نورِ عظمیٰ۔
اُور(ऊर):(उर्जा)روحانی توانائی،(चिद्)شاہدانہ ہوش وآگہی(चिदम्बरम)فؤاد(شاہدانہ ہوش وآگہی کے قیام کی
جگہ)،(अन्तः प्रकाश)روشنی،(दिव्य आलोक)نور ۔اُوم(ऊम): (परम उर्जा)الوہی توانائی(परम चिद्)اشہد شعور و
آگہی(परम चिदम्बरम)اشہدشعوروآگہی کا مرکز،(परमात्मा)روحِ اولیٰ،(परम चेतना)نورِ عظمیٰ۔اور(ओर):
(पंचमुखी उर्जा)کامل بیدار روح کے داخلی آفاق کی پنچ رُخی روحانی توانائی، روحِ آفاق کی متلاشی ہوتی ہے،
(चिद्) شاہدانہ ہوش و آگہی،(चिदम्बरम्)فؤاد(شاہدانہ ہوش و آگہی کے قیام کی جگہ)،(अन्तः प्रकाश)
روشنی،(दिव्य आलोक)نور ۔

اُردو(روح کو جاننا)خُدا کو جاننا ہے۔ عرفانِ روح عرفانِ اللہ ہے۔ معرفتِ نفس معرفتِ روحِ آفاق ہے۔ انڈوایرانین آریا نے جب ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو اُن کے رشیوں (عارف باللہ) کے دانشی اور بینشی پس منظر میں محولہ بالا روحانی صداقتیں روشن ومنوّر تھیں۔ اس مقدّس ذہنی پس منظر میں اُنھوں نے لفظ 'اُردو' کا استعمال کیا تھا۔ جس کا شعوری استعمال وہ پہلوی زبان (پارسی) میں بہت پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ ایران جانے سے قبل وہ تُرکستان گئے تھے اور وہ اُردو کو اسی رفیع ترین معنی میں استعمال کرتے تھے اور یہ اُردو لفظ رگ ویدی عہد سے دسویں صدی تک مسلسل بغیر کسی تغیّر کے استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی تمام زبانیں مختلف لسانی تبدیلیوں کے ساتھ دسویں صدی میں وجود میں آئیں لیکن ویدک ادب میں استعمال کردہ لفظ اُردو، امن اور ماورائے دماغ متواتر اکیسویں صدی تک ہو بہو استعمال ہو رہے ہیں اور اُردو کی یہ مقدّس ویدی اصطلاح اکیسویں صدی کے عالمی، قومی اور مقامی پسِ منظر میں حقیقی معنوں میں بین الاقوامی محبوبیت اور مقبولیت کی امین ہوگئی ہے۔ آج پوری دُنیا سمٹ کر عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا خورشید نشان اُردو عالمی گاؤں کا جاگتا جگمگاتا ہوا عالمی نشانِ امتیاز بن چکا ہے۔

اس قدیم ترین ویدی پس منظر سے اکیسویں صدی کے مابعد جدید تناظر میں نئے عہد کی تخلیقیت تک اُردو کی یہ ہر دلعزیز جوڑنے والی گنگا جمنی روح ہر عالم میں غیر مشروط انسانیت کی ہمیشہ علمبردار تھی، ہے اور رہے گی۔ لہٰذا یہ انصاف کا تقاضہ ہے کہ اُردو اصطلاح کے ضمن میں سوقیانہ لشکر، بازار اور کیمپ کی بگڑی ہوئی اصطلاح قابلِ منسوخ ہے۔ جو تُرکی افواج اُردو کی مسخ شدہ شکل میں استعمال کرتی تھیں اور جس کو سیاسی مصلحت باختگی کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سربراہوں نے شعوری طور پر قبول کیا اور سیاسی مصلحتوں کے تحت نہایت بدنیتی سے شب وروز تبلیغ

کی لیکن یہ بے رحم سچائی ہے کہ ہندوستان میں ہند ایرانی آریا (INDO IRANIAN ARYA) آہستہ آہستہ ہند آریائی آریا(INDO ARYAN ARYA) کہلانے لگے، گو کہ یہ ہند آریائی آریا پورے ہندوستان میں اپنے غالب تہذیبی اور روحانی اثرات کے ساتھ پھیل گئے لیکن خصوصی طور پر یہ لاہور پر کئی صدیوں تک چھائے رہے لیکن جب لاہور پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ مسلم تہذیب وثقافت کے اثرات کے باوجود بھی ہند آریائی اثرات غالب رہے۔ لہذا عربی اور فارسی کے بجائے پنجابی زبان کے اثرات اُردو زبان پر حاوی رہے کیوں کہ پنجابی اور اُردو کے بنیادی قواعد یکساں ہے۔ اس سورج آسا صداقت پر بلھے شاہ کا یہ گیت جو اُردو اور پنجابی کا مخلوط روپ ہے۔ وہ بھر پور روشنی ڈالتا ہے۔

ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ ؟
نام نبی کی رتن چڑھی، بوند پڑی اللہ اللہ
رنگ رنگیلی اوہی کھلاوے، جو سکی ہووے، فنا فی اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ
الست بربکم پیتم بولے سب سکھیاں نے گھنگھٹ کھولے
قالو بلی ہی یوں کر بولے، لا الہ الااللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ
نحن اقرب کی بنسی بجائی، من عرف نفسہ، کی کوک سنائی
فثم وجہ اللہ کی دھوم مچائی وچ دربار رسول اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ
ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑوں گی، عاجز ہو کر بنتی کروں گی
جھگڑا کر بھر جھولی لوں گی، نور محمد صلی اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ
فانکرونی کی ہوری بناؤں واشکر ولی کہہ پیا رجھاؤں
ایسے پیا کے میں بل بل جاؤں کیسا پیا سبحان اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ
صبغۃ اللہ کی بھر پچکاری، اللہ الصمد پیا منہ پر ماری

نور نبی داحق سے جاری، نور محمد صلی اللہ
بلہاری شاہ دی کی دھوم مچی ہے، لا الہ الا اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ کے بسم اللہ

دسویں صدی میں لاہور کی شاہی اور سرکاری زبان ابتدائی پنجابی زبان تھی۔ جس سے گھل مل کر ویدی اُردو اپنے مخصوص اور منفرد ہند آریائی تہذیبی اور روحانی حسن اور معنویت کے ساتھ آہستہ آہستہ پھلتی پھولتی رہی اور اب یہی مشترکہ گنگا جمنی زبان اُردو اکیسویں صدی میں اپنی لسانی اور ثقافتی معراج پر پہنچ گئی ہے۔ یہ ہند اُردوئی ثقافت (INDO URDUIAN CULTURE) کی ویدی گہرائیوں اور اونچائیوں کی امین ہے۔ ویدک تہذیب کی عطا کردہ یہ اصطلاح اُردو آج بھی مشترکہ ہندوستانی زبان وتہذیب کا ہمہ رخی روشنی کا مینار ہے۔ یہ اُردو زبان کمالِ محبّت اور کمالِ بصیرت کا آئینہ خانہ ہے۔ دسویں صدی کے بعد پیدا تمام اہم جدید ہندوستانی زبانوں کا باہم موازنہ کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ خصوصی طور پر اُردو زبان کو تمام ہندوستانی زبانوں کا تاج محل کہتے ہیں۔

دھلی میں آنے سے پہلے تقریباً دوسو برس تک مسلمان پنجاب میں رہے۔ وہاں کی تہذیب وروایت اور بول چال کی زبان کو اپنی زندگی کا نہایت فطری طور پر زندہ اور دھڑ کتا ہوا حصّہ بنایا۔ صوبۂ پنجاب کی زبان پنجابی تھی اور مسلمانوں کے پنجاب میں آمد کے بعد وہاں کی بولی میں نہایت سرعت سے تبدیلی آنا شروع ہوگئی اور مسلمان جب پنجاب سے دہلی اور الہ آباد تک گئے تو اپنے ساتھ وہ قدیم اُردو زبان کو بھی ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس ضمن میں اپنے افکار وخیالات کا اظہار کرتے ہوئے حافظ محمود خاں شیرانی اپنی تصنیف ''پنجاب میں اُردو'' میں رقمطراز ہیں:

''اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان ساتھ لے گئے ہوں گے۔''

حافظ محمود خاں شیرانی اپنی تصنیف ''پنجاب میں اُردو'' میں پنجابی اور اُردو دونوں زبانوں کی پیدائش گاہ کو ایک ہی جگہ پر تسلیم کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے اس بیان کے سلسلے میں تاریخی دلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ پنجابی اور اُردو صرف ونحو کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس

کے بعد ہی محمود شیرانی اپنے اس نظریہ پر پہنچتے ہیں کہ اُردو کی ولادت گاہ پنجاب ہے۔ محمود شیرانی اپنے اس خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی تذکیر و تانیث اور جمع اور افعال کی تصریف کا اتحاد اسی ایک نتیجہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اُردو اور پنجابی زبانوں کی ولادت گاہ ایک ہی مقام ہے۔ دونوں نے ایک ہی جگہ تربیت پائی ہے اور جب سیانی ہو گئی ہیں تب ان میں جدائی واقع ہوئی ہے۔''

حافظ محمود خاں شیرانی کے اسی خیال کا اظہار شیر علی سرخوش، جارج گریرسن، ڈاکٹر سنیتی کُمار چڑجی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور پہلے ہی کر چکے ہیں۔ ان محققین نے اپنے تحقیقی اور مدلّل افکار کے وسیلے سے اس خورشید نیم روزی حقیقت کو مکمّل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اُردو زبان میں پنجابی پن موجود ہے۔ جب مسلمان لاہور سے دھلی اور دھلی سے الہ آباد تک شمالی ہندوستان میں پھیل گئے اور جو زبان وہ اپنے ساتھ لے کر گئے وہی اُردو زبان ہے۔ ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر سنیتی کُمار چڑجی نے اپنی مایہ ناز لسانی کارنامہ'' بنگالی زبان کا آغاز وارتقاء The origin and Development of the Bengali Language) میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ نواحِ دہلی کی موجودہ بولیوں کی شناخت مسلمانوں کے داخلہ دہلی کے وقت تک نہیں ہوئی تھی اور لاہور سے الہ آباد تک تقریباً ایک ہی قسم کی زبان کا چلن عام تھا۔ ٹی۔ گراہم بیلی نے بھی اس سلسلے میں ان محولہ بالا حقائق کی مزید تصدیق و توثیق اے ہسٹری آف دی اُردو لٹریچر میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'' اُردو ۱۰۲۷ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی۔ قدیم پنجابی اس کی ماں ہے اور قدیم کھڑی بولی سوتیلی ماں۔ برج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ مسلمان سپاہیوں نے پنجابی کے اس روپ کو جواُن دنوں دہلی کی قدیم کھڑی بولی سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ اس کو اختیار کیا اور اس میں فارسی الفاظ اور فقرے شامل کر دیے۔''

لہذا مولانا محمّد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی اور موجودہ زمانے کے شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ لسانی عصبیت اور تنگ نظری قابلِ ردّ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اپنی کتاب'' اُردو کا ابتدائی زمانہ'' میں اپنا یہ متعصّبانہ لسانی تصوّر پیش کرتے ہیں۔ جو انتہائی متنازعہ فیہہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''پرانے زمانے میں ''اردو'' نام کی کوئی زبان نہیں تھی۔ جو لوگ ''قدیم اردو'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، وہ لسانیاتی اور تاریخی اعتبار سے نادرست اصطلاح برتتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ''قدیم اردو'' کی اصطلاح کا استعمال آج خطرے سے خالی نہیں۔زبان کے نام کی حیثیت سے لفظ ''اردو'' نسبتاً نوعمر ہے۔اور یہ سوال، کہ قدیم اردو کیا تھی، یا کیا ہے، ایک عرصہ ہوا تاریخ کے میدان سے باہر نکل چکا ہے۔ پہلے تو یہ سوال اردو ہندی کی تاریخ کے بارے میں نوآبادیاتی، سامراجی مصلحتوں کے زیر اثر انگریزوں کی سیاسی تشکیلات کا شکار رہا۔اور پھر جدید ہندوستان میں (ہندوستانی۔ہندو) تشخص کے بارے میں سیاسی اور جذباتی تصورات کی دنیا میں داخل ہوگیا۔''

چونکہ اس مقدمہ کی خشتِ اوّل ہی ٹیڑھی ہے۔اس لیے پوری کتاب کی بلند بالا عمارت بامِ ثریا تک پہنچنے کے باوجود بھی از اوّل تا آخیر ٹیڑھی ہے۔اسی لیے فاروقی بار بار اپنی کتاب میں ہریانی انداز میں کہتے ہیں۔ جیسے وہ آتشِ زیر پا ہوں۔ جورڈ تشکیل کے لائق اور قابلِ منسوخ ہے۔ ''ہندی والے ہمیشہ اُردو کو ہندی کی شیلی کہتے ہیں۔اب اُردو والوں کو اعلانیہ طور پر ہندی کو اُردو کی شیلی کہنا چاہئے۔'' فاروقی کے اس منفی ذہنی رویہ اور عملی برتاؤ کی اشتعال انگیزی، فتنہ پروری اور فساد انگیزی کے برخلاف مرزا خلیل بیگ اپنے عالمانہ مضمون 'اُردو کے آغاز وارتقا کے نظریے' میں نہایت مثبت انداز میں یہ کہتے ہیں:

''اُس وقت ہندوؤں کی زبان کیا تھی؟ یہی 'اُردو' جس کا قدیم نام 'ہندوی' اور 'ہندی' تھا۔اس طرح یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُردو کے آغاز وارتقا کا سہرا صحیح معنوں میں ہندوؤں ہی کے سر ہے اور وہی اس کی پیدائش کے حقیقی ذمہ دار ہیں۔مسلمانوں کو اُردو کی پیدائش کا ذمہ دار ٹھہرانا یا اُردو کو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ منسوب کرنا، تاریخی اور لسانی حقائق کو جھٹلانا ہے۔ہاں اس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اُردو کو نکھارنے اور چمکانے، سجانے اور سنوارنے، نیز اسے ترقی یافتہ بنانے اور ادبی و علمی مرتبے تک پہنچانے میں ایک نمایاں اور مہتم بالشان کردار ادا کیا ہے، اور آج برِصغیر ہندو پاک کے کروڑوں مسلمانوں کی اپنی زبان بن چکی ہے۔''

ابتدائی زمانے سے اُردو کے ادبی منظر نامہ پر نہایت قد آور ہندو شعرا موجود رہے ہیں۔جن کے تذکرے کے بغیر اُردو ادب کی کوئی بھی تاریخ مکمّل نہیں ہوسکتی ہے۔ان میں نمایاں ترین شعرا از زمانہ قدیم سے پنڈت چندر بھان برہمن، بھارتیندو ہریشچندر، پنڈت دیا شنکر نسیم، شنکر دیال فرحت، سورج نرائن مہر، شیو برت لال ورمن، پنڈت برج نرائن چکبست، دُرگا پرساد سہائے سرور، منشی نوبت رائے نظر اور مرثیہ نگار چھنّو لال دلگیر وغیرہ ہیں۔جدید دور کے نمایاں ترین شعرا میں تلوک چند محروم، آنند نرائن مُلّا، جوش ملسیانی، عرش ملسیانی، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، منچندا بانی، رامانند ساگر، گلزار، کُمار پاشی، آزاد گلاٹی، بلراج کومل، ستیہ پال آنند، گلشن کھنّہ، ش۔ک نظام، پرتپال سنگھ بیتاب، پروین کُمار اشک، عزیز پریہار، کرشن کُمار طور، عازم گوروندر سنگھ کوہلی، جینت پرمار اور چندر بھان خیال وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔عظیم ترین ہندو داستان گو، ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں میں عہد ساز داستان ساز ناول نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار، منشی پریم چند، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، مہندر ناتھ، سرلا دیوی، رام لعل، سریندر پرکاش، پریم ناتھ در، بلراج مین را، بلراج ورما، کرتار سنگھ دگل، پریم ناتھ پردیسی، سدرشن، جوگیندر پال، مزاح نگار کنہیالال کپور، دیوان بریندر ناتھ ظفر پیامی، منور ما دیوان، اُپندر ناتھ اشک، بلونت سنگھ، یوگیندر بالی، گیان سنگھ شاطر اور جتندر بلّو اور عظیم ڈرامہ نگار ریوتی سرن شرما وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ہندو جیّد عالموں میں پنڈت سندر لال، ڈاکٹر تارا چند، ڈاکٹر بھگوان داس، دیا نرائن نگم (ایڈیٹر زمانہ)، نند کشور وکرم (ایڈیٹر عالمی ادب) اور ڈاکٹر تارا چرن رستوگی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔نامور ہندو محققین و ناقدین میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مالک رام، ماہرِ غالبیات کالی داس گپتا رضا، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ماہرِ اقبالیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ماہرِ پریم چندیات مانک ٹالہ، رام لعل نابھوی، ڈاکٹر حکم چند نیّر، عابد پیشاوری، م۔م۔ راجندر، راجندر بہادر موج، راج بہادر گوڑ اور ڈاکٹر نریش وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو زبان کا سفر ویدک عہد سے اکیسویں صدی کے مابعد جدید تناظر میں نئے عہد کی تخلیقیت تک متواتر خوب سے خوب تر کی تلاش میں کوشاں ہے۔

(ویدک ادب اور اُردو از ڈاکٹر اجے مالوی)

تدائیم

وہ ایک

رگ وید کی دسویں کتاب (سوکت ۱۲۹) میں اس عالم کی تخلیق سے پہلے کی حالت جس انوکھے انداز میں بیان کی گئی ہے دنیا کے کلاسیکی ادب میں وہ مثالی ہے۔

(۱)

اس وقت عدم تھا اور نہ وجود
نہ عام باد اور آسمان جو اس سے پرے ہے
کیا چیز سب کو محیط تھی اور وہ سب کچھ کہاں قائم تھا
کیا وہ اور عمق بے پایاں تھا!

(۲)

اس وقت فنا و بقا کا کوئی وجود نہ تھا
اور نہ دن رات کا کوئی فرق تھا!
وہ ایک، اپنے آپ میں بغیر سانس (یا ہوا) کے سانس
لے رہا تھا۔
اور اس کے سوا کوئی دوسری شے نہ تھی!

(۳)

ابتدا میں اس تاریکی پر تاریکی چڑھی ہوئی تھی
سب کچھ (کائنات) غیر متمیز صورت میں پانی ہی پانی تھا
وہ ایک، جو خلد میں جامۂ عدم پہنے ہوئے تھا۔
حرارت نے اس کو اپنی طاقت سے پیدا کیا!

(۴)

اس میں ابتدا میں ابتداء خاہش پیدا نمودار ہوئی
یہ خاہش عقل یا روح کا ابتدائی تخم تھی
جس کو رشیوں نے اپنے دل ودماغ کی کاوش سے معلوم کیا
کہ وہ (تخم) عدم ووجود میں واسطہء اتصال ہے!

(۵)

وہ شعاع نور جو عالموں میں پھیلی
کیا وہ عالم پستی سے نمودار ہوئی یا عالم بالا سے؟
پھر بیج بوئے گئے اور قوتیں پیدا ہوئیں
کارخانہء قدرت عالم پستی میں اور اقتدار وارادہ عالم بالا میں:

(۶)

حقیقت کی کس کو خبر ہے، یہاں اس کا اعلان کون کرسکتا ہے،
کائنات کیا عالم مخلوقات کی پیدائش کہاں سے یا کس سے ہوئی؟
کیا دیوتا بھی بعد کی پیدائش ہیں،
تو پھر کون جانتا ہے کہ وہ (کائنات) کہاں سے نمودار ہوئی!

(۷)

یہ عالم مخلوقات کہاں سے نمودار ہوا
یا یہ کہ وہ خلق بھی ہوا ہے یا نہیں
وہ جو بالاترین آسمان سے سب کچھ کرسکتا ہے
اس حقیقت کا علم صرف اسی کو ہے شاید وہ بھی نہیں جانتا!

(ماہنامہ گگن بمبئی، مذاہب عالم نمبر ۱۹۸۴ء)

ویدوں سے متعلق کچھ اُردو کتابیں

آنند حقیقت	مولوی حبیب الرحمٰن شاستری	۱۹۵۸ء	ـ		انجمن ترقی اُردو ہندی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 250-U/53
اُپنشد گیان امرت	بخشی نرشنگھ داس	۱۹۷۶ء	ـ		الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ACC58010
ارمغان وید المعروف رام راج (ا)	عبدالرحمٰن صدیقی	۱۹۷۸ء	ـ		مکتبہ الحق کراچی؟خدابخش لائبریری پٹنہ ACC50310
اِتریہ اُپنشد	شیو برت لال ورمن	ـ	ـ		رفاہِ عام پریس لاہور ررضالائبریری رامپور نمبر ۳۵ ہندومت اُردو
ایش اپنشد	شریمان پرمارتھی	۱۹۳۰ء	ـ		منظور عام پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC58010
ایش اُپنشد	وینکٹ راؤ	۱۹۷۶ء	ـ		الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ACC58010
برہم سوتر یا ویدانت سوتر	بھوانی پرساد	۱۹۰۰ء	ـ		. رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC90668
بھگوتانند یجروید	بھگوتانند	ـ	ـ		امپریل پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۳۸۔ مذہب
پرشن اپنشد	شریمان پرمارتھی	۱۹۳۱ء	ـ		الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ACC58010
پرکاش	سوامی درشانند جی	ـ	ـ		لاجپت رائے پرتھوی راج ساہنی لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23782
پورانک پوپ پر ویدک توپ	پنڈت منسارام	ـ	ـ		چندر گپت پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۴۴۴۔مذہب
پورانک دھرم کا جنازہ عرف پورانک بھگوکا منہ کالا بجواب کلنک انسان کے لباس	وشوامتر آریہ	ـ		۱۱۳	آفتاب برقی پریس امرتسر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۰۰
پیام راحت (ایشاواسیہ کے پہلے آٹھ کا مع شرح و ترجمہ)	بھاگ مل سائینی	۱۹۳۹ء	ـ		الیکٹرک پریس جالندھر ررضالائبریری رامپور نمبر ۱۲۸ ہندومت اردو
تاریخ ویدی لٹریچر	حکیم احمد	۱۹۶۰ء	ـ		ـ رسنٹرل لائبریری الہ آباد HAK/T 294.09 اُپنشد
تحقیق آریا	محمد سلطان	۱۹۲۶ء	ـ		ایم کے خاں مہاں سنگھ باغ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔HL6549
رگ وید	آشورام آریہ	۱۹۸۴ء	ـ		آریہ پرکاش چنڈی گڑھ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC57554
رگ وید اور اُپنشد کی روشنی میں	شکیل الرحمٰن	۱۹۷۶ء	ـ		عصمت پبلیکیشنز سرینگر رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر 250-U/48
رگ وید آدی بھاشیہ بھومیکا اُردو	لالہ تولارام	۱۹۱۴ء	ـ		یونین اسٹیم پرنٹنگ ورکس لاہور ررضالائبریری رامپور ۱۱۳ ہندومت
رگ وید آدی بھاشیہ بھومیکا	دیانند سرسوتی	۱۹۰۲ء	ـ		مفید عام پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔HL9543
سام وید	آشورام آریہ	۱۹۸۸ء	ـ		آریہ آفسیٹ دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62160
شری ایس اُپنشد	سوامی پربھوپاد جی	۱۹۸۴ء	ـ		بھگت ویدانت بک ٹرسٹ ممبئی رذاتی لائبریری
صبح آفرینش (ویدوں کی روشنی میں)	سید محمد رضوی تسکین	۱۹۳۱ء	ـ		فیض آباد پریس فیض آباد رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر 250-U/26
صبحِ امید	منشی رام جگیاسو	۱۸۹۸ء	ـ		ست دھرم پرچارک جالندھر ررضالائبریری رام پور کتاب نمبر ۲۷ ہندومت اُردو
کٹھ اپنشد	سوامی درشانند	۱۹۳۷ء	ـ		مفید عام پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ACC2415

کٹھ اپنشد	شریمان پرمارتھی	۱۹۳۰ء	ـ	الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC58010
کٹھ اپنشد	شریمان پرمارتھی	۱۹۳۱ء	ـ	الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC58010
کین اپنشد	شریمان پرمارتھی	۱۹۳۰ء	ـ	الیکٹرک پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC58010
کینوپ اُپنشد	ـ	ـ	ـ	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24158
مانڈوکیہ اُپنشد	سورج نرائن مہر	ـ	ـ	سادھو پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC89933
مجموعۂ اُپنشد	بابو پیارے لال	۱۹۰۰	ـ	ودیا ساگر پریس علی گڑھ ربھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۱۷
منڈک اُپنشد	شیو برت لال ورمن	۱۹۷۹ء	ـ	خلاصی گوزہ سکندر انا آندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC63699
ویدانت	شیو برت لال ورمن	ـ	۱۹۲	رادھا سوامی کارخانہ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۳۷۹
ویدانت درشن	سوامی بھولا ناتھ شرما	۱۹۶۴ء	ـ	چوپڑہ پرنٹنگ پریس جالندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC33999
ویدانت درشن	سوامی درشنانند	۱۹۳۴ء	ـ	راجپال اینڈ سنز لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC350479
ویدانت کا سدھانت	لالہ رام پرساد	۱۹۴۰ء	ـ	گپت پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC24322
ویدانت کلپدرم	شیو برت لال ورمن	۱۹۱۱ء	ـ	سرسوتی بھنڈار الاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC35103۔
ویدانت کی پہلی کتاب	شیو برت لال ورمن	ـ	ـ	رادھا سوامی کارخانہ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24318
ویدانت کے رتن	سورج نرائن مہر	ـ	ـ	سادھو پریس دہلی ۳ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۵۴۔مذہب
ویداور اس کی قدامت	اکبر شاہ خاں	۱۹۶۹ء	ـ	ادارہ اشاعت حق دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC75652
ویدانو وچن	باوا نگینہ سنگھ بیدی	۱۹۱۴ء	ـ	آفتاب تجارت دہلی ربھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۲۸
یجروید (اُردو ترجمہ دوسرا ادھیائے)	پنڈت روپ لال	۱۹۱۷ء	ـ	بریلی پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC24384
ویدمت اور قربانی	خواجہ غلام الحسنین	۱۹۲۳ء	ـ	مصباح الاسلام واعظ پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC24311
وید بھگوان کی حقیقت اور قرآن کی کیفیت	مدن موہن لال	۱۹۲۳ء	ـ	گردھرا اسٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC34047
ویداور قرآن	لالتمن	ـ	ـ	دیال پرنٹنگ پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24308
ویداور قرآن کا مقابلہ	مرزا غلام احمد	۱۸۹۳ء	ـ	اسلامیہ پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC13988
ویدانت پرویشکا	بادھوناتھ	ـ	ـ	سود پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۸۷۔مذہب
ویدک (آریہ سماج پرایک نظر)	جگدمبا پرشاد ورما	ـ	۳۲۴	قاضی پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ۰۸۷ایچ ایل
ویدک ادب اور اُردو	اجے مالوی	ـ	ـ	محقق ۸/۱۲۷۸ امالوی نگر، الہ آباد، (یوپی) ۲۱۱۰۰۳
ویدک ایشور کی حقیقت	حاجی رحیم بخش	ـ	ـ	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ HL 2065
ویدک پرارتھنا پستک	سوامی دیانند	۱۹۳۲ء	ـ	ویدک پستکالیہ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ۔ ACC24314
ویدک توحید کا آئینہ	ناصر علی احمدی	ـ	ـ	الحق پریس لاہور رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۸۶۔مذہب
ویدک دھرم	رام چندر جاوید	۱۹۶۷ء	۱۲۸	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۳۸
ویدک دھرم اور اسلام	ـ	ـ	ـ	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۶۰۸۵
ویدک دھرم پرچار	شری آریہ پرتی ندھی	ـ	ـ	نولکشور پریس لکھنؤ رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۴۱۸۔مذہب

ویدک دھرم سوامی دیانند کی نظر میں　خالد حامدی　۱۹۸۱ء　ـ　ادارہ شہادت دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC68841

ویدکا تعارف　محمد فاروق خاں　۱۹۸۴ء　ـ　جمال پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC33815

ویدکا دھرم پرچار　رائے ٹھاکر دت دھون　۱۸۹۵ء　۳۳۵　منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC24304

ویدک ہند　مولوی حمید احمد انصاری　۱۹۲۳　ـ　دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC37134

ویدانو وچن　باباسنگھ یگندابیدی　ـ　ـ　مطبع نعمانی دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۹۴۶۔مذہب

ویداور قرآن　لاتھمی آریہ اُپدیشک۔　ـ　ـ　دیال پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۴۹۶۔مذہب

ویداور قرآن (حصہ۲)　لاتھمی آریہ اُپدیشک۔　ـ　ـ　دیال پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۵۲۴۔مذہب

ویدکی حقیقت　ابورحمر حسن　ـ　ـ　مفید عام پریس سیالکوٹ رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۴۲۷۔مذہب

ویدک تثلیث　آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب　۱۹۰۶ء　ـ　رفاہ عام پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC24330۔

ویدک دھرم کی زبردست فاتح　شیر سنگھ منتری　ـ　ـ　دہلی پرنٹنگ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۴۲۔مذہب

ویدک سندھیا　ـ　ـ　ـ　پنجابی پستک بھنڈار دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24332

ویدوں کا بہشت　مولوی عبدالحق ودیارتھی　ـ　ـ　دارالکتب اسلامیہ احمدیہ لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL 6548

ویدوں کی تعداد　بشیر شاہ کوٹی　۱۹۱۱ء　ـ　حق پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC24312

ویدوں کی حقیقت　مولوی احمد حسین خاں　۱۹۲۷ء　ـ　محبوب الیکٹرک پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC24327

ویدوں کی حقیقت (دوم)　مولوی احمد حسین خان　ـ　ـ　محبوب المطابع دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۳۴۶۔مذہب

ویدوں کی حقیقت　مولوی محمد ابوالمکارم بقا حسین　ـ　ـ　۔رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC49284

ویدوں کی ظاہری کندہ　پنڈت سیتھ دیو　۱۹۲۵ء　ـ　سلیمانی پریس بنارس رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC24320

ویدانت پرویشکا　یادوناتھ جی　ـ　ـ　سودیشی پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24319

ویددھرم منظوم (رسالہ صداقت)　پنڈت درگا پرشاد　ـ　ـ　دلی پرنٹنگ پریس رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر۴۴مذہب

ویدکا بھید　مولوی عبدالصمد رحمانی　ـ　ـ　طبع رحمانیہ مونگھیر رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC57260

یجروید　آشورام آریہ　۱۹۸۴ء　ـ　آریہ پرکاش چنڈی گڑھ رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC57555

یجروید (۱)　آشورام آریہ (مترجم)　ـ　ـ　ہندسماچار پریس دہلی؟ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۱۰۵۲۔مذہب

یجروید　دھرم پال　ـ　ـ　سٹیم پریس امرتسر رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL 2862

یجروید　لالہ نوندہ پرشاد گپتا　۱۸۹۹ء　ـ　اسلامیہ پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ۔ACC1398

یجروید　ـ　ـ　ـ　رضا لائبریری رامپور نمبر۷۶ ہندو مت اُردو

یجروید کا اُردو ترجمہ (۱)　منشی دیارام　ـ　ـ　رام پریس میرٹھ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC34079

یجروید کا اُردو ترجمہ　مولوی عبدالحق　۱۹۲۷ء　ـ　احمدیہ انجمن اسلام لاہور ررضا لائبریری رام پور کتاب نمبر۱۴ ہندو مت اُردو

یجروید کا اُردو ترجمہ　لاتھمن آریو پدیشک　ـ　ـ　ستار پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24378

☆☆☆

رام کتھا..........رامائن

دواپر یگ میں دریائے سرجو کے کنارے اجودھیا نام کا ایک شہر آباد تھا جو راجہ دشرتھ کی سلطنت کی راجدھانی تھا۔ راجہ دشرتھ ایک بہت ہی بہادر اور دانی ہستی تھے۔ ان کی تین رانیاں تھیں کوشلیا، سمترا اور کیکئی، مگر اُن میں سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ آخر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے راجہ دشرتھ نے اجودھیا میں اشومیدھ یگیہ کرایا جس میں دُور دُور کے رشی منیوں نے شرکت کی۔ یگیہ کے دوران ہون کی آگ سے ایک مرد نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں کھیر سے بھرا ہوا ایک برتن تھا۔ اُس نے راجہ کو کہا کہ وہ اپنی رانیوں کو یہ کھیر کھلائے جس سے کہ اُس کے گھر بیٹا پیدا ہو۔ راجہ دشرتھ نے وہ کھیر اپنی تینوں رانیوں کو کھلائی جس سے کچھ مدت بعد ان کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ کوشلیا نے رام کو جنم دیا، سمترا نے لکشمن کو اور کیکئی نے بھرت اور شتروگن کو۔

جب رام پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئے تھے اور لڑکپن اور جوانی کے بیچ کی عمر میں تھے تو ایک دن اُس دَور کے مشہور رشی وشوامتر اُن کے راج دربار میں آئے اور انہوں نے راجہ کو بتایا کہ جنگل میں مریچ، سباہو اور دوسرے راکشس رشیوں منیوں کو بہت تنگ کرتے ہیں لہذا وہ اپنے بیٹے رام کو ان کے ساتھ بھیجیں تا کہ جنگل کے باسیوں اور رشیوں منیوں کو راکشسوں کے ظلم و ستم سے نجات دلائی جاسکے۔ راجہ دشرتھ نے اُن کی بات سُن کر کہا کہ مہاراج! رام تو بہت چھوٹے ہیں انہیں مت لے جایئے مَیں آپ کے ہمراہ کچھ سینا بھیج دیتا ہوں۔ مگر رشی وشوامتر نہیں مانے۔ مجبوراً راجہ دشرتھ کو ان کے ساتھ رام اور لکشمن کو بھیجنا پڑا۔ وہاں یگیہ کے دوران ماریچ اور سباہو نے یگیہ میں اڑچن ڈالنے کی کوشش کی جس پر رام نے انہیں لقمۂ اجل بنا دیا اور اسی دوران جنگل میں تاڑکا نامی راکشسنی نے بھی اُن کا راستہ روکا تو شری رام نے اسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا اور جنگل باسیوں کو راکشسوں کے ظلم وستم سے چھٹکارہ دلایا۔

اسی دوران رشی وشوامتر کو پیغام ملا کہ متھلا کے راجہ جنک کی راجکماری سیتا کا سوئمبر ہونے والا ہے جس میں دُور دُور سے راجے شرکت کرنے آرہے ہیں۔ اور اس موقع پر راجہ جنک نے رشی وشوامتر سے آشیرواد لینے کے لئے انہیں بھی تشریف لانے کے لئے بُلایا۔ تب منی وشوامتر رام اور لکشمن کو لے کر جنک پوری پہنچے اور راجہ جنک کے دھنش یگیہ میں شرکت کی۔ سوئمبر کی شرط تھی کہ جو کوئی دھنش اُٹھائے گا اسی سے رجکماری سیتا کی شادی ہوگی۔ دربار میں موجود کئی راجاؤں

اور راجکماروں نے اس دھنش کو اُٹھانے کی کوشش کی مگر سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔تب راجہ جنک بہت اُداس ہو گئے کہ اتنے سورماؤں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اسے اُٹھا کر اُن کی بیٹی سے شادی کرے۔تب شری رام دھنش اُٹھانے کے لئے آگے بڑھے اور انہوں نے ایک جھٹکے میں ہی دھنش کو توڑ دیا اور اس طرح رام کی شادی سیتا جی سے ہوگئی۔یہی نہیں لچھمن کی شادی اُرملا سے اور بھرت اور شتروگن کی شادی کش دھوج کی بیٹیوں سے ہوگئی۔

اس موقع پر اجودھیا میں بڑی خوشی منائی گئی۔اور اس کے کچھ عرصہ بعد راجہ دشرتھ کا دل راج پاٹ سے اُچاٹ ہوگیا اور انہوں نے راج دربار میں اعلان کیا کہ وہ اپنی گدی اجودھیا کے ولی عہد رام کو سونپ دیں گے۔اور خود سنیاس لے لیں گے۔مگر ایسا نہ ہو پایا۔کیونکہ منتھرا نے ان کی چھوٹی رانی کیکئی کو بھڑکا دیا جس کے نتیجے میں اُس نے اپنے بیٹے بھرت کو راج اور رام کو چودہ برس بن باس دینے لئے راجہ دشرتھ کو مجبور کر دیا اور چونکہ راجہ نے کیکئی کو کسی جنگ کے دوران وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی دو آرزوئیں پوری کریں گے لہذا رام کو بن باس دینے سے وہ نہ نہیں کہہ سکے۔رام کو جب والد کی پریشانی کی بات معلوم ہوئی تو وہ اُن کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بن باس جانے کو تیار ہو گئے۔اور اُن کے ساتھ ہی سیتا جی اور ان کے چھوٹے بھائی لچھمن بھی۔مگر راجہ دشرتھ یہ دُکھ برداشت نہ کر سکے اور اُن کے بن باس جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور بیٹے رام کو یاد کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔تب بھرت اور شتروگن کو ان کی ننیہال سے بلایا گیا مگر اجودھیا آ کر انہیں رام کے بن باس چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو بھرت کو بہت غصہ آیا۔اُس نے اپنی ماں کیکئی کو بُرا بھلا کہا اور راج سنگھاسن پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔اور رام کو واپس لانے کے لئے جنگل کی جانب روانہ ہو گئے۔تاکہ وہ انہیں واپس لا کر اجودھیا کے تخت پر بٹھائیں۔چتر کوٹ کے جنگل میں رام اور بھرت کی ملاقات ہوئی مگر رام کسی قیمت پر واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔مجبوراً بھرت اُن کی کھڑائیں لے کر اجودھیا واپس چلے گئے اور سنگھاسن پر اُن کی کھڑائیں رکھ کر اُن کے ایک سیوک کی حیثیت سے راج کا کام کاج چلانے لگے۔

اس کے بعد کچھ مدت رام لچھمن اور سیتا نے اُتری منی کے آشرم میں قیام کیا۔پھر وہاں سے روانہ ہو کر ڈنڈکارنیہ کے جنگلوں میں جا کر کٹیا بنا کر رہنے لگے۔

ایک دن راون کی بہن شورپنکھا گھومتے گھامتے وہاں رام کی جائے قیام پر پہنچ گئی اور رام کے حسن و شباب پر فریفتہ ہو کر اس نے ان سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔جب رام نے اس کی شادی کی تجویز نہیں مانی تو اُس نے اُن کے بھائی لچھمن پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی مگر لچھمن نے اس کی تجویز پر غصے میں آ کر اُس کی ناک کاٹ دی۔تب وہ روتی چیختی

چلاتی اپنے بھائی کھر کے پاس امداد کے لئے پہنچی۔
پھر وہ روتی پیٹتی راون کے پاس پہنچی اور اپنی دُردشا کا حال سنا کر اُس نے راون کو رام سے بدلہ لینے کے لئے اکسایا اور راون رام سے بدلہ لینے کے تیار ہو گیا۔ اور اس سلسلے میں اس نے اپنے ماموں ماریچ کو بھی مدد کے لئے تیار کر لیا۔ دونوں رام سے انتقام لینے کے لئے ان کی کٹیا کے قریب پہنچے۔ وہاں ماریچ نے سنہری ہرن کا روپ دھارن کر کے کٹیا کے کے ارد گرد قلانچیں بھرنی شروع کر دیں جس پر سیتا اُس ہرن کی شکل وصورت پر فریفتہ ہو گئی اور اُس نے رام کو اسے پکڑنے کے لئے اصرار کیا۔ پہلے تو رام نے اس کی باتوں کی جانب کوئی توجہ نہ دی مگر جب اس کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آخر کار وہ سیتا کو خوش کرنے کے لئے اُس ہرن کو پکڑنے کے لئے اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جانے سے پہلے انہوں نے لکشمن کو تاکید کی کہ کچھ بھی ہو جائے وہ سیتا کو تنہا نہ چھوڑے اور کٹیا میں ہی رہے۔ مگر اچانک ماریچ رام کی آواز میں چلایا "لکشمن...... لکشمن"، جس پر سیتا جی لکشمن کو رام کی مدد کے لئے بھیجتی ہیں کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے جائے کہ وہ مصیبت میں گرفتار ہیں۔ پہلے تو لکشمن جانے کو تیار نہیں ہوا مگر آخر وہ کٹیا کے باہر ایک لکیر کھینچ کر سیتا کو اس سے باہر نہ جانے کی تاکید کر کے رام کی مدد کے لئے روانہ ہو گیا۔ مگر لکشمن کے جاتے ہی راون ایک سادھو کا بھیس بنا کر بھکشا مانگنے کے بہانے وہاں کٹیا میں پہنچ گیا۔ سیتا لکیر سے باہر آکر بھیک دینے سے انکار کرتی رہی مگر راون کے مجبور کرنے پر اُس نے اسے سادھو سمجھ کر لکیر کے باہر آکر بھکشا دینا منظور کر لیا۔ جوں ہی سیتا نے بھکشا دینے کے لئے لکیر سے قدم باہر رکھا۔ راون اُسے اُٹھا کر لنکا کی طرف روانہ ہو گیا۔
جب راون اور لکشمن ہرن کے پیچھا کرنے کے بعد کٹیا میں واپس آئے تو وہ سیتا کو نہ پا کر پریشان ہو اُٹھے اور وہ اسے جنگل جنگل ڈھونڈنے لگے۔ مگر سب بے سود۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے انہیں راستے میں زخمی حالت میں جٹایو نامی گدھ مل گیا جو زخموں سے چور چور تھا۔ جٹایو نے انہیں بتایا ہے کہ راون سیتا جی کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اسی دوران جنگل میں ان کی ملاقات شبری نام کی ایک عورت سے ہوتی ہے جو رام کی عبادت میں مست رہتی ہے اور برسوں سے اُن کے انتظار میں اُن کی راہ تک رہی ہے۔ وہ شری رام کی اتنی بڑی بھگت تھی کہ وہ جنگل میں بیر اکٹھے کرتی رہتی تھی کہ جب اس کے رام آئیں گے تو وہ انہیں کھلائے گی۔ اور کہتے ہیں کہ وہ بیروں کو چکھ چکھ کر اکٹھا کرتی تھی تا کہ رام کو وہ میٹھے بیر کھلا سکے۔ رام نے اس شردھالو عورت کے جوٹھے بیر کھانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اس کی عبادت سے خوش ہو کر اسے سورگ جانے کا وردان دیا۔
سیتا کو تلاش کرنے کے دوران شری رام کی ملاقات سگریو سے ہوتی ہے جو اپنے

بھائی بالی سے پریشان ہوکر جنگلوں میں چھپا ہوا تھا اور جس نے اُس کی بیوی تارا کو بھی اس سے چھین لیا تھا۔ اسی جگہ سگریو کے ساتھ رام جی کی ہنومان جی سے بھی ملاقات ہوئی جو سگریو کے بہت ہی مددگار و معاون ساتھی تھے۔ سگریو کی داستانِ غم سُن کر رام سگریو کی مدد کرنے کا وعدہ ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے بھائی بالی کو موت کا لقمہ بنا کر سگریو کو راجہ بنا دیتے ہیں۔ سگریو اور ہنومان شری رام کی ہر ممکن مدد سے سیتا کو ڈھونڈنے اور انہیں واپس لانے کا وعدہ کرتے ہیں۔

پھر سیتا جی کی تلاش میں رامیشورم پہنچ کر شری رام نے لنکا پر چڑھائی کا منصوبہ بنایا اور حملہ سے پہلے وہاں کے حالات جاننے کے لئے ہنومان جی کو لنکا بھیجا۔ وہاں جا کر ہنومان اشوک واٹکا میں سیتا جی سے ملے اور رام جی کی انگوٹھی نشانی کے طور پر دے کر انہوں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ رام سیوک ہنومان ہیں اور یہ کہ وہ جلد ہی انہیں راون کی قید سے چھڑا لیں گے۔ سیتا جی نے بھی بدلے میں اپنی چوڑی رام جی تک پہنچانے کے لئے ہنومان کے حوالے کی۔ اس کے بعد ہنومان نے اشوک واٹکا میں پھل پھول کھانے کے ساتھ ساتھ اس میں تباہی و بربادی مچادی اور کئی افراد کو ہلاک کر دیا۔ جس پر راکشس انہیں گرفتار کر کے راون کے دربار میں پیش کرنے کے لئے لے گئے جہاں اس کی لمبی پونچھ پر روئی لپیٹ کر اسے آگ لگا دی گئی اور اس کا مذاق اُڑایا گیا۔ اس پر غصے میں آ کر ہنومان نے اپنی جلتی پونچھ سے ساری لنکا میں آگ لگا دی جس سے چاروں طرف کہرام مچ گیا۔

اب رام کے پاس راون سے جنگ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ لیکن رام جنگ نہیں چاہتے، وہ سیتا جی کی باعزت واپسی چاہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے انگد کو اپنے ایلچی کے طور پر راون کے دربار میں بھیجا کہ وہ انہیں ان کا پیغام امن دے اور اسے جنگ سے باز رکھے مگر راون انگد کی ایک بات بھی نہیں سنتا اس لئے انگد کو بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔ اب رام کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

راون کی پہلی شکست اپنے بھائی وبھیشن کے ہاتھوں ہوئی جو اسے جنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے مگر جب کوئی چارہ نہیں دیکھتا تو وہ راون کا ساتھ چھوڑ کر رام کی شرن میں چلا گیا۔

رام کے لنکا پہنچنے پر راون کو جنگ کے لئے میدانِ جنگ میں اُترنا پڑا۔ مگر ابتدائے جنگ میں اُس کا شور بیر بھائی کنبھ کرن جو سال میں چھ مہینے سوتا تھا، رام کے ہاتھوں مارا گیا، اس کے بعد راون کے بیٹے اندر جیت عرف میگھناد نے میدانِ جنگ میں لکشمن کو بُری طرح زخمی کر دیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ تب وئید ہمالہ سے سنجیونی بوٹی لانے کے لئے کہتے ہیں تب ہنومان راتوں رات ہمالہ سے سنجیونی بوٹی لانے کے لئے جاتے ہیں مگر وہ سنجیونی بوٹی نہ پہچان سکنے

کیا کارن پورا پہاڑ ہی اُٹھا کر لے آتے ہیں۔ پھر سنجیونی کے پینے سے لکشمن ہوش میں آجاتے ہے۔

بعد ازاں لکشمن اور میگھناد میں پھر گھمسان کا یدھ ہوا جس میں بالآخر میگھناد کی لکشمن کے ہاتھوں موت ہوگئی۔ اس کی موت کے بعد راون کی بیوی نے اسے جنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راون بھی جنگ میں ہلاک ہوگیا اور رام جیت گئے۔

لنکا میں فتح کے بعد رام نے لنکا کا راج پاٹ راون کے چھوٹے بھائی وبھیشن کو سونپ دیا اور خود اجودھیا واپسی کی تیاری کرنے لگے۔۔ اجودھیا پہنچ کر سیتا کی پاکدامنی کے لئے اگنی پریکشا بھی ہوئی جس میں سیتا جی پوری اُتریں۔ اس کے بعد رام اجودھیا کے راج سنگھاسن پر بٹھائے گئے اور وہ کئی برس تک اجودھیا پر راج کرتے رہے۔ لیکن ایک دن ایک دھوبی کے یہ کہنے پر کہ مَیں کوئی رام نہیں کہ راون کے پاس رہی سیتا کو سویکار کرلوں، انہوں نے سیتا کو تیاگنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور اس کے باجود کہ سیتا حاملہ تھیں انہوں نے لکشمن کو اسے جنگل میں چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سیتا بالمیکی جی کی کٹیا میں رہنے لگی جہاں لو اور کش کی پیدائش ہوئی اور وہیں بالمیکی جی کے زیر سایہ ان کی پرورش و پراخت ہوئی۔

اسی دوران ایک دن معلوم ہوا کہ رام اشومیدھ یگیہ کرنے والے ہیں۔ لو اور کش بھی یگیہ دیکھنے کے لئے اجودھیا پہنچے اور انہوں نے اشومیدھ یگیہ کے دوران چھوڑے گئے گھوڑے کو پکڑلیا جس پر لکشمن ان سے جنگ کے لئے میدان میں کود پڑتے ہیں۔

تبھی لکشمن اور لوکش میں زبردست جنگ کے دوران سیتا جی وہاں پہنچ گئیں اور انہوں نے لوکش کو رام لکشمن سے ان کا رشتہ بتایا اور جنگ بند کرنے کی تلقین کی۔ جنگ کے خاتمے پر سیتا اور لوکش کو اجودھیا لایا گیا جہاں ایک بار پھر سیتا جی کی پاک دامنی ثابت کرنے کے لئے اُن کی اگنی پریکشا ہوئی اور اسی اگنی پریکشا کے دوران زمین پھٹ گئی اور سیتا اس میں سما گئیں۔

بعد ازاں رام کچھ مدت حکومت کرتے رہے۔ پھر انہوں نے لو کو کشواتی کا اور کش کو شراوستی کا راجہ بنا دیا۔ اور ایک دن لکشمن سے وعدہ خلافی ہونے پر رام لکشمن کو چھوڑ کر سرجوندی کے کنارے پہنچ گئے اور وہاں ندی میں غرقاب ہوکر سورگ میں وشرام کے لئے چلے گئے۔

☆☆☆

اجے مالوی

منظوم رامائنوں کی روشنی میں......رام کتھا

رامائن ہندوستان کا مہابیانیہ (Metanarative) ہے۔ جو ہندوستان کی اجتماعی (Collectively) تہذیبی اور مذہبی روح کی نمائندگی کرتی ہے۔ سناتن دھرم کی تبلیغ و تشہیر کے لیے رشیوں اور منیوں نے سنسکرت زبان کو اپنایا۔ وید، رامائن اور مہابھارت جیسے مقدس صحائف سنسکرت زبان میں ہی لکھے گئے لیکن کوئی بھی مذہب زبان کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی کتابیں بہت جلد زبان کے حصار سے باہر نکل جاتی ہیں اور اس کا ترجمہ دنیا کے مختلف زبانوں میں ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تلسی داس نے رام چرت مانس کی تخلیق اودھی زبان میں تقریباً ۱۵۷۴ء میں کی۔ جس میں بھوج پوری اور برج کی بولی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اس کو قلم بند کرنے میں تلسی داس کو دو سال سات مہینے اور چھبیس دن لگے۔ شمالی ہندوستان میں رام چرت مانس کو نہایت عقیدت آگیں نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ گھر گھر میں رام چرت مانس کا پاٹھ (تلاوت) ہوتا ہے اور دشہرہ کے خاص موقع پر جگہ جگہ رام لیلا منعقد ہوتی ہیں۔

فارسی زبان میں پہلا ترجمہ اکبرِ اعظم کے حکم سے ایک دیندار مسلمان عبدالقادر بدایونی نے ۱۵۹۰ء میں نثر میں کیا تھا۔ اس کے بعد شہنشاہ جہاں گیر کے عہد حکومت میں رامائن کے دو اہم تراجم فارسی زبان میں منظوم ہوئے۔ ایک ملا سعداللہ مسیح کیرانوی نے اور دوسرا گردھر داس نے کیا۔

سنسکرت زبان میں وید ویاس نے مہابھارت کے بن پرب میں راموپاکھیان، کالی داس نے رگھوونش، بھوبھوتی نے اُتر رام چرت، چھیمیندر نے رامائن منجری، چند بردائی نے پرتھوی راج راسو، کیشو داس نے رام چندر کا اور رام پارشو نے شری رام پنچ شتی کی تخلیق کی۔ ہندوستانی زبانوں میں رنگ ناتھ کی رنگ ناتھ رامائن تیلگو زبان میں، ثرلا داس نے اتکل (اُڑیا) زبان میں، گورو گووند سنگھ کی پنجابی زبان میں رامائن، ایک ناتھ نے مراٹھی زبان میں بھاوارتھ رامائن، رامانجم ایشو چھن نے ملیالم زبان میں ادھیاتم رامائن، تمل میں کمبن نے کمبن رامائن، کُمار بالمیکی نے کنڑ زبان میں توروے رامائن، بھانو بھگت نے نیپالی زبان میں ادھیاتم رامائن، گردھر نے

گجراتی زبان میں گردھر رامائن، کشمیری زبان میں دواکر پرکاش بھٹ کی کشمیری رامائن، کرتی واس اوجھا نے کرتی واس رامائن بنگالی زبان میں اور اسمیا زبان میں مادھوکندلی نے مادھوکندلی رامائن کی تخلیق کی ہے۔

رامائن اپنی آفاقیت (universality) کے باعث قومی سرحدوں کی شکست و ریخت کرتی ہے اور اپنی عالم گیر معنویت وہ اہمیت کے سبب دنیا کے مختلف زبانوں میں وقتاً فوقتاً ترجمہ بھی کی جاتی رہی ہے۔ بیرون ممالک میں بھی رامائن کے تراجم خوب ہوئے۔ مثلاً تھائی لینڈ کی رامائن رام کین یعنی رام کیرتی، کمبوڈیا کی رامائن رام کیر، ملیشیا کی رامائن حکایت شری راما، جاوا کی رامائن کاک ون، چین کی رامائن کان سنہوی اور تبت کی کھیتانی رامائن بہت مشہور ہیں۔

سناتن دھرم کا زیادہ تر تبلیغی اُدب اردو زبان میں ہے۔ یہ ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ ہندو مذہب سے متعلق ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اُردو میں ہندو مذہب کا سرمایہ اگر سب سے زیادہ بھی نہیں ہے تو کسی سے کم بھی نہیں ہے بلکہ بیش تر زبانوں سے زیادہ ہے۔ اس وسیع اور بیکراں ادب کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تمام زبانوں کی طرح اُردو زبان میں بھی رامائن کے بے بہا تراجم ہوئے۔ اُردو کا مزاج ہمیشہ سے ہی سیکولر رہا ہے اور مذہبی رواداری اس کے خمیر میں داخل ہے۔ ہندو شعرا و ادباء کے شانہ بشانہ مسلم ادباء و شعرا نے بھی رام کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ جنھوں نے اُردو زبان میں نظم، غزل، مثنوی، رباعی، ناول اور ڈرامہ کی ہیئت میں رامائن نظم کی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق اردو زبان میں ایک سو ایک رامائن اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ اردو زبان کی پہلی رامائن شنکر دیال فرحت نے شائع کی ہے۔ یہ رامائن ۱۸۶۴ء میں منشی نول کشور لکھنو نے طبع کی ہے۔ اردو میں رامائن نظم کرنے والوں میں خاص طور پر شنکر دیال فرحت، دوارکا پرساد اُفق، بانکے بہاری لال بہار، جوالا پرساد برق، سورج نرائن مہر، جگنا تھ خوشتر، ہری نرائن شرما ساحر، پنڈت سدرشن، سورج پرساد تصور، بنواری لال شعلہ، بابو لال نبودی، شری سکھ دیو لال، پنڈت چھمی دت، شیو پرساد راحل، منشی رگھوبر دیال، بابو رام سہائی کپور، شیو برت لال ورمن، پنڈت رادھے شیام، نانک چند نانک، بیدی لال چند لال، ستیہ پال بھاردواج، ہیرا لال موریا، شیو ناتھ رائے تسکین، پنڈت میلا رام وفا، منشی جگنا تھ اطہر، رگھونندن سنگھ ساحر دھلوی اور منشی رام سہائے تمنا کے دوش بدوش معاصر ادب کے نمائندہ ادباء و شعرا میں جناب مہدی نظمی، طالب الہ آبادی، نفیس خلیلی، رند رحمانی، محمد امتیاز الدین خاں اور صفدر آہ

وغیرہ کے نام قابلِ ذکر وفکر ہیں۔اس کے علاوہ اکیسویں صدی کے مابعد جدید تناظر میں رامائن کے معتبر، مستند اور موقر تراجم کی بنیاد پر آج کل نئے شعری فوق متن (Meta Text) کے تصوّر کے زیرِ اثر ہندوپاک میں نت نئے شعری تجربات ہو رہے ہیں اور یہ نظمیہ فوق متون اُردو ادب میں نئی کنواری برف توڑنے اور نئی زمین کو ڈھونڈھنے کے مترادف ہے۔اس سے کلاسیکی رامائنی ادب کی بیکراں ادبی وشعری مقبولیت اور محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں بزرگ اور افضل نامور شعرا میں پنڈت برج نرائن چکبست ، سرور جہاں آبادی، فراقؔ گورکھپوری سے یہ سلسلہ عمیق حنفی، راج نرائن رازؔ، کُمار پاشی، بمل کرشن اشک اور کرشن موہن سے ہوتا ہوستیہ پال آنند اور صلاح ادین پرویز تک مسلسل قائم ہے۔

اجودھیا کے راجہ دشرتھ کی تین رانیاں تھیں۔کوشلیہ، سُمترا اور کیکئی۔کوشلیہ سے رام، سُمترا سے لکشمن اور شترو گھن اور کیکئی سے بھرت پیدا ہوئے۔راجہ دشرتھ رانی کیکئی سے بے پناہ محبّت کرتے تھے۔منتھرا رانی کیکئی کی داسی تھی۔منتھرا کے کہنے پر رانی کیکئی راجہ دشرتھ سے وردان مانگتی ہے۔منتھرا اور کیکئی کے مکالمہ کی دلکش تصویر طالبؔ الہ آبادی نے بڑی فنکاری اور خوبصورتی کے ساتھ کھینچی ہے۔

تم کو تمہارے بیری برباد کر رہے ہیں
اور تم سمجھ رہی ہو آباد کر رہے ہیں
اب کل کے بعد جو کچھ ہوں گے وہ رام ہوں گے
آنکھوں کے میرے تارے اُن کے غلام ہوں گے
راجہ جو رام ہوں گے ماں اُن کی ہوں گی رانی
اور تم بنو گی چیری سن لو یہ میری جانی
گایا کرو گی تم تو شوہر ہی کے ترانے
ہیں چالئے مگر وہ بے انتہا سیانے
یہ سن کے کیکئی نے غصّہ میں اُس کو ڈانٹا
میرے پتی کے حق میں تو جھاڑ کا ہے کانٹا
گر چپ نہیں رہے گی اے بے تمیز چیری
گدّی سے کھینچ لوں گی میں زبان تیری

اب منتھرا نے دیکھا طوفان بڑھ گیا ہے
سوکن کا بھوت سر پر رانی کے چڑھ گیا ہے
بولی وہ منھ بنا کر سمجھوں گی جھوٹ رانی
کھاتی ہوں دل کے ٹکڑے خونِ جگر ہے پانی
کونے میں جا کے لیٹو صورت بنا کے غم کی
ہوتی ہے جیسے بیوہ تصویر اک الم کی
آئیں گے وہ منانے تب اور دُکھ نہ سہنا
وردان دونوں اپنے تم مانگ ہی کے رہنا
بلوائیں وہ بھرت کو راجہ یہاں بنائیں
چودہ برس تلک کو جنگل میں رام جائیں

رانی لیکئی کی خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا بھرت اجودھیا کی راج گدّی پر نشین ہواور رام چودہ برس کا بنواس بھوگیں۔ مہدی نظمی نے رانی لیکئی کی تصویر کتنی خوبصورتی کے ساتھ کھینچی ہے۔ رانی لیکئی کا راجہ دشرتھ سے ور مانگنا، رام کی فرمابرداری اور راجہ دشرتھ کا بے ہوش ہوکر گرنا بہت ہی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اک روز ہنس کے لیکئی بولی کہ اے حضور
ہر شخص یاد رکھتا ہے اپنا وچن ضرور
تھا آپ کا یہ قول کہ اے شاہِ نیک خو
پوری کریں گے آپ مری ایک آرزو
دشرتھ یہ بولے اپنا سخن یاد ہے مجھے
جو تم کو دے چکا وہ وچن یاد ہے مجھے
چرنوں کو چھو کے لیکئی بولی بہ احترام
میں چاہتی ہوں آپ سے اے شاہِ نیک نام
جنگل میں گھر سے رام کو بے آس بھیج دیں
چودہ برس کے واسطے بن واس بھیج دیں
یہ آرزو ہے میری کہ اے شاہِ خاص و عام

میرا پسر بھرت کرے شاہی بجائے رام
جاتے ہیں بن کو رام زمانہ ہے سوگوار
ہے بوڑھا باپ دردِ جدائی سے بے قرار
کہتی ہے رو کے ساری رعایا نہ جایئے
چودہ برس کو جانبِ صحرا نہ جایئے

راجہ دشرتھ سے انجانے میں ایک گناہ ہو گیا تھا۔ جس کی سزا راجہ دشرتھ کو بھوگنی پڑی۔ راجہ دشرتھ جب بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اُن کی جان آسانی کے ساتھ نہیں نکلتی ہے تو اُن کو اپنا گناہ یاد آتا ہے اور وہ کوشلیا اور سمترا کو اپنی داستانِ زندگی سناتے ہیں۔ ایک بار راجہ دشرتھ شکار کھیلنے جنگل میں جاتے ہیں۔ شرون کُمار کے والدین نابینا تھے۔ شرون کُمار اپنے والدین کو کاندھے میں پالکی پر بٹھا کر چار ودھام کی زیارت کرانے کے لیے لے جاتا ہے۔ راستے میں اُس کے ماں باپ کو پیاس لگتی ہے۔ وہ اُن کے لیے تالاب سے پانی لانے کے لیے جاتا ہے۔ اُدھر راجہ دشرتھ شکار کھیلتے کھیلتے تالاب کی طرف آتے ہیں۔ اُن کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تالاب میں کوئی جانور ہے۔ وہ اُس پر تیر چلاتے ہیں اور تیر سیدھے شرون کُمار کے سینے میں جا کر لگتا ہے۔ راجہ شرون کُمار کے پاس جاتے ہیں۔ اُس کی حالت اور بے بسی کو دیکھ کر راجہ بہت غمگین ہوتے ہیں۔ شرون کُمار اور راجہ دشرتھ کا مکالمہ، راجہ دشرتھ اور شرون کُمار کے والدین کا مکالمہ اور شرون کُمار کے بوڑھے ماں باپ کا راجہ دشرتھ کو بددعا دینے کی حقیقی اور سچّی تصویر کو یراج رگھونندن سنگھ ساحر دھلوی نے بہت ہی کامیابی کے ساتھ پیش کی ہے۔ کویراج رگھونندن سنگھ ساحر دھلوی کی کیفیات نگاری اور المیہ تاثر انگیزی خاطر نشیں ہو:

کیا بگاڑا تھا کسی کا کی تھی میں نے کیا خطا　　مار کر جو تم نے مجھ کو زخمی کر دیا
ہو رہے تھے پیاس سے بیکل مرے ماتا پتا　　اُن کی خاطر بھرنے آیا تھا میں پانی کا گھڑا
پانی بھرنے کو گھڑا دریا میں ڈالا جس گھڑی
یہ مصیبت میرے سر پر یک بیک آ کر گری
مجھ کو اپنی جان جانے کی نہیں پروا ذرا　　اس گھڑی افسوس ہے مجھ کو فقط اس بات کا
کافی بوڑھے اور اندھے ہیں مرے ماتا پتا　　اُن کا اس سنسار میں کوئی نہیں میرے سوا
میرے پیچھے کون اب ان کی کرے گا دیکھ بھال

زندگی ہو جائے گی میرے بغیر اُن کو مُحال

کر رہے ہوں گے وہ بے چینی سے میرا انتظار / آ رہا ہوگا مرا ہی نام لب پر بار بار

مجھ کو اپنی جان سے بڑھ کر وہ کرتے ہیں پیار / اُن کو میرے ہجر میں کس طرح آئے گا قرار

صدمہ بیٹے کی جدائی کا وہ سہہ سکتے نہیں

گھل کے مر جائیں گے غم میں زندہ رہ سکتے نہیں

ڈرتے ڈرتے لے کے میں جل کا گھڑا پہنچا وہاں / کر رہے تھے انتظار اُس کے ماتا پتا جہاں

میرے چلنے کی وہاں آہٹ ہوئی جو ناگہاں / اپنے بیٹے کا ہوا اُن دونوں کو مجھ پر گماں

باپ یہ بولا بہت تاخیر کر دی اے پسر

پیاس کی شدّت سے اک محشر بپا ہے جان پر

میں نے پھر اُن کو سنا ڈالی وہ ساری داستاں / جس طرح فرزند نے اُن کے گنوائی اپنی جاں

پہلے ہی دونوں تھے کافی ضعیف و ناتواں / آ پڑا دل پر اچانک غم کا یہ کوہِ گراں

زندگی سے ہوگئے اپنی وہ دونوں ہی نراس

مجھ سے بولے لے چلو ہم کو ابھی بیٹے کے پاس

اُن کے کہنے کے مطابق ہی عمل میں نے کیا / ہاتھ دونوں کا پکڑ کر اُس جگہ پر لے گیا

اپنے بیٹے کے بدن کو جا کے دونوں نے چھوا / لاش سے بوڑھا پتا اس طرح پھر کہنے لگا

کیا سبب ہے آج مجھ سے بولتا تو کیوں نہیں

ہو گیا ناراض کچھ اپنے پتا سے کیا کہیں

ہو گیا ہے مجھ سے آزردہ کسی باعث اگر / تو کم از کم اپنی پیاری ماں سے ہی کچھ بات کر

تو تو یہ کہتا تھا میں خدمت کروں گا عمر بھر / ہو گیا لیکن روانہ آج ہم سے پیشتر

تو ہی جب زندہ نہیں تو کیا کریں گے جی کے ہم

ہوں گے تیرے ساتھ ہی ہم راہئ ملکِ عدم

کہہ کے یوں تیار کی دونوں نے مل کر اک چتا / لاش کو بیٹے کی اپنے اس کے اُوپر رکھ دیا

وید منتر بول کر پھر اس میں دی آتش لگا / آگ سُلگی تو پتا بھی اس میں داخل ہو گیا

ماں نے بھی فوراً ہی کی اپنے پتی کی پیروی

خاک ہونے کے لیے وہ بھی چتا پر چڑھ گئی

اُس چتا پر بیٹھ کر دونوں نے مجھ سے یہ کہا　　جس طرح بیٹے کے غم میں ہو رہے ہیں ہم فنا
اُس طرح ہی تو بھی ہو کر اپنے بیٹے سے جدا　　جان سے جائے گا اپنی یہ ہماری ہے دعا
کہہ کے یوں جل کر چتا میں ہو گئے دونوں بھسم
یہ نظارہ دیکھ کر مجھ کو ہوا بے حد الم
یاد ہیں دونوں کے وہ الفاظ مجھ کو آج تک　　تیر کے مانند جاتے ہیں کلیجے میں کھٹک
ہوتی ہے جب ہی تو رہ رہ کر میرے دل میں کسک　　موت کے ظالم اندھیرے میں رہا ہوں میں بھٹک
آنکھ کو کیا ہو گیا کچھ بھی نظر آتا نہیں
آ گئی ہے موت اب میری یہ ہے مجھ کو یقین
ہو گیا یوں کہتے کہتے راجہ دشرتھ بد حواس　　اپنے جینے کی رہی باقی نہ اُس کو کوئی آس
تھیں سمترا اور کوشلیا وہاں جو اُس کے پاس　　دیکھ کر احوال اُس کا ہو گئیں وہ بھی اُداس
کہتے کہتے سیتا ہائے لچھمن ہائے رام
ہو گیا دنیا سے رخصت دشرتھ عالی مقام

رام رامائن کے مرکزی کردار ہیں۔ اُردو شاعری میں نہ صرف رام کی عظمت، علویت، قدسیت اور الوہیت کا بھرپور اعتراف کیا گیا ہے بلکہ ان سے متعلق دوسرے کرداروں کے احساسات، جذبات، اخلاقیات، محسوسات، جمالیات اور اوصاف کی بھرپور شعری ترجمانی کی گئی ہے۔ رام کے بنواس جانے کی خبر جب سیتا کو ہوتی ہے تو وہ گھبرا جاتی ہے اور رام کے پاس پہنچ کر اپنا درد بیان کرتی ہے۔ اس ضمن میں رگھونندن سنگھ ساحر دہلوی لکھتے ہیں:

رام کے بن جانے کا جب علم سیتا کو ہوا　　چہرۂ روشن وفورِ غم سے پھیکا پڑ گیا
رام کو کر کے مخاطب اس طرح اُس نے کہا　　آپ کے ہمراہ میں بن کی کروں گی یاترا
آپ جائیں گے جہاں میں بھی وہیں پر جاؤں گی
ورنہ کُھل کُھل کر فراقِ دید میں مر جاؤں گی

فرمانبردار رام چودہ برس کے بن باس کے لئے اپنی اہلیہ سیتا اور شفیق بھائی لکشمن کے ساتھ جنگل کو رخصت ہوتے ہیں۔ دشرتھ سے اجازت لینے کے بعد رام اپنی ماں کوشلیا کے پاس رخصتی مانگنے جاتے ہیں۔ رام کا ماں سے والہانہ محبّت اور ماں کا بیٹے سے جدائی کا منظر جذبات نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ رخصتی کے وقت رام اور کوشلیا کے مکالمہ کی تصویر پنڈت برج نرائن

چکبستؔ نے اپنی نظم ''رامائن کا ایک سین'' میں بڑے ہی والہانہ انداز سے پیش کی ہے۔اس کی شعری معنویت، سوز و گداز اور المیہ تاثر انگیزی کو ملاحظہ کیجئے۔

رخصت ہوا وہ باپ سے لے کر خدا کا نام
راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا اہتمام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام
اظہار بے کسی سے ستم ہو گا اور بھی
دیکھا ہمیں اُداس تو غم ہو گا اور بھی
دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں بیٹھی ہے وہ خستہ حال
سکتا سا ہو گیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے
رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لیے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں
سن کر زباں سے ماں کے یہ فریاد درد خیز
اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بے کس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

رام، سیتا اور لکشمن جنگل جنگل گھومتے ہیں۔ راستے میں انھیں ایک پتھر کی چٹان ملتی ہے۔ رام کے پیر جیسے ہی اس پتھر کی چٹان پر پڑتے ہیں۔ وہ چٹان ایک خوبصورت عورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گوتم رشی کی بیوی اہلیہ بہت خوبصورت تھی، راجہ اندر کو جب اس کا علم ہوا، تو اس نے اہلیہ کو دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ وہ گوتم رشی کا بھیس بدل کر ان کی کٹیا میں جاتا ہے۔ رشی روز صبح گنگا نہانے جاتے تھے۔ واپس آ کر دیکھا کہ اندر روپ بدل کر کٹیا سے نکل رہا ہے۔ انھوں نے اہلیہ کو بد دعا دی اور اُسے پتھر کی چٹان بنا دیا۔ طالب الہ آبادی نے اہلیہ پر رام کی بیکراں شانِ رحمانی، شانِ رحیمی اور شانِ کریمی کا کیمیا اثر جذبات انگیز منظر نامہ نہایت فنی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔

اہلیہ پری تھی بڑی سندر تھی — بُری عیب سے تھی گنوں سے بھری تھی
بڑی دلربا تھی بڑی باوفا تھی — وہ سیوا میں رہتی تھی ہر دم پتی کی
کسی نے کہا راجہ اندر سے جا کر — اہلیہ سے کوئی نہیں آج سندر
یہ سن کے کہا راجہ اندر نے اچھا — کروں گا میں جلدی اہلیہ پر قبضہ
رشی روز جاتے تھے گنگا نہانے — جہاں مُرغ بولا چلے تڑکے تڑکے
ابھی رات آدھی تھی بارہ بجے تھے — رشی لیکن آواز پر اُٹھ کے بیٹھے
رشی جی اِدھر چل پڑے سوئے گنگا — اُدھر راجہ اندر نے بھیس اپنا بدلا
رشی کی صدا میں پکارا ہے جو در پر — اہلیہ یہ سمجھی کہ لوٹ آئے شوہر
کھلا در تو اِندر ہوا گھر میں داخل — جو دیکھا پری کو تو ٹھنڈا ہوا دل
مگر ناگہاں ایک بجلی سی چمکی — نہ معلوم کیوں لوٹ آئے رشی جی
جو گوتم نے دونوں کو دیکھا اکٹھا — ہوا اُن کی آنکھوں میں عالم اندھیرا
رشی جی نے جو دیں بد دعائیں تڑپ کر — اہلیہ ہوئی بس اُسی وقت پتھر
گورو سے یہ سن کر ہوئے رام مضطر — قدم رکھ دیے اپنے پتھر پہ بڑھ کر
جہاں پر وہ چٹان اب تک پڑی تھی — اہلیہ وہیں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی
جس عالم میں اُس وقت شوہر تھا اُس کا — اُسی لوک میں بس اہلیہ کو بھیجا

رام، سیتا اور لکشمن شرنگی رشی کے آشرم شرنگویر پور (پریاگ) کی دھرتی پر آتے ہیں۔ شرنگی رشی کی دعا لے کر وہ آگے بڑھتے ہیں۔ دریائے گنگا کے کنارے اُن کی ملاقات کیوٹ سے

ہوتی ہے۔ کیوٹ سے وہ دریا پار کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ کیوٹ اُن تینوں کو پہچان لیتا ہے۔ اُن لوگوں کے پیر دھو کر اُن کو اپنی کشتی پر بٹھاتا ہے۔ بھگوان رام اور کیوٹ کے مکالمہ کی فنّی تصویر کشی طالب الہ آبادی نے بہت ہی والہانہ انداز اور فنّی جمالیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایک کیوٹ ناگہاں آیا نظر کے سامنے
رام نے اُس کو پکارا ناؤ لانے کے لیے
سب کے سب بے چین تھے اُس پار جانے کے لیے
آ کے کیوٹ نے چھوئے اُن کے چرن کہنے لگا
آپ کی ہے ناتھ سب معلوم ہے مجھ کو کتھا
جب قدم رکھتے ہی پتھر بن گیا تھا استری
یا تو ڈوبا ہو گئی عورت اگر کشتی میری
یا تو اے بھگوان اپنے پاؤں دھونے دیجئے
یا یہیں پر اور بھی کچھ دھوپ ہونے دیجئے
مسکرا کر رام نے سیتا کو دیکھا پیار سے
دیکھ کر چتون ہنسے کیوٹ سے یوں کہنے لگے
ہو رہی ہے دیر اب پھُرتی سے ہم کو پار کر
آ کے دھونے پاؤں میرے چاہتا ہے تو اگر
اب تو کیوٹ نے کٹھوتا لے کے گنگا جل بھرا
پاؤں دھو کر بال بچّوں کو وہ پانی دے دیا
پار اُتارا سب کو گنگا سے انوکھے بھاؤ سے
دی انگوٹھی اپنی سیتا نے اُتر کر ناؤ سے
رام کے قدموں پہ لیکن گر پڑا کیوٹ وہیں
اور کہا اب تو کسی شے کی کمی مجھ کو نہیں
حسنِ قسمت نے چکا دی آج مزدوری مری
لوں گا بے شک لوٹتی بار آپ جو دیں گے مجھے
کہہ کے یہ کیوٹ اِدھر لوٹا اُدھر یہ سب چلے

راون کی بہن شوپرنکھا جنگل میں رام، سیتا اور لکشمن کو دیکھتی ہے تو وہ رام پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ رام شوپرنکھا سے کہتے ہیں کہ میں تو شادی شدہ ہوں تم لکشمن سے شادی کرلو۔ لکشمن کے منع کرنے پر وہ سیتا پر حملہ کردیتی ہے، رام شوپرنکھا کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر میں رام لکشمن سے کہتے ہیں کہ اس کے ناک اور کان کاٹ لو۔ طالب الہ آبادی نے شوپرنکھا اور رام کے مکالمہ کی دلکش منظر کشی بہت ہی فنی لطائف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وہ آئی رام کے پاس ایک دن پری بن کر
ادائیں حسن کی دکھلائیں خوب تن تن کر
نظر اُٹھا کے بھی اس کو نہ رام نے دیکھا
تو خود ہی شوپرنکھا نے مزے مزے سے کہا
جوان کوئی نہیں ہے جہاں میں تم سا
جواب کوئی نہیں عورتوں میں بھی میرا
ہمارا اور تمہارا غضب کا جوڑا ہے
نہ حسن کم ہے کسی میں نہ ناز تھوڑا ہے
سنی جو رام نے بک بک تو مسکرا کے کہا
وہ دیکھو سامنے بیٹھی ہے میری ماہِ لقا
نظر جو حسن پہ سیتا کے پڑ گئی اُس کی
پسینہ آ گیا ماتھے پہ دل ہی دل میں کھٹی
وہاں سے آئی وہ چھمن کے پاس گھبرا کر
کی تمام وہی داستان یہاں آ کر
جو سن چکے تو کہا ہنس کے اس سے چھمن نے
جو رام کہہ دیں وہی ہم کریں بے کھٹکے
اگر کرو گے نہ مجھ سے بیاہ تم اب بھی
تو صاف کہتی ہوں کچا ہی سب کو کھا لوں گی
تمہیں خبر بھی ہے کچھ میں بہن ہوں راون کی
چمن کی ہوں جو پری تو پریت ہوں بن کی

تھا ایسا روپ بھیانک کی ڈر گئیں سیتا
تو بڑھ کے رام نے لچھمن سے کچھ اشارہ کیا
پلک جھپکتے ہی تیزی سے بڑھ کے لچھمن نے
پکڑ کے بال وہیں ناک کان کاٹ لیے
کٹی جو ناک تو وہ نکا کے چلاّئی
یہی مچاتی ہوئی شور اک طرف بھاگی
ابھی میں بھائی کو اپنے یہاں بلاتی ہوں
کٹی ہے ناک تو تم کو مزا چکھاتی ہوں

لکشمن کے ناک اور کان کاٹنے کے بعد شورپنکھا اپنے بھائی کھر دوشن کے پاس جاتی ہے۔کھر دوشن اور رام لکشمن میں جنگ ہوتی ہے۔جس میں کھر دوشن مارے جاتے ہیں۔اس کے بعد شورپنکھا راون کے دربار میں فریاد کرتی ہے۔اس ضمن میں پنڈت رادھے شیام نے نہایت دل آویز انداز میں کیفیات نگاری کی ہے۔

کھر دوشن کا ہوا رن میں کام تمام
شورپنکھا کو پھر کہاں پل بھر وشرام
پڑے تیرے آرام پر اور جام پر خاک
تیرے جیتے جی میری کٹ گئی ناک
بھائی دو لڑکے رام لکھن اس دنڈک بن میں آئے ہیں
اور سنگ میں ایک سیتا نامی سکماری لائے ہیں
بانکے اور لڑاکے ہیں گویا شمشیر انھیں کی ہے
یوں پنچ وٹی میں رہتے ہیں جیسے جاگیر انھیں کی ہے
ناگاہ اُدھر میں نکل گئی اُس ناری سے ملنا چاہا
اُس سمئے نگوڑے لچھمن نے مجھ سے کچھ چھل کرنا چاہا
تب میں نے تیرا نام لیا سنتے ہی اُس نے دی گالی
پھر میرے کان کتر ڈالے اور میری ناک کاٹ ڈالی
میری ناک گئی سو گئی اب اپنی ناک سنبھالو تم

جگ میں جب اُونچی ناک نہیں تو نکٹا نام دھرا لو تم
میرا تو دم اب ناک میں ہے ناکارے تیری دُہائی ہے
میں جتنی رسوا ہوتی ہوں وہ سب تیری رسوائی ہے

راون اپنے ماما ماریچ کی مدد لیتا ہے۔ ماریچ ایک خوبصورت سونے کے ہرن کا بھیس بنا کر رام، سیتا اور لکشمن کے سامنے چوکڑی بھرنے لگتا ہے۔ سیتا رام سے سونے کے ہرن کو پکڑ لانے کے لیے کہتی ہے۔ رام ہرن پکڑنے کے لیے جاتے ہیں۔ سیتا اور رام کے مکالمہ کو طالب الہ آبادی نے بڑی شاعرانہ اور فنکارانہ لطافت کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

مرگ۔ نینی نے جس سمئے دیکھا مرگ کی اور
اسی سمئے رگھوناتھ سے بولی ہیں کر جور
رگھوکل بھوشن دکھ ہرن میرے جیون پران
داسی کی ونتی سنو دین بندھو بھگوان
مرگ ایسا دیکھا نہ سنا جیسا یہ سُگھڑ سلونا ہے
دیکھو تو سر سے پاؤں تلک سارا سونا ہی سونا ہے
ہے ناتھ کھال لاؤ اس کی تو کُٹیا کا سنگار ہوگی
سونے کے مرگ کی مرگ چھالا کیا ادبھت یادگار ہوگی

رام کے واپس نہ آنے پر سیتا گھبرا جاتی ہیں۔ سیتا لکشمن کو رام کی مدد کے لیے بھیجتی ہیں۔ لکشمن سیتا کو کُٹیا کے اندر رہنے کی ہدایت کرتے ہیں اور ایک لکیر دروازہ پر کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک آپ اس کھینچی ہوئی لکیر کے اندر رہیں گی آپ حفاظت سے رہیں گی اور لکشمن اپنے بھائی رام کو تلاشنے نکلتے ہیں۔ اسی درمیان راون جوگی کا بھیس بدل کر سیتا کی کُٹیا کے سامنے آتا ہے اور بھیک مانگتا ہے۔ راون سیتا کو لکشمن ریکھا کے باہر آکر بھیک دینے کو کہتا ہے۔ اس سلسلے میں طالب الہ آبادی لکشمن ریکھا کی مان مریادا اور راون کی فریب دہی کی شاعرانہ نشاندہی کرتے ہیں۔

سیتا کی آنکھوں نے دیکھا ایک بڈھا جوگی آتا ہے
آواز اسی جوگی کی ہے وہ ہی جوگی کچھ گاتا ہے
ہے مائی مجھ کو بھکشا دے مرتبہ ہے اعلیٰ تیرا
بھگوان تجھے جیتا رکھے ہو سدا بول بالا تیرا

یہ سوچ کے جوگی بول اُٹھا ریکھا کے باہر آ مائی
جوگی بابا لیتے نہیں اس طرح بندھی بھکشا مائی
سیتا نے کہا چھما کریئے میں ریکھا چھوڑ نہیں سکتی
یہ آن ہے میرے دیور کی میں اس کو توڑ نہیں سکتی
ریکھا کے باہر آتے ہی اُس جوگی نے بانا بدلا
راون راون ہو گیا وہیں وہ ٹھاٹھ فقیرانہ بدلا

جنگل میں رام ماریچ کو تیر مارتے ہیں۔ تیر لگتے ہی سونے کا ہرن ماریچ بن جاتا ہے۔ راون سیتا کو رتھ پر بٹھا کر پنچوٹی سے آسمان کی جانب اُڑا کر لے جاتا ہے۔ جٹایو سیتا کو آہ وزاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ جٹایو راون سے سیتا کو چھوڑنے کے لیے کہتا ہے۔ جٹایو ناکام ہو کر راون سے جنگ کرتا ہے اور بدحواس ہو کر گر جاتا ہے۔ رام اور لکشمن سیتا کی جدائی میں دَر دَر بھٹکتے رہتے ہیں۔ راستے میں ان کی ملاقات جٹایو سے ہوتی ہے۔ جو راون کے حملہ سے گھائل اور خون سے شرابور تھا۔ جٹایو رام کو بتاتے ہیں کہ لنکا کا راجہ راون سیتا کو اُٹھا لے گیا ہے۔ بھوکے پیاسے رام اور لکشمن سیتا کے غم میں دَر بدر تلاش کرتے رہتے ہیں۔ راستے میں انھیں دلت شبری کی کٹیا ملتی ہے۔ دلت شبری رام سے بے پناہ والہانہ عقیدت رکھتی ہے۔ رام اور لکشمن کو کھانے کے لیے وہ بیر لاتی ہے اور چکھ چکھ کر بیر اپنے پر بھو رام کو کھانے کے لیے دیتی ہے۔ پر بھو رام شبری کے جوٹھے بیر کو بڑے ذوق وشوق سے کھاتے ہیں۔ وہ لکشمن سے بھی بیر کھانے کے لیے کہتے ہیں۔ لکشمن بیر کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ شبری کے جوٹھے بیر کھلانے کی تصویر طالب الہ آبادی نے اپنی مایہ ناز شعری تصنیف ''سیتا رام'' میں بڑے جذبات آفریں رنگ وآہنگ میں پیش کیا ہے۔ جو قابلِ دید ہے۔

سُندر پتوں کے آسن پر اپنے پربھو کو بٹھلاتی ہے
مہمانی کے کچھ بیروں کو ڈلیا میں بھر کر لاتی ہے
پریمکا کا سچا پریم دیکھ رگھو ناتھ جی ہاتھ بڑھاتے ہیں
جھوٹے بیروں کو بیر بیر خوش ہو کر بھوگ لگاتے ہیں
لکشمن تم نے کھایا ہی نہیں دیکھو تو کیسا میٹھا ہے
پاتال سے لے کر سورگ تلک جو ہے وہ اس سے پھیکا ہے

سیتا کو ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے رام اور لکشمن کی ملاقات کشکندھا کے راجہ سگریو سے ہوتی ہے۔ جہاں ان لوگوں کو ہنومان اور جاموننت ملتے ہیں۔ سگریو اپنے بھائی بالی کی شکایت رام سے کرتا ہے کہ اس نے اس کی بیوی کو اس سے چھین لیا ہے۔ اس کے بعد رام بالی کا قتل کر دیتے ہیں۔ ہنومان سیتا کی تلاش میں سمندر پار کر کے لنکا پہنچتے ہیں جہاں پر اُن کی ملاقات سیتا سے ہوتی ہے اور رام کی انگوٹھی سیتا کو دیتے ہیں۔ جسے پا کر سیتا کو قلبی اور روحانی راحت محسوس ہوتی ہے۔ سیتا بدلے میں اپنی چوڑی بھگوان رام کو بھجواتی ہیں۔ سیتا کا ہنومان کو دیکھ کر گھبرانا، ہنومان کا سیتا کو رام کا پیغام دینا اور سیتا کو ہنومان کے انگوٹھی دینے کی تصویر پنڈت رادھے شیام نے اس طرح کھینچی ہے۔

بجرنگ بلی نے جب دیکھا ماتا تو مجھ سے ڈرتی ہیں
پیچھے کو ہٹتی جاتی ہیں کچھ بات چیت نہیں کرتی ہیں
تب کہا انھوں نے ہے ماتا اپنے دین و ایماں کی قسم
کرُنا ندھان کا دوت ہوں میں مجھ کو اپنی جاں کی قسم
پیارے کی پیاری مندری یہ لا یا ہوں بطور نشانی کے
ہاں اچھے ہیں دونوں بھائی جیون دھارن ہیں بن پانی کے

ہنومان کا اشوک واٹکا میں پھل کھانا، پیڑوں کو درہم برہم کرنا، راون کے دربار میں ہنومان کے آنے کی خبر اور ہنومان کا لنکا میں آگ لگانے کا منظر طالب الہ آبادی بڑی انسانی بصیرت اور فنی چابک دستی سے کرتے ہیں۔

اب تو ہنومان باغ میں آئے
پھل پہ پھل توڑ توڑ کر کھائے
ڈالیوں پر اچک کے کھاتے تھے
پیڑ سے پیڑ پر وہ جاتے تھے
جب کہ اچھے کمار مارا گیا
تھا جو راون کا لاڈلا بیٹا
باغ میں میگھناد تب آیا
ساتھ تھی اس کے اک بڑی سینا

سب کو ہنومان نے حلال کیا
خون سے پرتھوی کو لال کیا
وہ دیا میگھناد کو مُکّا
بس وہیں اس کو آ گئی مرچھا
کہا راون نے خوب ہنس ہنس کر
کیوں بے بندر تو آ گیا پھنس کر
دونوں میں دیر تک ہوئی تکرار
کہا راون نے سب سے آخر کار
اب کرو بس سزا یہ تم اس کی
مثلِ مشعل جلاؤ دُم اس کی
چیتھڑے خوب دُم میں کس کس کر
تیل مٹّی میں ڈال کر اوپر
آگ لوگوں نے جس گھڑی دے دی
آئی اُس وقت زور سے آندھی
اب چلے کود کود کر ہنومان
آگ کا شہر میں اُٹھا طوفان
چھت سے چھت پر کود جاتے تھے
آگ ہر گھر میں وہ لگاتے تھے
ہو گئے خاک جل کے لاکھوں گھر
سارے لنکا میں مچ گیا محشر

اسی طرح پنڈت رادھے شیام نے ہنومان کا اشوک واٹکا میں درختوں کو پامال کرنا، پھل کا توڑنا، پھل کا کھانا اور اندرجیت و ہنومان کا مکالمہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ نظمیہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

جس ڈال پر دیا ہاتھ وہ ڈالی پھر پامال ہوئی
کچّے توڑے پھل ڈالے ہی باٹکا ساری بے حال ہوئی

برکشوں کو پکڑ ہلاتے تھے کلکار مار کر ڈھاتے تھے
جب ا یک کا ناش بناش کریں پُن اور کو جائے ہلاتے تھے
بھر گیا پیٹ اور بھوک مٹی اُتپات مچایا ہنومت نے
وِدھونش بانکا کر ڈالی برکشوں کو بہایا ہنومت نے
میں اندرجیت کہلاتا ہوں کیا نام تو نے سن پایا نہیں
بیریوں کو کر ودھونش د یوؤں کیوں تم کو ہوش کچھ آیا نہیں
تو مچھر ہے مم درشٹی میں بل تجھے دکھا کر کیا لوں گا
جب دیو راج کو جیت چکا تو تم کو پھر کیا سمجھوں گا
یدی دیکھنا بل میرا چاہتا ہے تو را و ن کو بھی بلوا لے
باپ اور بیٹا مل کر دونوں بل بکرم میرا ازما لے
میں سیوک ہوں رگھورائی کا کیا نہیں جانتا نام میرا
پربھو کرپا سے ہتنا تم کو کیول ہے ادنا کام میرا

اس کے بعد ہنومان جی سمندر پار کر کے بھگوان رام کے پاس جاتے ہیں۔ ماتا سیتا کا پیغام رام کو دیتے ہیں۔ رام لکشمن، ہنومان، سگریو، جاموَنت اور انگد وغیرہ کی مدد سے پُل باندھتے ہیں اور فوج لے کر لنکا پہنچتے ہیں۔ وبھیشن اپنے بھائی راون کو بہت سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ ناکام رہتا ہے۔ راون وبھیشن کو بے عزّت کر کے دربار سے نکال دیتا ہے۔ وبھیشن رام کے پاس پہنچتا ہے۔ رام اس کی بڑی عزّت کرتے ہیں اور اسے اُونچا مرتبہ دیتے ہیں۔ لنکا فتح کے بعد وبھیشن کو لنکا کا راجہ بنا دیتے ہیں۔ راون کا بیٹا میگھناد بڑا بہادر تھا۔ میگھناد اور لکشمن کی جنگ ہوتی ہے۔ جس میں لکشمن بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ رام بھائی کے غم میں آہ و زاری کرتے ہیں۔ فریاد کرتے ہیں۔ بید راج کے کہنے پر ہنومان کشکند ھا پہاڑ پر جاتے ہیں۔ وہ بوٹی کو پہچان نہیں پاتے ہیں تو پورا پہاڑ ہی اُٹھا لاتے ہیں اور لکشمن کو دوبارہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس ضمن میں طالب الہ آبادی فرماتے ہیں۔

بوٹی لانے کو جب چلے ہنومان
تب اُٹھا دشمنوں میں اک طوفان
کالنومی کو بھیجا راون نے
جا کے جنگل میں راستہ روکے

بن میں ہنومان جس گھڑی آئے
پیاس سے تھے بہت وہ مرجھائے
بوٹیوں سے بھرا تھا وہ پربت
پتّیوں سے لدا تھا وہ پربت
بوٹی ہنومان نے نہ پہچانی
تب تو چٹّان ہی پڑی لانی
لائے اس شان سے جو وہ بوٹی
ہوئے چنگے ترنت لچھمن جی

دھیرے دھیرے اس عظیم جنگ میں کنبھ کرن جیسا بہادر اور راون کے سارے دلاور بیٹے مارے جاتے ہیں۔ مندودری اپنے شوہر راون کو آخری وقت تک سمجھانے کی کوشش کرتی ہے اور کہتی ہے کہ سیتا رام کو واپس کر دے لیکن راون انتہائی مغرور، ضدّی، سرکش اور ظالم تھا اور وہ خود کو انتہائی انانیت کے باعث ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا۔ اس کے مزاج میں انتہائی درجہ کا اضطراب و تحرُّک تھا۔ اس کا ہرانانیت بھرا عمل جوشِ تحرُّک، جوشِ تموّج اور جوشِ تلاطم سے بھرا ہوا تھا۔ جس کے باعث اس کے تمام شرآگیں اعمال عدمِ توازن اور گناہ کی جانب مرکوز ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی دُنیاوی دولت (سونے کی لنکا) پر بیحد نازاں اور فخر کُناں تھا اور روحانی دولت سے مالا مال رام کو انتہائی حقارت سے دیکھتا تھا۔ رامائن میں رام اور راون کے جنگ کی عکاّسی نہایت جمالیاتی اور اقداری آن بان شان سے کی گئی ہے اور یہ بنیادی طور پر نیکی اور بدی کا ابدی رزمیہ ہے۔ رامائن میں میدانِ دین (دھرم کشیتر) کی فتح اور انانیت آگیں اور شرآگیں عمل کے میدان (کرم کشیتر) کے شکست کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس لیے غلط اور منفی ذہنی رویہ اور منفی عوامل کی وجہ سے راون کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ یہ ایک طرح سے بنیادی انسانی اور روحانی اقدار کی غیر انسانی، شیطانی اور ابلیسی عناصر اور اقدار پر فتح کی علامت ہے۔ صداقت کے علمبردار رام اور انانیت اور شر کے نمائندہ راون کے درمیان جنگ و پیکار کی مصوّری نہائت حقیقت آفریں رنگ و آہنگ میں پنڈت رادھے شیام نے کی ہے۔ جو اُردو اسلوب میں ہندوی روح کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔

ایک ہی بان سے راون کے دس مستک کٹتے جاتے ہیں
پر اُسی ایک چھن کے اندر پھر ویسے ہی دکھلاتے ہیں

انتر یامی ہیں ودت تمھیں نابھی میں امرت ہے راون کے
اس لئے پربھاؤ نہ کرتے ہیں اُس کھیل پر بان جناردن کے
وہ استر شستر چھوڑتا رہا پربھو اُن کو کاٹ گراتے رہے
کھیلتے رہے خود لیلا دھر کھل کو بھی کھیل کھلاتے رہے
انت میں دیو گن بول اُٹھے اس کھیل کا نام مٹاؤ پربھو
دیو کا تراس مٹاؤ پربھو دھرتی کا بھار گھٹاؤ پربھو
رام نے اسی چھن ایک بان مارا اُر میں دشکندھر کے
پرتھوی پر لوٹنے لگے اُس مہابیر بھٹ نشچر کے
لنکا میں ہاہاکار مچا دیوؤں میں جئے جئے کار ہوا
جئے ہوئی رام رگھورائی کی وہ مہا ادھم سنہار ہوا

لنکا فتح کرنے کے بعد رام، لکشمن اور سیتا اپنے تمام رفیقوں اور احباب کے ساتھ اجودھیا واپس لوٹتے ہیں۔ رام کے کہنے پر چودہ برس تک بھرت نے رام کی کھڑاؤں گدی پر رکھ کر اجودھیا پر راج کیا۔ رام کے اجودھیا واپس آنے پر رام کا راجیہ ابھیشیک ہوتا ہے۔ رام اجودھیا کی گدی پر بیٹھتے ہیں اور حکومت کرتے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد پیکراں وفا، ایثار اور فرض کی مثالی دیوی سیتا پر ایک دھوبی کے بیجا الزام لگانے پر رام اُس زمانے کے رسم رواج کے مطابق انھیں جنگل میں چھوڑ آنے کے لیے لکشمن کو بھیجتے ہیں۔ جہاں جنگل میں سیتا بالمیکی کی کٹیا میں پناہ لیتی ہیں اور وہیں پر لو اور کش پیدا ہوتے ہیں۔ رام اشومیدھ یگیہ کرتے ہیں۔ یگیہ کے دوران گھوڑا چھوڑا جاتا ہے۔ لو اور کش رام کے گھوڑے کو پکڑ لیتے ہیں۔ جہاں لکشمن اور لو کش سے جنگ ہوتی ہے۔ جنگ کے دوران سیتا لکشمن کو دیکھتی ہیں۔ وہ دونوں راج کماروں کو لکشمن سے ملواتی ہیں۔ سیتا اور لو کش اجودھیا لائے جاتے ہیں۔ پھر سیتا کو اپنی پاک دامنی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے اگنی پریکشا دینی پڑتی ہے۔ سیتا جی اگنی پریکشا سے کامیاب گزرنے کے بعد ناری لجا اور سمان کے باعث دھرتی میں سما جاتی ہیں۔ بعد میں رام لو کو کشواتی اور کش کو شراوستی کا راجہ بنا دیتے ہیں۔

رامائن میں زندگی اور زندگی کی تمام قدروں کو سیاح اور سفید رنگ و آہنگ میں دیکھا گیا ہے۔ رام بنیادی طور پر صداقت، خیر اور حسن کے نقیب ہیں یا دوسرے لفظوں میں صداقت، ہوش و آگہی اور روحانی سرمدی، نشاط و انبساط کی روشن فروزاں اور منور تمثیل ہیں۔ راون

ان کے برخلاف شر (برائی) کی تمثیل ہے۔ وہ زندگی کے تمام منفی اقدار کا ترجمان ہے۔ رام اور راون کی جنگ درحقیقت انسانی اور روحانی دولت اور ابلیسی، شیطانی اور دنیاوی دولت کے جنگ کی نمائندہ ہے۔ بالآخر انسانی اور روحانی دولت کی جیت ہوتی ہے۔ جو درحقیقت صداقت اور خیر کی جیت ہے۔ آخر میں اُردو کے عظیم ترین شاعر علامہ اقبالؔ کے ان اشعار پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

لب ریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رام ہند
یہ ہندیوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اُونچا ہے بام ہند
اعجاز اُس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

('ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز' از ڈاکٹر راجے مالوی سے اقتباسات)

☆☆☆

شہاب برنی

مہاراجہ رام چندر جی کا کردار

ایک سرسری نظر

اس مسئلہ کو چھوڑتے ہوئے کہ مہاراجہ رام چندر جی اوتار تھے یا نہیں، اس مختصر مضمون کا منشا ان کے چند واقعاتِ زندگی سے یہ دکھانا ہے کہ وہ یوں بھی ایک برگزیدہ ہستی تھے ایک ایسا بیٹا ہونا جو باپ کی بات کی خاطر چودہ برس کا دیس نکالا منظور کر لے۔ باپ کا ایسا پیارا ہونا کہ باپ جدائی برداشت نہ کر کے جان دیدے۔ ایک ایسا بھائی ہونا جس کے لئے لچھمن جیسا بھائی اپنی جان جوکھوں میں ڈال دے اور بھرت جیسا بھائی ملتے ملاتے راج کو چھوڑ دے۔ ایک ایسا ہر دلعزیز راج کمار ہونا کہ جس کو جاتا دیکھ کر ساری رعایا رو دے اور ایسا شوہر ہونا کہ سیتا جی جیسی بیوی اس کے لئے جنگل کی مصیبتوں کو برداشت کرنا گوارا کر لے اور پھر عرصے تک جدا رہنے کے بعد اس سے ملنے کے لئے آگ میں بیٹھنا گوارا کرے۔ یہ بذات خود ایسے اوصاف ہیں کہ ایک انسان کو ایسے مرتبۂ عالی پر پہنچا دیتے ہیں ، جہاں اسے اوتار بننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور ہر چند کہ جو محبت ان کی رعایا کو، بھائیوں کو، باپ کو، بیوی کو رام چندر جی سے تھی۔ وہ خود ان ہی لوگوں کے لئے باعث تحسین ہو سکتی ہے تاہم وہ شخص جس کی طرف سے ایسے جذباتِ خلوص و ہمدردی پیدا ہوں ضرور کچھ خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہوگا!

ان ہی مسلمہ امور کا اعادہ یہاں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مہاراجہ رام چندر جی کے متعلق سبھی کچھ لکھا جا چکا ہے۔ خود اگر رامائن کا مطالعہ بغور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بالمیک جی نے ان کے اطوار خجستہ اطوار کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا۔ تاہم یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مجھے اوتار ہونے کے معاملے پر بحث کرنے سے کیوں احتراز ہے۔ مجھے بالکل وثوق کے ساتھ تو معلوم نہیں (کیونکہ اس قسم کے

اجتہادانہ خیالات کا اظہار علی الاعلان کرنے والے اشخاص ہر مذہب میں النادر و کالمعدوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ کرتے ہیں وہ بھی دبی آواز سے ڈھکے چھپے الفاظ میں) لیکن اب بعض اہل ہنود بھی یہ تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں کہ رام چندر جی اوتار تھے۔ پھر ایک مختلف المذاہب شخص تو کیوں رام چندر جی کو اوتار مان کر فتاویٰ کفر و الحاد کو دعوت دے گا؟ لیکن میں اتنا تنگ خیال بھی نہیں ہوں کہ دوسرے مذاہب کی باتوں کو صرف اس بنا پر منظور نہ کروں کہ وہ دوسرے مذاہب کی باتیں ہیں (خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہوں) تاہم میں اس بے فائدہ کی اُلجھن میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اور اس سرسری نظر کے انجام پر جو نتیجہ نکالوں گا وہ اگر یہ نہ ہوگا کہ راجہ رام چندر جی اوتار تھے تو اس سے کچھ کم بھی نہ ہوگا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ وہ اہل ہنود جو رام چندر جی کو اوتار مانتے ہیں یہ دیکھ لیں کہ بلا اوتار مانے ہوئے بھی وہ اسی قدر قابل پرستش ہستی تھے۔ جس قدر کہ اوتار ماننے کے بعد۔ بلکہ پہلی صورت میں ان کی تعظیم و تکریم کے لئے زیادہ معقول وجوہ ہیں۔

مہاراجہ دشرتھ باوجود تین شادیوں کے بے اولاد تھے۔ اور قدرت خداوندی 'پتر یشٹھ یگیہ' کا بہانہ تلاش کر رہی تھی، یگیہ کیا گیا اور ایک چھوڑ چار بیٹے راجہ دشرتھ جی کے پیدا ہوئے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ سب سے پہلے رام چندر جی تھے۔ یہ محض قدرت کی مرضی تھی کہ جو بیٹا سب سے پہلے پیدا ہوا اور بھائیوں کی نسبت زیادہ ظاہری اور باطنی خوبیاں ودیعت کیا گیا تھا۔ یہ محض رام چندر جی کی فطری برتری تھی کہ انہوں نے ودیعت کردہ خوبیوں کو بہمہ وجوہ درجۂ کمال کو پہنچایا۔ قدرت نے ابتدا ہی سے انہیں سب بھائیوں میں افضل ہونے کے لئے بنایا تھا۔ ورنہ جس ماحول میں وہ پیدا ہوئے اور پلے تھے وہی ماحول ان کے بھائیوں کی پرورش کا تھا۔ وہی صورت پیدائش تھی۔ واہمہ پرست طبائع یگیہ کے بعد راج کماروں کی تولید اور یگیہ سے پہلے تولید نہ ہونے میں بھی ایک بہانۂ پرستش تلاش کرتی ہیں۔ لیکن یہ کچھ نہیں۔ اس صورت میں خود سیتا جی اور دیگر ہر سہ بھائی لچھمن، بھرت، اور شتروگھن قابل پرستش قرار پائینگے۔ خود موجودہ زمانے میں سینکڑوں بچے مرادیں ماننے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ جو یگیہ کی ہی ایک صورت متبادلہ اور مترادلہ ہے لیکن کیا وہ خدا کے محبوب بچے ہیں؟ خدا کو یونہی منظور تھا کہ رام چندر جی یونہی پیدا ہوں۔ جو باتیں ان میں قابل تحسین و تعریف ہیں وہ دوسری ہیں:

پیدائش اور تعلیم و تربیت کے بعد کا خاص واقعہ رشی وشوامتر جی کا دشرتھ کے دربار میں آنا اور رام چندر جی و لچھمن جی کو اس غرض سے ساتھ لے جانے پر اصرار کرنا ہے کہ وہ جا کر ان راکششوں

کا خاتمہ کردیں جو رشیوں کی تپسیا میں مخل ہوتے تھے۔ یہ کہ وہ ساری فوج اور راجہ دشرتھ کو لے جانے پر راضی نہ ہوئے اور آخر میں رام چندر جی کو معہ لچھمن جی کے لے کر ہی گئے۔ اہمیت ضرور رکھتا ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صرف ان کی ضد ہو۔ محض ان کا خیال ہو کہ انہی کو لے چلو۔ پھر یہ تو وہ جانتے ہی تھے کہ رام اور لچھمن دونوں بھائی دیگر راج کماروں اور یودھاؤں کی نسبت زیادہ سلحشور ہیں۔ اس لئے اس واقعہ سے صرف یہی قابل غور نتیجہ نکلتا ہے کہ رام چندر ان کے ساتھ گئے اور راکششوں سے انہیں نجات دلائی۔ لہذا ایام نوجوانی میں ہی رام چندر جی بڑے بہادر، جری، نبرد آزما اور ماہر فن سپہ گری تھے۔ اگر یہاں بھی ان کے اوتار ہونے کی حیثیت نظر انداز تھی تو لچھمن ہی کو شامل کرنا کیا معنی رکھتا تھا!

اس کے بعد متھلا اور جنک پوری جانے کا واقعہ قابل غور ہے۔ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ رام چندر جی عوام سے زیادہ بلوان اور بہتر تیر انداز تھے۔ ورنہ وشوامتر بھی ان ہی کو انتخاب کر کے راکششوں کے قلع قمع کے لئے کیوں لے جاتے؟ پھر اس بات میں کوئی جائے حیرت نہیں رہ جاتی کہ انہوں نے اس دھنش کو بہ آسانی اُٹھالیا، چلّے چڑھادیا۔ بلکہ توڑ بھی دیا۔ جس کو کوئی ہلا بھی نہ سکا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ دھنش دیوتاؤں نے ہی جنک جی کے آباواجداد کو دی ہو۔ تاہم اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا اُٹھانے والا اوتار ہوگا۔ رام چندر جی نے دھنش کو توڑ کر خود کو ایک مرتبہ پھر بہت طاقتور اور بلوان ہونا ثابت کیا اور سیتا جی کا اہل ثابت کیا۔

شادی کے بعد کے واقعات ہی ان کی زندگی کے وہ نمایاں پہلو ہیں۔ جو ساری دنیا کی تحسین و آفرین کا خراج وصول کرتے ہیں۔ ابھی انہیں سیتا جی کے ساتھ ازدواجی زندگی کا آرام اٹھانا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ رعایا کی تمنا کے مطابق اور اپنی پیرانہ سالی پر غور کر کے راجہ دشرتھ نے ان کو اپنی حیات میں ہی راج پاٹ کا کام سونپنا چاہا۔ اس سے ان کی خوشیوں میں اضافہ کے سوا اور کچھ ممکن نہ تھا۔ اس کے سوا اُن کی قابلیت اور لیاقت اور ہر دل عزیزی کے اور کوئی بات مترشح نہیں ہوتی تھی۔ اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑے تھے اور قدرت انہیں وہی دلوا رہی تھی جو بڑوں کا حق ہے۔ مگر منتھرا داسی کے تریا چرتر بھی قدرت ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ وہ اسی دن کے لئے وجود میں لائے گئے تھے قدرت نے رام چندر جی کا امتحان جہاں جسمانی قوت میں ایک سے زیادہ مرتبہ لیا تھا اور کامیاب پایا تھا۔ وہاں قدرت یہ بھی دنیا کو دکھلانا چاہتی تھی کہ اس کا پیدا کردہ انسان فرشتوں سے افضل کیوں ہوتا ہے۔ وہ ان کا روحانی امتحان بھی لینا چاہتی تھی۔ اس کے لئے قدرت مدت

سے اسباب پیدا کرتی چلی آ رہی تھی۔ کیکئی کو جو دو بر (عہد) دشرتھ جی نے دینے منظور کئے تھے۔ وہ اسی دن کے لئے تھے۔ اس میں کیکئی کی کوئی خطا نہیں کہ وہ منتھرا کے بہکانے سے بھرت کے لئے راج اور رام چندر جی کے لئے بن مانگنے پر آمادہ ہو گئی۔ ہر عورت فطرتاً اپنی اولاد کو چاہتی ہے۔ پھر محفوظ طریقہ یہی تھا کہ رام چندر جی اجودھیا میں موجود نہ رہیں۔ ورنہ ان کی ہر دل عزیزی بھرت کو پھولنے پھلنے نہ دیگی۔ یہ ان امور میں ایک اور کڑی ہے جو رام چندر جی کے محاسن پر دلالت کرتی ہے۔

اب رام چندر جی کے صحیح کیریکٹر کا اظہار شروع ہوتا ہے۔ انہیں واقعات معلوم تھے۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے باہو بل لچھمن کی مدد، ایودھیا واسیوں کی حمایت اور راجہ دشرتھ کی چشم پوشی سے بآسانی راج کے مالک ہو سکتے تھے۔ پھر بھرت تو یوں بھی شاید ان کی حق تلفی پر آمادہ نہ ہوتے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ ان کا باپ اگر اسے گوارا کر لیگا تو اس کا ضمیر اسے کتنی ملامت کریگا۔ کیا وہ یہ پسند کر سکتے تھے؟ کہ ان کا باپ گنہگار ہو اور وہ خود آرام پائیں۔ اگر راجہ دشرتھ بر دینے سے معذور ہے تو اس کی وجہ صرف ایک ہی ہوگی اور وہ اپنے بیٹے رام سے محبت اس کی دلجوئی اور اس کے لئے سکھ کی چاہت۔ پھر کیا بیٹے کا سکھ بیٹے کو نرک میں پھینک دے؟ یہ تھا وہ سوال جو رام چندر جی کے سامنے تھا۔ اور جس کا جواب ان کے لائق ضمیر نے ''نہیں'' دیا۔ دشرتھ جی کو بر ضرور دینے چاہئیں۔ بھرت کو راج کرنا چاہئے۔ رام کو بن جانا چاہئے۔ یہ تھے وہ نیک ارادے رام نے اپنے لئے لازم قرار دیئے۔ لچھمن جی کو غصہ آ سکتا تھا۔ کوشلیا رانی کو بیٹے پر یہ بپتا پڑتی دیکھ کر شوک ہو سکتا تھا۔ سیتا جی کے آنسو مفارقت اور پتی کی مصیبت کے خیال سے نکل سکتے تھے۔ خود دشرتھ جی اپنے پیارے بیٹے پر یہ مفت کا کشٹ پڑتا دیکھ کر بر نہ دینے گناہ گار بننے اور بیٹے کو روکنے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک بات بھی رام چندر جی کو ان کے فرض کی ادائیگی سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ اگر لچھمن کو رام پیارا ہے تو لچھمن بن آ جائے۔ اگر سیتا کو مفارقت ناگوار ہے تو وہ بھی چلی آئے۔ مگر رام اجودھیا میں رک جائے یہ ناممکن۔ کیسی کیسی آسانیاں موجود تھیں۔ راج کو حاصل کرنے کے لئے بھرت خود بھی موجود تھے۔ اس وقت یہ ایثار یہ قربانی رام چندر جی نے کی۔ کیا ہر راج کمار ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر کر سکتا ہے۔ تو کیا وہ پوجنے نہیں ہے؟

اور رام نے نہ صرف راج چھوڑا بلکہ بن باس منظور کیا۔ چودہ سال تھوڑے نہیں ہوتے، بن میں رہنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر رام کے لئے باپ کا حکم نہ ماننا مشکل تھا۔ اور رام چندر جی نے یہ

دکھلایا تھا کہ وہ کیسے فرض شناس حکم بردار تھے۔ قدرت یہ اور دیکھنا اور دنیا کو دکھانا چاہتی تھی کہ وہ اپنے دھرم پر کتنے پکے تھے۔ جب راجہ دشرتھ کی موت کے بعد بھرت خود آکر ایودھیا لوٹ چلنے کے لئے کہتے ہیں تو حقیقتاً رام چندر جی بن جانے اور راج چھوڑنے سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حکم دینے والا مر چکا اور جس کی خاطر حکم دیا تھا۔ وہی اس حکم کو نظر انداز کرنے کا ملتجی ہے۔ مگر نہیں مرحوم باپ کی روح کیا کہے گی۔؟ جو وہ کہہ مرا ہے وہ اٹل ہے۔ بھرت راج لیں نہ لیں۔ رام نہیں لے سکتا، بن ضرور جائیگا اور اگر ایودھیا سے قریب رہ کر بھرت اور ایودھیا والے اسے چین نہ لینے دینگے۔ چلنے پر اصرار کرینگے تو وہ انتہائی جنوب میں چلا جائیگا۔ کیسا سخت امتحان تھا۔ کیسی ترغیب دی گئی تھی۔ کیا کیا سامان راہ صداقت سے متزلزل کرنے کے لئے تحسین قضا و قدر نے مہیا کئے۔ مگر کیسی اولوالعزم اور راسخ الارادہ فطرت برگزیدہ رام چندر جی کی تھی کہ اس جانچ میں بھی کامیاب رہی۔ کیا وہ سیرت پسندیدہ عزت و عظمت کے لائق نہیں ہے؟

بن باس کے ایام میں جو جو مصائب ہر سہ جلاوطن عزیزوں نے برداشت کئے وہ نہ صرف رام چندر جی کی ہمت بلکہ سیتا جی اور لچھمن جی کی ہمت اور محبت کا کافی ثبوت ہیں۔ رام چندر جی خود ایسی مصیبت میں تھے کہ اگر زمانہء جلاوطنی میں دکھ میں دوسروں کا ہاتھ نہ بٹاتے، کوئی الزام ان پر نہ آسکتا تھا۔ مگر نہیں وہ کتنے دیالو، کیسے انصاف پسند اور اپنے فرض کو کیسے پہچاننے والے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بالی سے چھٹا کر سگریو کو سلطنت دی اور راون کا راج فتح کرکے اس کے بھائی وی بھیشن کو دیدیا۔ ایسے موقعوں پر کون کس کی سدھ لیتا ہے مگر رام چندر جی نے مظلوموں کی مدد کی اور قدرت نے جب ان کو صداقت پر جما ہوا دیکھا تو ان کی مدد کی۔

مگر امتحان ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ راج چھٹا، بھائی بند ماں باپ سب چھٹے۔ بیوی اور چھٹنی تھی۔ راون اسے بھی چرا لیجاتا ہے۔ یہ رام چندر جی ہی کے واسطے تھا کہ جٹایو نے سیتا کو بچانے کے واسطے جان دی۔ جب رام چندر جی نے سگریو کی مدد کی تو سگریو بھی اس بے لاگ مدد کا بدلہ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور سیتا جی کی تلاش میں ان کا ہمراہی ہولیا۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ رام چندر جی نے سگریو کی حمایت اس امید پر کی تھی کہ سیتا جی کی کھوج میں اس سے مدد ملے۔ اس کو اس کا حق دلوانا تو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اب رہا یہ کہ اگر وہ ان کی یہ مخلصانہ ہمدردی دیکھ کر ان کا ہو رہا تو یہ اس کی احسان مند طبیعت کی خوبی تھی لیکن محسن اس سے اس کا طالب نہ تھا۔ سیتا جی کو حاصل کرنے میں لنکا پوری کے جن نبرد آزما دیو صورت انسانوں سے رام چندر جی کا مقابلہ ہوا اُن پر فتح پانا رام چندر

جی کی طاقت کا شاہکار تھا۔فنِ جنگجوئی میں وہ جس قابلیت کا ثبوت پہلے دے چکے تھے۔اس کا یہ ایک اور ثبوت تھا۔

جلتی ہوئی آگ میں بیٹھ کر جب سیتا جی نے اپنی پاکبازی اور عصمت کا ثبوت دے دیا تو رام چندر جی ایودھیا واپس ہوئے۔سیتا جی کو واپس لے لینا ان کی آزاد خیالی اور نیک نہادی کی کتنی بڑی دلیل ہے یہ ثبوت نہ صرف ان کے من کے تسلی کے لئے درکار تھا بلکہ عوام الناس کی زبان بند کرنے اور شبہات دور کرنے کے لئے تھا۔کیونکہ اس چودہ سال کی مدت میں رام چندر جی تو سیتا جی کو اتنی اچھی طرح پہچان گئے تھے کہ مزید ثبوت کہ ضرورت نہ تھی۔مگر مذہب کا حکم بھی یہی تھا اور مصلحت بھی یہی تھی۔اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پرجا کی رائے کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ باوجود اس آزمائش اور ایک مزید آزمائش کے بھی عوام نے ان کے طرزِ عمل کو ناپسند کیا۔اور سیتا جی کی عصمت پر نکتہ چینیاں کیں۔امتحان اب بھی ختم نہیں ہوا۔رام چندر جی نے پھر ان کو علیحدہ کر دیا۔اور بن بھیجا۔اور یہ رنجدہ خدمت لچھمن جی کے سپرد ہوئی۔بیچاری سیتا جی کو کتنا شوک ہوتا یہ دیکھ کر کہ ان کا وہ پتی جس کے واسطے انہوں نے سالہا سال جنگلوں میں کشٹ جھیلے۔آج ان کو مشتبہ سمجھ کر بن باس دے رہا ہے۔مگر وہ یہ جانتی تھیں کہ رام چندر جی اب بھی انہیں پتی برتا، باعصمت سمجھتے تھے۔یہ صرف رعایا کو خوش کرنا تھا کہ وہ ان کو الگ کر رہے تھے دیکھنا یہ ہے کہ خود رام چندر جی کو کتنا رنج ہوا ہوگا۔اس رام پر کیا گذری ہوگی جو چودہ سال تک سیتا جی کو دل سے لگائے بن بن پھرا، راون سے اس کے لئے لڑا۔جب اس نے اسی سیتا کو پرجا کی خوشی کو ملحوظ رکھ کر بن بھیجا ہوگا۔ خاص کر یہ جانتے ہوئے کہ وہ بیگناہ بھی تھی۔کیا کوئی راجہ اپنی پرجا کی خاطر اتنا ایثار کرسکتا ہے؟ کیا کوئی اپنی پیاری سیتا جیسی بیوی کو یوں جدا کرسکتا ہے اور کیا وہ راجہ بڑا اور اچھا راجہ نہیں ہے جو پرجا پالن کا اتنا دھیان رکھتا ہو؟

اس کے بعد کے واقعات چنداں بحث طلب نہیں ہیں۔رام چندر جی کی سلطنت نے اگر روز بروز ترقی کی۔وہ مہاراجہ دھیراج تسلیم کئے گئے تو وہ اس کے مستحق تھے۔وہ اتنے طاقتور تھے کہ دیگر راجاؤں کو مطیع کریں۔وہ اتنے عقلمند تھے کہ ایک بڑی سلطنت کا انتظام کریں۔وہ اتنے منصف تھے کہ ساری رعایا پر بلادوش آئے ہوئے حکومت کرسکیں۔ان کی تمام خوبیاں لوگوں پر روشن تھیں۔پھر کیوں ان کی سلطنت ترقی نہ کرتی۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ دکھانے کے لئے کہ رام چندر جی بہت سی اعلیٰ پایہ کی صفات

حمیدہ کے حامل تھے کافی لکھ دیا ہے حالانکہ یہ عشر عشیر بھی نہیں ہے اس سب کا جو لکھا جا سکتا ہے۔ رامائن میں سینکڑوں واقعات ایسے مذکور ہیں جو اُن کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں ۔مگر موجودہ ضرورت کے لئے یہی چار پانچ مشہور عوام واقعات کافی ہیں۔

ان سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ رام چندر جی کی ایک عظیم الشان پُر جبروت اور قابلِ عزت واحترام ہستی گزری ہے۔ایک اوتار تو خود ہی قابل پرستش ہوتا ہے۔ایسی تمام صفات جو مہاراجہ رام چندر جی میں تھیں۔اس میں فطرتاً اور لازماً موجود ہونی چاہئیں۔کیونکہ وہ اوتار ہے۔اس کا وجود ان صفات سے کوئی مزید رتبہ حاصل نہیں کرتا۔یہ اس کے مرتبہ کا جزو لاینفک ہوتی ہیں۔لیکن اگر ایک انسان میں یہ تمام صفات ہوں تو وہ واقعی اعلیٰ مرتبہ کا انسان ہوگا۔یہ تمام محاسن اسے اگر اوتار کے درجہ سے بالا نہیں پہنچاتے تو اس سے کم درجہ پر بھی نہیں چھوڑتے۔لیکن اسے اوتار بنا کر ان محاسن کی منزلت کم کرنا ہے گویا بذاتہ یہ لائق احترام نہیں ہیں۔ان کے احترام کے لئے ایک اوتار کا حامل ہونا ضروری ہے۔یہ تمام محاسن ایک ہستی میں مجتمع دیکھ کر آدمی اس ہستی کو اوتار سمجھے تو وہ کوئی غلطی نہیں کرتا۔لیکن اگر وہ اسے اوتار سمجھ کر پوجے اور ان محاسن کا خیال نہ رکھے۔یہ مدنظر نہ رکھے کہ اصلی وجہ پرستش کیا ہے تو وہ ایک دھوکے کو پوجتا ہے۔رام چندر جی میں یہ تمام صفات موجود تھیں۔ان کی بنا پر آپ ان کی جتنی عزت وعظمت کریں وہ کم ہے۔لیکن آپ کی طبیعت بلا اوتار مانے ہوئے ان کی عزت وعظمت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تو آپ شوق سے اوتار بھی مان لیں۔مگر یہ نہ دل سے بھلائیں کہ جو لوگ ان کو اوتار نہیں مانتے ہیں۔وہ بھی ان کے اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ کی آپ سے کم عزت ووقعت نہیں کرتے۔

(ماہنامہ نیرنگِ خیال، لاہور، رامائن نمبر اکتوبر۔نومبر ۱۹۲۸ء)

مرزا عاشق علی بیگ خیالؔ مرادآبادی

رامائن، جزائر شرق الہند میں

ایک محققانہ علمی مقالہ

ہندوستان اور مشرقی ایشیا کے ہر دلعزیز اور مشہور افسانوں میں رام چندر جی کے اس کارنامہء حیات کو خاص امتیاز حاصل ہے جس میں انہوں نے سرکش راون سے اپنی ناموس کی خاطر نبرد آزمائی کی تھی۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت رام بن باس میں تھے۔ اور سیتا رفاقت ووفاداری کے سلسلہ میں ان کے ہمراہ تھیں تو ایک دن راون موقع پا کر اُن کو پکڑ کر لے بھاگا تھا۔ حق وصداقت کے حامی سری رام چندر جی گمراہ راون کی سرکوبی پر مجبور ہوئے اور عظیم خونریزی کے بعد اپنی معصوم اور پیاری شریکِ زندگی کو قیدِ ستم سے رہائی دلائی۔

یہ خلاصہ ہے اس داستان کا جس کا نام رامائن ہے اور ہندو مذہب میں الہامی کتابوں کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔

رام چندر جی کی مہمات فائقہ کا مشہور ترین مجموعہ ہندوستان میں والمیکی کی رامائن ہے۔ اس کی تدوین حضرت مسیحؑ سے کئی سال قبل کی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور اس کے گردونواح میں چند اور رامائنیں بھی پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ سیام میں اس داستان مصیبت و وفاداری کا نام ''راماکین'' ہے۔ ملایا میں یہ واقعہ ''حکایات سری رام'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح جاوا، مُدورا میں ''سیرت رام'' اور جزائر بالی میں ''رامائین'' کے نام سے اس کی شہرت ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کی شہرت سیلسز کے شمال اور دوسرے مجمع الجزائر تک پھیلی ہوئی تھی۔

اگرچہ اس داستان کا نفس واقعہ تمام جزائر شرق الہند میں اسی طرح مشہور ہے۔ جس طرح ہندوستان میں۔ مگر اپنی تفصیلات اور جزئیات کے اعتبار سے اس میں ہر جگہ بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم جزوی اختلافات سے چشم پوشی کر سکتے ہیں کیونکہ ہر مشہور واقعہ میں اس قسم کی ایزادیں

قدرتاً ہو جاتی ہیں ۔لیکن اس داستان کے بزرگ ترین افراد قصے کے قرابتی تعلقات میں یہ اختلافات اور بھی نمایاں ہیں ۔لہٰذا اِن اختلافات کی تفصیل اور ان کی وجوہات کا پتہ لگانا چاہئے ۔
سب سے پہلے رامائین کے مشہور نسخوں میں جو اختلاف روایت موجود ہے اس کو ملاحظہ کیجئے ۔
جاوی ''سیرت رام ۔ ہندوستانی جین رامائن اور ملائی رامائن ۔ان سب میں داستان کا آغاز راوؔن کی مہمات سے شروع ہوتا ہے ۔نہ کہ رامؔ کی ۔
جاوی ناٹک میں راوؔن کے کارنامے ارجن ۔سسرو ۔باہو کے مقابلہ میں دکھائے گئے ہیں ۔
ان کے بعد وہ رام سے جنگ آزما ہوتا ہے ۔
اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس داستان کا بطل رامؔ کی بجائے راوؔن ہے ۔تعجب یہ ہے کہ ''سیرت رام '' جو والمیکی کی رامائن سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے ۔وہ بھی راوؔن کی مہمات سے شروع ہوتی ہے !
ملایا کی رامائینوں میں راون کی تپسیا پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے ۔اور دکھایا گیا ہے کہ اس نے اس ریاضت سے کس قدر زبردست طاقت حاصل کرلی تھی ۔

....

جاوی رام کلنگ اور جوگ جکیرتا کے ناٹک میں سیتا کو رامؔ کی بہن کہا گیا ہے ۔بدھ جاٹکا میں یہ روایت بجنسہ موجود ہے ۔

....

رام چندر جی کے دربار چھوڑنے کی وجہ بھی تمام نسخوں میں ایک نہیں ۔
بدھ جاٹکا کے اندر رام اپنے باپ کے ایماء سے ترک وطن کرتے ہیں ۔ کیونکہ باپ کو ڈر ہے کہ رام کو سوتیلی ماں سے کوئی چشم زخم برداشت کرنا نہ پڑے ۔
والمیکی ،جاوی ،پرانی اور نئی رامائنوں میں رامؔ ،بھارت کی ماں کے حکم سے جلاوطن کیا جاتا ہے ۔
ملائی رامائن میں رامؔ خود اپنی مرضی سے وطن چھوڑ کر بن باس ہو جاتے ہیں ۔جس وقت کہ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جگہ بھارت کی تخت نشینی کی تدبیریں کی جارہی ہیں ۔

....

ملائی سیرۃ رام اور جوگ جکیرتا میں ہنومانؔ کا ایک بیٹا ہے ،جس کا نام سیرۃ رام ہے ۔ٹکنگا اور جوجکیرتا میں ٹری گنگا لیا گیا ہے ۔اور بتایا گیا ہے کہ راون کے لڑکے نے اس کی تربیت کی تھی ۔

یہ واقعہ دوسرے نسخوں میں کہیں نہیں ملتا۔

....

بہت سے بنگالی نسخوں میں یہ روایت ہے کہ رام کی سوتیلی بہن (کیکئی کی بیٹی) کوکوا، سیتا کو ترغیب دیتی ہے کہ پنکھے پر راون کی تصویر کھینچنی چاہیے......جس وقت سیتا پنکھا ہاتھ میں لئے سو جاتی ہے تو وہ لڑکی رام کے پاس جا کر اس کو وہاں لا کر دکھاتی ہے کہ سیتا ابھی تک راون کی یاد کو نہیں بھولی۔ اس کی تصویر پنکھے پر کھینچ کر سوتے ہوئے اپنے سینہ پر رکھتی ہے۔

....

ملائی رامائن میں بھی کیکوی دیوی بالکل اسی طرح رام کو ورغلاتی ہے، سیتا دربار سے نکال دی جاتی ہے۔ اور اپنے مرشد کالا کے پاس چلی جاتی ہے۔ وہاں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام تیاوی رکھتی ہے۔ بعد ازاں ایک لڑکے گوسی نامی کو متبنیٰ کر لیتی ہے۔ موجودہ جاوی رامائن میں سیتا کا راون کے دربار میں رہنا اس کی عصمت کو مشکوک ٹھہراتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نکال دی جاتی ہے سیتا شرم کے مارے ستی ہونے کے لئے چتا میں کود پڑتی ہے۔ لیکن دیوتا اس کو بچا لیتے ہیں۔ اور اس سے سیتا کی پاکدامنی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

ہندوستانی رامائن میں بھی یہ واقعہ ایک نظم میں موجود ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ سیتا والمیکی کے پاس پناہ گزیں ہوتی ہے۔ اور وہاں اس کے دو لڑکے گوسا۔ لاوا نامی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ الحاقی معلوم ہوتا ہے۔

ملائی رامائن میں ان لڑکوں کے نام گوسی اور بتلوی ہیں۔

....

ہندستانی جین رامائن میں لچھمی اور روان مالا شہزادی کے عشق کا واقعہ بھی موجود ہے جو لجکیر نا کے ناٹک میں جم باون نامی بندر کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ لچھمی کا بھیس بدل کر ایک دوشیزہ سے ملاقات کرتا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ یہ روایت جینی رامائن کی کہانی پر مبنی ہو!

جو لجکیر تا میں ایک واقعہ ہے کہ رام کے بھائی بھارت کی بیوی انتر کاولن اپنے خاوند سے محبت نہیں رکھتی ہے۔ وہ ایک معمہ حل کرنے کی شرط لگاتی ہے۔ جس کو لچھمن حل کر لیتا ہے اور بھارت ناکام رہتا ہے۔ اس وجہ سے وہ لچھمن کے دام محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی قسم

کا ایک واقعہ سیرت رام میں موجود ہے۔ مگر وہاں مندر دیوی بتلوی کی بیوی اپنے خاوند سے منحرف ہو جاتی ہے۔

....

مذکورہ بالا اختلافات کے علاوہ اب ان اختلافات پر غور کرنا چاہئے جو افراد قصہ کے قرابتی رشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً رام سیتا کو کہیں بہن۔ بھائی اور کہیں میاں۔ بیوی اور کسی جگہ راون کو سیتا کا باپ بتایا گیا ہے۔ اسی طرح ہنومان کو رام کا بیٹا دکھایا گیا ہے۔

اس پر ہم ذرا تفصیلی نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ روایات جن میں افراد قصہ کو رشتہ دار نہیں بنایا گیا ہے۔ ان کو الف کے ماتحت لکھا جائیگا۔ اور دوسری وہ روایتیں جن میں ان کے درمیان قرابت ثابت کی گئی ہے ب کے ذیل میں درج کیا جائیگا۔

رام اور راون کا تعلق ظاہر کرتے ہوئے حسب ذیل اختلاف روایات پایا جاتا ہے۔

الف۔ راون کی بہن سور پنکھا رام کے بھائی لچھمن پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اس کی محبت کو نفرت وحقارت سے ٹھکرایا جاتا ہے۔ انتقام کے لئے راون رام کی بیوی سیتا کو اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس روایت میں سیتا کے باپ کا نام راجہ جنک بتایا گیا ہے۔

دیکھو اس میں قرابتی تعلق کا پہلو کوئی نہیں۔ مگر ملائی سیرت رام وغیرہ میں ان دو شخصوں کا تعلق یوں ظاہر کیا گیا ہے:۔

ب۔ راون رام کی ماں مندادری کو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن مندادری کی ہم شکل ایک دوسری عورت کو غلطی سے اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ کسی طریقہ سے رام کا باپ اس عورت تک پہنچتا ہے۔ اور متمتع ہوتا ہے۔ اسی مصنوعی مندادری سے بعد میں سیتا پیدا ہوتی ہے۔

سیتا برائے نام راون کی بیٹی ہے۔ مگر فی الحقیقت رام کی سوتیلی بہن ہے۔ اس کے بعد رام اور سیتا کی شادی ہو جاتی ہے۔ گویا رام اپنے باپ کی بیٹی سے شادی کرتا ہے۔ جینی رامائن اترا پرانا میں بھی سیتا کو راون کی بیٹی بتایا گیا ہے۔ ہندوستانی اوھیھوتا رامائن میں بھی وہ راون کی بیوی مندادری کی لڑکی ہے۔ یہاں مندادری کے متعلق اتنا اور بتایا گیا ہے کہ راون نے ایک رشی کو قتل کر ڈالا تھا۔ اور اس نے اس کا خون پیا تھا۔

....

رام اور ہنومان کا تعلق بھی اختلاف روایات کا محل ہے۔

الف۔ رامؔ بندروں کے بادشاہ سگریوؔ کی مدد کرتا ہے۔ جب رامؔ راونؔ کی مہم پر جاتا ہے، تو سگریو اس کے معاوضہ میں اپنے لائق سپہ سالار ہنومان کی خدمات رام کو دے دیتا ہے۔
ب۔ ہنومان کو رام کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ جو سگریو کی بہن انجنی کے بطن سے ہے۔ اس طرح ہنومانؔ اور رام باپ، بیٹے ہیں۔
الف۔ ہنومانؔ اور راونؔ کا تعلق محض اس جنگ سے ہوتا ہے۔ جس میں وہ راونؔ کے خلاف رامؔ کی حمایت میں شمشیر بکف ہوتا ہے۔
ب۔ ہنومان کا لڑکا ہنومان تو گنگا راونؔ کے بیٹے گنگا مہسوؔرا کا شاگرد بتایا گیا ہے۔
روایات ماتحت الف حسب ذیل مقامات سے ماخوذ ہیں۔
(۱) رامائن مصنفہ والمیکیؔ۔
(۲) جاواؔ کی قدیم رامائن جس کے آثار مشرقی جاوا کے مندر پانترن نامی کھنڈرات میں موجود ہیں۔
(۳) موجودہ جاوی رامائن سیرت رامؔ کی روایات

....

روایات ماتحت ب کے ماخذ حسب ذیل ہیں:۔
(۱) ہندوستان کی مروجہ رامؔ کی بابت کہانیاں۔
(۲) حکایات سری رام جو کہ جزائر ملایا میں وسطی جاواؔ کے پرام بننؔ مندر کے آثار سے ظاہر ہوئی ہیں۔
(۳) رام کی کہانی جو جو لجکیر تا کے نام سے ناٹک کی جاتی ہے۔
(۴) رام کی کہانی جاوا، مدورا میں جو سیرت رام کا لنگ کے نام سے مشہور ہے۔

....

جب ہم جزائر شرق الہند اور خود ہندوستانی رامائنوں میں یہ اختلافات دیکھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعہ ہے جو ہر جگہ مشہور ہے۔ افراد قصہ کے قرابتی تعلق میں تضاد ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے جزوی اختلافات بھی موجود ہیں۔ اس سوال کا جواب بہم پہنچانا ہی ہمارے مضمون کا اہم مقصد ہے۔

بعض عالموں کا خیال ہے کہ اصل واقعہ میں تحریف کی گئی ہے۔ وہ مثال میں جاوی رامائنؔ اور جو لجکیرؔ تا کو پیش کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ قدیم جاوی رامائن یعنی سیرتؔ رام، اصلی رامائن تھی۔ مگر بعد میں اس کو مسخ کر کے جو لجکیر تا کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ اس لئے ان دونوں میں

اختلاف موجود ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ رآم اور سیؔتا کو ایک جگہ میاں بیوی اور دوسری جگہ بہن بھائی بنایا گیا ہے۔ ایک اور گروہ ہے جس کا خیال ہے کہ نوآبادلوگ اس واقعہ کو جزائرشرق الہند میں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں دو کتابیں موجود تھیں ایک تو والمیکی کی رامائن اور دوسرا ایک اور ہر دل عزیز نسخہ تھا۔ ان دونوں کی روایات میں باہمی اختلاف موجود تھا۔ ان ہی کا رواج جزائرشرق الہند میں ہوگیا۔ اس گروہ کے بیان کی بنا پر مذکورہ بالا اختلافات کا آغاز قدیم زمانہ سے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور بظاہر اس داستان کی تحریف کا الزام جاوا سے زیادہ ہندوستان پر عائد ہوتا ہے۔ اور اس کا قرینہ بھی بدیہی ہے کہ والمیکی کی رامائن رام چندر جی کے صحیح واقعات کا مرقع اور ان کی مہمات کا اکثر داستانوں کا ماخذ تسلیم کی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہندوستان قدیم کا شاعر اعظم تھا۔ اس نظم میں غیر معمولی تسلسل و یکسانیت موجود ہے۔ دوسری مشہور سے مشہور اور ہر دل عزیز رامائنیں اس کی شاندار نظم کا مقابلہ کہاں کرسکتی ہیں!

تحریف کے الزام کا مورد ہندستان یا بالفاظ دیگر والمیکی کو بنانا اور یہ خیال کرنا کہ اس نے من گھڑت روایتوں کو داخل کر دیا قابل غور ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر اس نے ایسا کیا بھی ہو تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ دوسری تمام رامائنیں اس کی کتاب سے ماخوذ ہیں؟ اس امر کا ثبوت کوئی ہے نہیں اس لئے یہ الزام کسی طرح عائد ہی نہیں کیا جاسکتا۔

اب رہا اس بات کا کھوج لگانا کہ آخر اختلافات کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے متعلق یہ ہے کہ بہت ممکن ہے والمیکی اور دوسرے افسانہ نگاروں نے اصل واقعہ کو کسی قدیم ماخذ سے لیا ہو۔ اور اپنے اپنے انداز سے مرتب کیا ہو! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اصل واقعہ میں بھی تحریف موجود تھی؟ اگر تھی تو کس نے کی تھی؟

بنگالی عالم رائے دنیش چندر سین نے اپنی کتاب بنگالی رامائن (مطبوعہ کلکتہ یونیورسٹی ۱۹۲۰ء) میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان اختلافات کی اصلی وجہ ظاہر ہو سکے گی۔

ان کا خیال ہے کہ رامائن تین بالکل جداگانہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) پہلی کہانی راجکمار رام چندر جی کی ہے۔ جن کو درباری سازشوں کی بنا پر بارہ برس کے واسطے مع اپنے بھائی لچھمن اور اپنی بہن سیتا کے بن باس ہونا پڑا تھا۔

''شمالی ہند میں یہ کہانی ایک بدھ جاٹکا میں موجود ہے۔''

(۲) دوسری کہانی پارساراون کی مہمات کا مجموعہ ہے۔ جس نے عبادت وریاضت سے زبردست طاقت حاصل کرلی تھی۔

(۳) تیسری کہانی ہنومان بندر کی ہے۔

"یہ بندر پوجا پر مبنی ہے۔ جس کا ہندوستان قدیم میں رواج تھا۔اوراب بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔"

ان تینوں کو جب ملایا جاتا ہے تو ایک بڑی کہانی مرتب ہو جاتی ہے۔یہی داستان آج کل کی رامائنوں میں باختلاف روایات مشترک ہے۔یعنی:۔

رام چندر اجودھیا کا شہزادہ ہے۔اس کی ولی عہدی کا اعلان ہونے والا ہے۔ کہ حرم سرائے شاہی کے توڑ جوڑ کی بنا پر اس کو بن باس ہونا پڑتا ہے۔اس سفر میں اس کے ساتھ سیتا جو کہ اس کی بیوی ہے (نہ بہن) اس کے ہمراہ جاتی ہے۔

جس وقت رام جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔اس کی بیوی سیتا کو ایک دیو بادشاہ راون نامی اُٹھالے جاتا ہے۔

رام سیتا کو رہا کرانے کے واسطے سامان جنگ کرتا ہے۔ اور بندروں کے بادشاہ سگریو بالخصوص اس کے بہادر سپہ سالار ہنومان کی مدد سے کامیاب ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مندرجہ بالا تین بالکل مختلف کہانیوں کو اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے تو چیف کیرکٹرز کا ایک دوسرے سے تعلق ظاہر کرنا پڑے گا۔ درآں حالیکہ ان میں کوئی حقیقی علاقہ موجود نہیں ہے۔اس لئے یہ قدرتی امر ہے کہ اس کو مختلف افسانہ نگار مخلف پیرایوں میں ترییب دیں گے۔

رامائینوں میں اختلاف ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر ایک کی ترتیب کا طریقہ جداگانہ ہے۔ رہے چھوٹے چھوٹے اختلاف تو ان پر بحث کرنا خالی از طوالت نہیں۔اس کے لئے اس اصول پر غور کرنا کافی ہے کہ جو واقعہ دنیا میں جتنا زیادہ مقبول ہوگا۔اس میں اسی قدر افسانہ کا رنگ بھرتا جائے گا۔کسی واقعہ کی اہمیت اگر اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ اس میں واقعیت سے کس قدر بُعد ہو چکا ہے! کیونکہ یہی اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

اس قدر گفتگو کے بعد ہم جزائر شرق الہند میں رامائن کی شہرت اور اس کے اختلافات کا علم حاصل کر سکے ہیں اور اسی پہلو کو پیش کرنا اس فرصت میں ہمارا مقصد تھا!

(ماہنامہ نیرنگِ خیال، رامائن نمبر، لاہور، اکتوبر۔نومبر ۱۹۲۸ء)

مالک رام (بویجہ بی اے)

عہد رامائن کی معاشرتی زندگی

(رامائن ہندوستان کی قدیم ترین کتب میں سے ہے۔ متداول نسخوں میں سے دو خاص طور پر مشہور ہیں ۔ایک جس کے مصنف رشی والمیک جی ہیں ۔ اور دوسرا جس کے سوامی تلسی داس جی ہیں۔ پہلا بہت قدیم ہے۔ اور عقائد ہنود کے مطابق تو سری رام چندر جی کی پیدائش سے بھی پیشتر کا ہے۔ خیر وہ تو عقیدہ کی بات ہے۔ کم از کم اس سے انکار ناممکن ہے کہ یہ سری رام چندر جی کے زمانہ کے فوراً بعد کی لکھی ہوئی چیز ہے۔ کتاب سنسکرت میں ہے اور راقم سنسکرت سے نابلد ۔ اس کے تراجم یورپ کی کئی زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ انگریزی ترجموں میں گرفتھ صاحب کا منظوم ترجمہ بہت پایہ کی چیز ہے۔ میں نے اس مضمون کی تیاری میں اسی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔ اور تمام حوالہ جات بھی اسی سے ہیں۔ چونکہ موصوف مدتوں سنسکرت کالج بنارس کے پرنسپل رہے۔ اور یوں بھی سنسکرت داں مستشرقین میں اُن کی خاصی عزت ہے۔ اس لئے ترجمہ کی صحت میں غلطی کا بہت کم احتمال ہے۔

ممکن ہے میرے اس مضمون میں اکثر باتیں موجودہ ہندو عقائد کے خلاف ہوں۔ اس کے لئے متذکرہ بالا ترجمہ ذمہ دار ہے۔ مالک رام بویجہ)

....

کسی قصہ کہانی کی کتاب سے اس بات کا پتہ لگانا کہ اس کے لکھنے کے وقت ملک کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کی کیا حالت تھی۔ نہایت مشکل امر ہے۔ کیونکہ مصنف کے مدنظر یہ امور

نہیں ہوا کرتے۔ اس کا مدعا ہوتا ہے۔ واقعات کا تسلسل قائم رکھنا اور انہیں بوجوہ احسن انجام تک پہنچانا۔ اگر اسی ضمن میں کچھ اور حالات پر بھی روشنی پڑ جائے تو اسے بعد کے لوگوں کی خوش قسمتی خیال کرنا چاہئے۔ یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب اس ملک کے مختلف حصص کے رسم ورواج میں یکسانیت نہ ہو۔ ہم ایسی ہی مشکل سے والمیکی رامائن میں دوچار ہوتے ہیں۔ اس وقت کا ہندوستان بلحاظ تہذیب کے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ شمالی ہند جہاں آرین تہذیب اپنے پورے شباب پر تھی بندھیا چل اور اس کے جنوب کی سطح مرتفع کے لوگ نیم مہذب نیم وحشی ہیں اور منتہائے جنوب اور لنکا کا علاقہ۔ ان لوگوں کو راکشش کہتے تھے۔ یہاں کے لوگ سوائے ایک محدود جماعت کے سخت وحشی اور کندۂ ناتراش تھے۔

لیکن یہ مشکل اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب والمیک جی شمالی ہند کے رسم ورواج کو دکن میں پیش کردیتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بالکل قدرتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہومر الئیڈ میں ایتھنز کے رسم ورواج کو ٹرائے میں داخل کردیتا ہے۔ غرض اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ دونوں حصوں کے تمدن میں کوئی تفاوت نہیں پاتے۔

لوگ شہروں اور گاؤں میں رہتے تھے۔ شہروں میں بازار اور دکانیں ہوتی تھی۔ بازاروں کا فرش صاف اور ستھرا تھا۔ شہر کے اردگرد فصیل ہوتی تھی۔ جس میں برابر برابر فاصلے پر بڑے بڑے دروازے ہوتے تھے۔ اس کے باہر ایک گہری اور چوڑی خندق ہوا کرتی تھی۔ جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ فصیل پر مختلف قسم کے ہتھیار ہر وقت تیار لگے رہتے تھے۔ جو کسی غنیم کے حملہ کے وقت فوراً استعمال میں لائے جاسکتے تھے۔ شہری باغات اور دوسری تفریح گاہیں ہوتی تھیں۔ مختلف مقامات پر تالاب اور جھیلیں ہوا کرتی تھیں۔ جہاں لوگ میلوں ٹھیلوں پر خوشیاں مناتے تھے اور رقص وسرور کی محفلیں گرم ہوا کرتی تھیں۔

لوگ چار ورنوں میں منقسم تھے۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شیودر۔ ہر ایک جماعت کے مخصوص فرائض تھے۔ جن کی بجا آوری میں وہ کبھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ان کے خلاف کرنے والوں کو ڈنڈ لگایا جاتا تھا۔

برہمن کا فرض وید کا پڑھنا اور پڑھانا۔ مردوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے ہون یگیہ کا کرنا اور کرانا۔ دیوتاؤں پر قربانی چڑھانا۔ آئے مہمان کی آؤ بھگت کرنا اور دوسرے تمام

جانداروں کو حسب مقدور خوراک بہم پہنچانا۔ چاند دیوتا برہمنوں کا خاص معبود تھا۔

کشتری سپاہی لوگ تھے۔ اندرون ملک میں امن قائم رکھنا اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت کرنا، اُن کا فرض تھا۔ فوج دو طرح کی تھی۔ ایک تو وہ جو دار الخلافہ میں حاضر رہتی تھی۔ ایسی فوج کا سامان خورد نوش اور جائے رہائش کا انتظام خزانۂ عامرہ کے ذمہ تھا۔ دوسرا حصہ وہ تھا جو گھر پر رہتا تھا اور وقت پڑے پر میدان میں آسکتا تھا۔ حکمراں طبقہ اسی جماعت سے چنا جاتا تھا۔

ویش کاروباری لوگ تھے۔ وہ کاشت کرتے تھے۔ تجارت کرتے تھے۔ اور اس طرح ملک کی اقتصادی ترقی و بہبودی میں مدد معاون ہوتے تھے۔ تقریباً صنعت وحرفت کے تمام شعبے ان کے ذمہ تھے۔ چند پیشوں کے نام جن کا ذکر کتاب میں آیا ہے حسب ذیل ہیں:۔

بڑھئی، کمہار، جلاہے، سنار، گندھی، دھوبی، درزی، شیشہ کا کام کرنے والے، ہتھیار بنانے والے، حمام گرم کرنے والے، ہاتھی دانت کا کام کرنے والے، شراب کشید کرنے والے، وید اور حکیم، جوہری، چڑیمار، ماہی گیر، قوال گانے بجانے والی عورتیں۔

علم موسیقی اور رقص میں مرد عورت ہر دو مہارت پیدا کرتے تھے۔ اور اکثر موقعوں پر گانے والی عورتیں بطور تحفہ پیش کی جاتی تھیں۔ عہد عباسیہ میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ امراء رقص وسرود میں ماہر کنیزیں بڑے بڑے داموں پر خریدتے تھے۔ اور بادشاہ کو بطور تحفہ نذر کرتے تھے۔

چوتھا طبقہ شیودر کہلاتا تھا۔ یہ لوگ بھی آریہ ہی تھے۔ لیکن ان کا فرض پہلے تین ورنوں کی خدمت کرنا ہوتا تھا۔ پہلی تین جماعتوں کو دوج یا دوجنمے کہتے ہیں جس سے مراد ایک تو وہ جسم ہے جب وہ کم عدم سے عالم وجود میں آتے ہیں۔ اور دوسرا وہ جب یگیو پویت دھارن کیا جاتا ہے۔ شیودر کو چونکہ یگیو پویت دھارن کرنے کا ادھیکار نہیں ہے۔ اس لئے انہیں دوج نہیں کہتے۔

غلامی کا رواج عام تھا۔ مرد اور عورت دونوں غلام ہوتے تھے۔ چنانچہ جب راجہ جنک اپنی بیٹیوں کو جہیز دیتا ہے تو وہ رتھوں، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے علاوہ ''نوجوان اور فرمانبردار غلام'' بھی دیتا ہے۔ اور جب سری رام جنگل کو روانہ ہونے کو تیار ہوتے ہیں۔ تو لکشمن کو حکم دیتے ہیں:۔

''ان دو بہترین برہمنوں (رشی) اگست اور کسک کے بیٹے (رشی بسوامتر) کو لے آؤ انہیں ہزار ہزار گائیں دو......اور اسے جو مہارانی کوشلیا کی خدمت

بجالاتا ہے اسے غلام عورتوں کے علاوہ ایک سنہری رتھ بھی دو''

یہ غلام ایک مالک سے دوسرے کی طرف منتقل بھی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اسی موقع پر جب سری رام تیر مجت برہمن کو ایک ہزار گائیں دیتے ہیں۔ تو ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ان کے چرواہے بھی آج سے تیرے ہیں۔

جب بھرت اپنے والد راجہ دشرتھ کے پھول چنتا ہے تو برہمنوں کو دان میں ''غلام مرد اور عورتیں'' دیتا ہے۔

اصل میں یہ ورن (پیشہ) کے اصول پر قائم کئے گئے تھے۔ لیکن بعد میں یہ ہو گیا کہ برہمن کے گھر پیدا شدہ برہمن خواہ وہ فوج میں سپاہی ہو یا تجارت کرتا ہو۔ گویا ورن پیشہ پر نہیں بلکہ پیدائش پر منحصر تھا۔ اس طرح یہ ایک بالکل اتفاقی چیز تھی جو جس کے گھر پیدا ہو گیا۔ اس کا وہی ورن ہو گیا۔ اور وہ بعد میں اپنا ورن تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ عہد رامائن میں ہی یہ حدود سخت ہو رہی تھیں۔ بسوامترا یک کشتری کا برہمن کی پدوی حاصل کرنا ان تمام مشکلات کا استعارۂ بیان ہے۔ جو برہمن لوگ ایسے لوگوں کے راستے میں حائل کر دیتے تھے جو اپنے ورن کو تبدیل کر کے برہمن کہلانا چاہتے تھے۔ برہمن اور کشتری دونوں میں بہت دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس کی وجہ غالباً وہ بیجا غرور و تبختر تھا جو برہمن دوسرے لوگوں سے ہر معاملہ میں برتتے تھے۔ یہ صاف عیاں ہے اس بیان سے کہ ایک برہمن پرشرام نے کشتریوں کا اکیس بار قتلِ عام کیا۔

مختلف ورنوں میں مخلوط شادی کا رواج نہ تھا۔ اور جو شخص ایسا کرتا تھا۔ اسے کفارہ کے طور پر چند رسوم ادا کرنی پڑتی تھیں۔ چنانچہ جب رشی سرنگ نے اس قاعدہ کے خلاف شانتا سے جو کشتری قوم کی لڑکی تھی شادی کر لی تو انہیں کفارہ ادا کرنا پڑا۔

شادی سوئمبر کے ذریعہ ہوتی تھی۔ جس کا طریقہ یہ تھا کہ تمام راجوں مہاراجوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ اور لڑکی ان میں سے اپنے شوہر کا انتخاب کر لیتی تھی۔ بعض دفعہ کوئی شرط رکھ دی جاتی تھی۔ جس کو پورا کرنے والا اس لڑکی کے ہاتھ کا مستحق قرار پاتا تھا۔ سیتا کا بیاہ رام سے سوئمبر کے ذریعہ سے ہوا۔ اور شرط یہ تھی کہ جو دھنش کو زد کر سکے سیتا اس کی زچگی میں دیدی جائے گی۔ سروپ نکھا کا سری رام سے آ کر شادی کی درخواست کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ لڑکیاں اپنے حسب منشا شادی کرنے کی مجاز تھیں۔

کثرت ازدواج کا عام رواج تھا۔ چنانچہ راجہ دشرتھ کی تین رانیاں (کوشلیا۔ ستمرا۔ اور کیکئی) تو مشہور ہیں راجہ کشیپ کی آٹھ رانیاں تھیں۔ بڑے بڑے رشی منی ایک سے زیادہ بیویاں کرتے تھے۔ اور تو اور دیوتا تک کئی بیویاں بیاہ لیتے تھے۔ چنانچہ چاند دیوتا کی ستائیس بیویاں تھیں۔ یہ تمام دکش رشی کی لڑکیاں تھیں۔ وایو دیوتا نے راجہ کشنبھا کی سو بیٹیاں بیاہ لیں۔

بانر قوم میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بالی کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ جب بالی دندبھی کے مقابلہ کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اس وقت وہ ان کے حلقہ میں بیٹھا رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ اس کی لاش پر بھی وہ تمام شور وشیون کرتی اندر سے نکل آئیں۔ لنکا میں تو کہنے ہی کیا۔ راون کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ اور شاید ہی ان میں سے کسی کے ساتھ اس نے باقاعدہ طور پر شادی کی ہو۔ ورنہ جہاں کوئی کالے سر کی نظر آئی۔ اُٹھا لایا اور گھر ڈال لی۔

جب سری رام چندر بن سے واپس آئے۔ تو انہیں راہ میں گوہ راجہ کی راجدھانی میں قیام کرنا پڑا۔ سری رام چندر نے نندی گرام میں بھرت کو اطلاع دینے کے لئے ہنومان کو روانہ کیا۔ جب بھرت کو ہنومان نے سری رام کے واپس آنے کی خوش خبری دی۔ تو اس کی خوشی میں اس نے علاوہ اور تحائف کے بیس دوشیزہ لڑکیاں پیش کیں۔ اور کہتا ہے ''میں انہیں تمہاری بیویاں بننے کے لئے پیش کرتا ہوں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیوی کرنے والے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب راجہ دشرتھ نے رات کی تاریکی میں غلطی سے شرون کو نشانہء تیر بنایا۔ اور اس کے بعد پانی لے کر اس کی ماتا پتا کے پاس گئے۔ اور انہیں شرون کی موت کی خبر سنائی۔ تو اس کے پتا نے اپنے بیٹے کی لاش کو مخاطب کر کے رونا شروع کیا۔ اس وقت وہ کہتا ہے۔

> ''(بیٹا) اپنی پاکیزگی وطہارت کے ذریعہ وہ جگہ حاصل کر، جہاں وہ سورما جو لڑائی میں مرتے ہیں، جاتے ہیں۔ جہاں دھوندی مار اور نہش جیسے بیر گئے ہیں۔ جہاں جنمیجے اور مرحوم دلیپ اور سکھر اور شیو ہیں......وہ جو تمام پاک روحوں کا مسکن ہے۔ وہ گھر جو ایک ہزار گائیں دان کرنے والوں کا ہے۔ وہ گھر جو ایک وفادار بیوی کے خاوند کا ہے۔''

بیوی خاوند کو اپنا مالک تصور کرتی تھی۔ وہ اس کے لئے دیوتا سے کم نہ تھا۔ شادی کے بعد

بیوی کا خاوند سے علیحدہ رہنا سخت معیوب گنا جاتا تھا۔ اور ہر رنج وراحت میں اسے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا اچھا خیال کیا جاتا تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد، اس کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا رواج نہ تھا۔ راجہ دشرتھ کی موت پر مہارانی کوشلیا کہتی ہے۔

''میں آج ایک محبت کرنے والی اور وفادار بیوی کی طرح مر جاؤں گی۔ اس کو آغوش میں لے کر اس کے ساتھ آگ میں کود پڑوں گی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا ایک عجیب سی بات گنی جاتی تھی۔ ورنہ اس کا ذکر ہی کیوں کیا جاتا۔ لیکن بعد میں وہ ایسا نہیں کرتی جس سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ کہ یہ رسم بالکل نہ تھی۔ اسکندر کے حملہ کے وقت جس وقت یونانی مورخوں نے اس رسم کو دیکھا تو انہوں نے لکھا کہ رامائن میں اس کی عدم موجودگی کتاب کی قدامت پر دال ہے۔

بیوگان کی شادی کی جاتی تھی۔ چنانچہ بالی کی وفات کے بعد اس کی بیوہ تارا سگریو سے شادی کرلیتی ہے۔ ایسے ہی راون کی بیوہ مندودری بھیکشن سے شادی کر لیتی ہے۔

ایک اور بات جس کا کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ یہ ہے کہ بیاہتا بیویوں کے علاوہ اور عورتیں بھی گھر میں رکھنے کا رواج تھا۔ چنانچہ جب کیکئی رام کے بن باس جانے اور بھرت کے گدی نشین کئے جانے پر اصرار کرتی ہے۔ تو دشرتھ رام چندر کو بلانے کے لئے حکم دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی کہتا ہے۔

''سومنتر جاؤ میری بیویوں اور بیگموں کو بلا لاؤ۔ اور جب میں رام سے ملوں گا۔ وہ میرے پاس کھڑی ہوں گی۔''

یہاں بیاہتا کے لئے بیوی اور دوسری عورتوں کے لئے بیگمات کا لفظ آیا ہے۔ ان کی تعداد تین سو پچاس تھی۔ انہیں لونڈیاں کہیں یا کچھ اور۔ وہ نہ تو باقاعدہ طور پر بیاہی جاتی تھیں۔ نہ ان کی اولاد کو ویسے حقوق حاصل تھے، جیسے بیاہتا رانیوں کی اولاد کو تھے۔ جب شری رام کے بنوں کو چلے جانے کے بعد بھرت ننہال سے واپس آتا ہے۔ تو فیصلہ ہوتا ہے کہ شری رام کو واپس بلانے کے لئے تمام امرائے سلطنت شاہی خاندان کے ساتھ چلیں۔ اسی وقت تیاری شروع ہوتی ہے۔ جب سب سامان مکمل ہو چکتا ہے۔ تو رشی وششٹ (راج گورو) حکم دیتے ہیں۔

''جاؤ برہمن اور کشتری عمائد سلطنت اور دوسرے امیروں

کو بلالاؤ۔ تمام یہاں اکٹھے ہوں۔ جاؤ جلدی کرو۔ ہم دیر
کرر ہے ہیں۔ شترو گن اور بھرت دوسرے شہزادوں سمیت
آئیں۔ یودھاجیت اور سومنترا اور تمام رشیوں وغیرہ کو بلا
لاؤ۔"

یہاں پر مفسر تیرتھ لکھتا ہے کہ یہ دوسرے شہزادے بادشاہ کے دوسرے بیٹے ہیں۔ اب یہ بیٹے سوائے ان کنیزوں کے اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم تینوں رانیوں کے چار بیٹوں سے واقف ہیں۔ اس سے ہی پتہ چلتا ہے کہ بیٹوں میں سے کسی کو بادشاہ کا جانشین سلطنت ہونے کا بھی حق نہ تھا۔ اسی وجہ سے تو دشرتھ حیران ہوتا ہے۔ منتیں مانگتا ہے، یگیہ کراتا ہے۔ کہ میری رانیوں میں سے کسی کے ہاں اولاد پیدا ہو۔

پردہ کا رواج نہ تھا۔ ہاں اس قدر پتہ چلتا ہے کہ زنانخانہ علیحدہ ہوتا تھا۔ اور وہ بھی منظر عام سے اوجھل اور غالباً ہر ایک کو وہاں جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔

زمانۂ سلف کے ہندوؤں کا طریقہ تھا۔ وہ زندگی کو چہار حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ پہلا حصہ برہمچریہ آشرم کہلاتا تھا۔ اس میں تحصیل علم کی جاتی تھی۔ یہ پچیس برس کی عمر تک ہوتا تھا اس کے بعد پچیس سال تک دنیاداری، اسے گرہست آشرم کہتے تھے۔ پھر پچیس برس تک بان پرستھ اس میں جنگلوں میں جا کر ایشور کا بھجن کیا جاتا تھا۔ لیکن اس دوران میں عزیز و اقارب سے قطع تعلق نہ کیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد آخری مرحلہ سنیاس کا ہوتا تھا۔ جب کہ انسان علائق دنیوی سے بالکل کنارہ کش ہو کر خدا کی یاد میں محو ہو جاتا تھا۔ اور اپنی اور باقی لوگوں کی روحانی ترقی کے لئے سعی کرتا تھا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے۔ عہد رامائن میں ان اصولوں کی سختی سے پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ خود رام کی عمر اس کی شادی کے وقت زیادہ سے زیادہ سترہ برس کی تھی۔

جب رشی بسوامتر، راجہ دشرتھ کے پاس آ کر درخواست کرتے ہیں کہ رام اور لکشمن کو میرے ساتھ روانہ کریں۔ تا کہ میرے یگیہ کی تکمیل میں وہ میرے معاون ہوں۔ اور ان راکششوں کو جو میرے راستہ میں حائل ہیں بزور شمشیر زیر کریں۔ تو دشرتھ جواب دیتا ہے کہ "میرا بیٹا نرگسی آنکھوں والا رام اس سال سولہ برس کا ہوگا۔" اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ متھلا جا کر راجہ جنک کی

لڑکی سیتا کے سوئمبر میں شامل ہوتے ہیں۔اور سوئمبر کی شرط پوری کر کے سیتا سے شادی کر لیتے ہیں۔
جب رام بنوں کو روانہ ہونے والے ہیں۔اس وقت مہارانی کوشلیا انہیں کہتی ہیں:۔

''میں نے تمہاری پیدائش کے بعد (آج تک) سترہ سال
تک انتظار کیا تھا۔کہ وہ دن آئے گا جب میری تمام مصیبتیں
تمہارے ذریعہ رفع ہونگی:۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بن جانے کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔اور یہ شادی کے بعد کی بات ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے وقت ان کی عمر سولہ سے زیادہ اور سترہ سے کم تھی۔
لیکن دو اور بیانات سے پایا جاتا ہے۔کہ ان کی عمر بارہ برس تھی۔ جب رام اور لکشمن کو بنوں میں رہتے تیرہ برس ہو جاتے ہیں۔تو وہ اپنے ڈیرے پنچ وٹی میں لگا لیتے ہیں۔جب راون سیتا کو اُڑانے کا ارادہ کرتا ہے۔تو وہ ماریچ کے پاس جاتا ہے۔اور اس سے مدد مانگتا ہے۔ماریچ انکار کرتا ہے کہ میں تو ایسے حریف کے مقابلہ میں نہیں جاؤں گا۔اس وقت وہ راون کو بشوامتر کے آنے دشرتھ کے انکار کرنے آخر رام اور لکشمن کے جانے تاڑکا اور سباہو کی موت اور خو ماریچ کے رام چندر کے ہاتھوں بچ نکلنے کی تمام داستان سناتا ہے اور کہتا ہے کہ دشرتھ نے اس وقت رام چندر کی عمر بارہ برس کی بتائی تھی۔
اس کے بعد جب راون سیتا کے پاس بھیس بدل کر جاتا ہے اور خیرات مانگتا ہے۔اور سیتا سے اس کی رام کہانی پوچھتا ہے تو وہ اس دوران میں بتاتی ہے:۔

''میری عمر صرف اٹھارہ سال کی ہے۔اور رام کی جو بہترین
انسان ہے پچیس برس کی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بنوں کو روانہ ہونے کے وقت صرف بارہ برس کے تھے۔اور سیتا کی عمر شادی کے وقت صرف چار یا پانچ برس کی تھی۔لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ان آخری دونوں بیانوں میں کچھ غلطی ہے۔سیتا کی عمر یقیناً شادی کے وقت پانچ برس سے زیادہ تھی کیونکہ جو سین سوئمبر پر پیش کیا گیا ہے۔وہ کسی طرح پانچ سالہ لڑکی کا نہیں ہو سکتا۔غالباً ان دونوں جگہوں پر مترجم سے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔
لیکن پھر بھی یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔کہ عہد رامائن میں لوگ شاستروں کے ان احکام کی

کہ شادی کے وقت لڑکے کی عمر پچیس اور لڑکی سولہ سال ہو۔ بہت کم خیال کرتے تھے۔ راجہ دشرتھ نے باوجود بہت زیادہ عمر ہو جانے کے بان پرستھ اختیار نہ کیا تھا۔ سری رام اور ان کے بھائیوں نے بھی اخیر عمر تک بان پرستھ دھارن نہیں کیا۔

خوراک میں لوگ مختلف قسم کے اناج کے علاوہ گوشت اور شراب کا استعمال عام کرتے تھے۔ ممکن ہے شراب بالکل اس طرح کی نہ ہو جیسی آج پی جاتی ہے۔ لیکن ایک مسکر و منشی چیز ایسی تھی۔ جو لوگ پیتے تھے۔ اسے خواہ سوم رس کہیں یا کچھ اور۔ اس کی موجودگی سے انکار نا ممکن ہے۔

جب اشومیدھ یگیہ کی تیاری کے لئے رشی وششٹ احکام جاری کرتے ہیں تو خاص طور پر کہتے ہیں کہ ''مہمانوں کے لئے خیمے لگ جائیں اور ان میں گوشت اور شراب کافی مقدار میں مہیا کیا جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ ''اپنے لوگوں کے لئے شراب اور گوشت کا کافی انتظام ہو۔''

جب رام لکشمن اور سیتا سمیت گنگا پار جا کر ڈیرہ لگاتے ہیں۔ تو پہلی رات انہوں نے دریا کا صاف اور تازہ پانی پیا۔ اور اپنے تیروں سے ایک ہرن کا شکار کیا۔ انہوں نے فوراً خشک لکڑیوں سے آگ جلائی۔ اور گوشت کو آگ میں رکھ دیا۔ پھر رگھو کے لڑکے (رام) نے سیتا کے ساتھ (وہ) شکار کا کھانا گوشت تقسیم کر لیا۔ جو انہوں نے اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔ اور پھر صلاح ہوئی کہ بڑا گھنا درخت ان کی رات کی جائے پناہ بنے۔''

عجیب بات ہے کہ اس سے سیتا کا بھی گوشت کھانا ثابت ہوتا ہے۔

جب بھرت سری رام کو واپس لانے کے لئے چتر کوٹ جاتا ہے۔ تو گوہ شادہ قوم کا راجہ اس کے لئے ''شہد گوشت اور مچھلی بطور تحفہ'' لاتا ہے۔ اور رات کو ان کے لئے خشک اور تازہ ہر دو قسم کا گوشت مہیا کیا جاتا ہے۔

بانر قوم میں بھی گوشت اور شراب کا استعمال عام تھا۔ راکشش لوگ تو اس معاملہ میں بہت

ہی بڑھے ہوئے تھے اور تقریباً تمام جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ جب ہنومان سیتا کی تلاش میں لنکا گیا۔ تو وہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا راون کے کھانے کے کمرہ میں جانکلا۔ وہاں جو کچھ اس نے دیکھا۔ اسے کتاب ہی کے لفظوں میں سنئے۔

"کسی جگہ سور کا گوشت تھا۔ تو کسی جگہ بھینس اور ہرن کے
کباب۔ کسی جگہ سونے کی طشتری میں مور اور مرغی کا گوشت
ویسے کا ویسا پڑا تھا۔ وہاں نمک اور دہی میں ملا ہوا کئی قسم کے
جانوروں اور پرندوں کا گوشت نرغالہ اور خار پشت اور خرگوش
اور ہوا اور سمندر کے عمدہ عمدہ کھانے (طیور و ماہی)......اور
وہاں سونے چاندی کے برتنوں میں شراب چمک رہی تھی۔"

شراب ان تمام مواقع پر استعمال ہوتی تھی۔ جب کوئی جشن یا اور کوئی خوشی کا مقام ہوتا تھا تو تقریباً ایسے تمام موقعوں پر گوشت بھی ساتھ ہوتا تھا۔

لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ گوشت کھایا تو جاتا ہے اور خود یگیوں میں جانوروں کی قربانی چڑھائی جاتی ہے لیکن اگر کسی یگیہ ستھان میں کوئی اور شخص گوشت اور خون گرادے تو وہ جگہ بھرشٹ اور وہ یگیہ بھنگ ہو جاتا ہے۔ جب رشی بشوامتر راجہ دشرتھ کے پاس مدد حاصل کرنے کی غرض سے جاتا ہے۔ تو وہاں کہتا ہے کہ راکشش لوگ گوشت اور خون گرا کر ہمارا یگیہ بھنگ کر دیتے ہیں۔ اور پھر جب سری رام چندر جی ان کے ساتھ جاتے ہیں تو چھٹے دن جب گوشت اور خون کی بارش شروع ہو گئی تو رشی لوگ سری رام چندر جی سے کہنے لگے کہ یہ نشانی ہے کہ راکشش لوگ آ گئے ہیں۔ ہم کو کوشش کرنی چاہئے کہ گوشت وغیرہ یگیہ کنڈ میں نہ گرے اور انہیں ہی روکنا چاہئے۔

اشومیدھ یگیہ کئے جاتے تھے۔ اور ان میں گھوڑے کی قربانی چڑھائی جاتی تھی ان کا مقصد دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنا اور کوئی خاص نعمت یا بردان لینا ہوتا تھا۔ ایک سو اشومیدھ یگیہ کرنے والے کو اِندر کی پدوی مل جاتی ہے، ان یگیوں میں سامگری بھی استعمال ہوتی تھی جس کا جزو اکبر گھی ہوا کرتا تھا۔ یگیہ کے لئے آگ لکڑی کے دو ٹکڑوں سے پیدا کی جاتی تھی۔ شادی اور یگیہ وغیرہ موقعوں پر آگ بمنزلہ ایک پاک گواہ کے ہوا کرتی تھی۔ جس کے سامنے ہوئی پرتگیائیں کبھی بھنگ نہ کی جاتی تھیں۔

جب رام لکشمن اور سیتا سمیت جمنا پار کرنے لگے تو سیتا اپنے پتی کی بخیر وخوبی مراجعت کے لئے کانڈی دیوی سے دعا مانگنے لگی۔

''اے دیوی! جس کا سیلاب میں اب عبور کر رہی ہوں۔
میرے پتی کو اپنی پرتگیا پالن کرنے کا حوصلہ دے۔ جب رام
اس شہر کو واپس آئیں گے۔ جہاں اکشواکو نبس کے راجہ راج
کرتے ہیں۔ تو تیرے لئے سو گائیں قربان کرونگی۔ اور
سو مٹکے اپنی شراب لنڈھائیں گے''

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ گئومید یگیہ ہوا کرتے تھے جن میں گائے کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ اور دوسرے کہ یگیوں وغیرہ کے موقع پر شراب بھی استعمال ہوتی تھی۔ یگیہ کے شروع میں ایک رسم دکشا ادا کی جاتی تھی جس کی میعاد پانچ دن ہوتی تھی۔ اور اس دوران میں یگیہ کرنے والے کو خاموش رہنا پڑتا تھا۔

لوگوں کا لباس سوتی اور ریشمی ہر دو قسم کا ہوتا تھا۔ البتہ وہ لوگ جو دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں یا پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں یادِ خدا میں محو ہو جاتے تھے، درختوں کی چھال کا لباس اختیار کرتے تھے۔ لیکن رشیوں، منیوں اور مذہبی طالب علموں کا مقررہ لباس سیاہ بارہ سنگھے کی کھال کا ہوا کرتا تھا۔

بال بڑھائے جاتے تھے۔ اور رشی لوگ تو ان انجیروں کا عرق لگا کر پیچھے کی طرف جُوڑا کرتے تھے۔ سواری کے لئے گھوڑے، ہاتھی، اونٹ، بیل اور خچریں استعمال کی جاتی تھیں۔ اور رتھوں کے آگے کم از کم دکن میں تو گدھے بھی جوتتے تھے۔

ہنومان جب سیتا کی تلاش میں لنکا گیا تو بڑی جدوجہد کے بعد اسے اشوک باٹکا میں پالیا۔ اور اس خیال سے کہ اس کی پہرہ دار عورتیں چلی جائیں۔ تو اس سے گفتگو کرے، خاموش ایک درخت پر چڑھ کر چھپ بیٹھا۔ لیکن پھر سوچنے لگا۔ کہ سیتا سے آخر گفتگو کس زبان میں کروں۔ آیا سنسکرت میں کہ اعلیٰ طبقہ کی زبان میں۔ یا پراکرت میں کہ عوام کی زبان میں۔ پھر اس خیال سے کہ کہیں سنسکرت بولنے سے وہ یہ نہ سمجھے کہ راون بھیس بدل کر آ گیا ہے۔ اس نے پراکرت میں بات چیت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس سے کم از کم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں اگر سنسکرت بولتی نہ تھیں۔ تو سمجھتی

ضرورتھیں۔اور تعلیم یافتہ اور برہمنوں کی تو وہ روزمرہ کی زبان تھی۔

تمام کتاب میں کسی جگہ کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو کہ کتابت کا بھی رواج تھا۔صرف ایک جگہ اتنا ذکر ہے کہ جانبین جنگ میں جو تیر پھینکتے تھے۔ان تیروں پر پھینکنے والے کا نام لکھا ہوتا تھا۔تاکہ اگلے آدمی کو معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں آدمی کا تیر ہے۔

اگر رامائن میں کسی مقدس کتاب کا ذکر آیا ہے۔تو وہ وید اور اس کے ساتھ کی دوسری کتابیں ہیں جن سے اپ وید یا ان کی تفسیریں یا شاستر مراد ہیں۔ ہر ایک برہمن کا فرض تھا۔کہ اسے ویدوں پر پوری طرح عبور ہو۔ویدوں کی تعداد چار ہے۔رگ،یجر،سام اور اتھرو، ویدوں کی چھ شاخیں تھیں جنہیں انگ کہتے ہیں (۱) سکشا (تلفظ) (۲) چھند (عروض) (۳) ویا کرن (گرائمر) (۴) نروکتا (لغت) (۵) جوتش (نجوم) اور (۶) کلپ۔

یوں تو قدرت کی ہر ایک چیز دیوتا تھی۔جیسے وایو دیوتا (ہوا) اندر دیوتا (بارش) سوریہ دیوتا (سورج) چندرماں دیوتا (چاند) ساگر (سمندر) لیکن اصل مقدار صرف تینتیس تھی (آٹھ واسو۔ گیارہ رُدر۔بارہ آدتیہ۔ برہما۔اور وشٹکارا) اور یہی نمبر ہے جو رگ وید میں دیا گیا ہے۔عام عقیدہ یہ تھا کہ دیوتا چلتے وقت پاؤں زمین پر نہیں رکھتے۔اور نہ ہی ان کے آنسو ہوتے ہیں۔لوگ تناسخ کو مانتے تھے۔اور انہیں یقین تھا کہ اس جنم کے اعمال کی جزا و سزا اگلے جنم میں ملے گی۔جیسے اس جنم کے دکھ سکھ کسی گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔خیال یہ تھا کہ ہمارے اعمال حسنہ ہمیں کچھ مدت کے لئے جنت دلا سکتے ہیں اور جب ان اعمال حسنہ کا اثر زائل ہو جائے گا۔ہمیں پھر اس دنیا کی طرف واپس آنا پڑیگا۔

ان لوگوں کے ذہن میں جنت کی ہو بہو وہی شکل تھی جو قرآن شریف میں دی گئی ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

وہی حور وغلمان وغیرہ اس پراوبکند ھرپ کا جامہ پہنے ہیں۔دودھ اور شہد کی نہریں چل رہی ہیں۔اور راوی چین لکھتا ہے۔نرک بھی ایسی ہی تکلیف دہ چیز ہے۔جیسے جہنم۔

''وہ جو اپنے راجہ کو قتل کر دیتا ہے۔وہ برا آدمی جو بلا وجہ کی
قتل وخونریزی سے دریغ نہیں کرتا جو برہمن یا گائے کو مارتا

ہے۔ جو اپنے بڑے بھائی سے پہلے شادی کر کے قانون کی
مخالفت کرتا ہے۔ جو اپنے گرو کے بستر پر چڑھ جاتا ہے اور
کنجوس۔ جاسوس اور بے وفا دوست۔ یہ تمام لوگ نرک کو
جائیں گے۔

جب بھرت اپنی ننہال سے واپس آیا۔ اور اسے معلوم ہوا۔ کہ رام بنوں کو چلے گئے ہیں۔ تو کہتا ہے:۔

"کیا رام نے ظلم سے کسی برہمن کی زمین یا گھر یا جائیداد
چھین لی تھی؟ کیا رام نے کسی بری نیت سے کسی امیر یا غریب
بے گناہ کو ستایا تھا؟ کیا رام نے اپنی پرتگیا کے خلاف کسی
دوسرے کی بیوی کی طرف نظر بد سے دیکھا؟ آخر اسے جنگل میں
کیوں بھیجا گیا؟ کیا انہوں نے کسی حاملہ کا حمل ضائع کر دیا؟"

ان دو مثالوں سے واضح ہو جائے گا کہ وہ لوگ کس فعل کو گناہ خیال کرتے تھے۔ اور کیا ان کے نزدیک مستوجب سزا تھی۔

اولاد نرینہ کا ہونا بہت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ جس کے ہاں کوئی بیٹا نہ ہوتا تھا۔ وہ اسے اپنی انتہائی بدبختی اور دیوتاؤں کا عتاب خیال کرتا ہے۔ عقیدہ یہ تھا کہ بیٹا باپ کے حصول جنت میں مدد دے سکتا ہے۔ ورنہ اپنے اعمال کے ذریعہ زیادہ نہ سہی، اس جگہ کے قائم رکھنے میں تو جو وہ پیشتر سے حاصل کر چکا ہے، ضرور معاون ہو سکتا ہے۔ باپ کی موت کے بعد بعض ایسی رسوم تھیں جو بیٹا ادا کرتا تھا اور جب تک ایسا نہ کیا جاتا تھا، اس کی روح بھٹکتی رہتی تھی۔

تیرتھوں پر جانے اور وہاں چڑھاوا چڑھانے کا بہت ثواب مانا جاتا ہے۔ علاوہ چھوٹے تیرتھوں کے گیا، بنارس، ہردوار، پریاگ (الہ آباد) اور گوداوری جانے کا خاص طور پر ثواب ملنے کا پتہ چلتا ہے۔ دریائے گنگا میں نہانے کا تو بہت بڑا مہاتم لکھا ہے۔ وہ اس دنیا کی تو چیز ہی نہیں۔ وہ جنت سے اُتری تھی۔ اور مدعا یہ تھا کہ اس خاک کے رہنے والوں کو موقع حصول ثواب دیا جائے۔ مُردوں کی ہڈیاں اور خاک اس میں ڈالی جاتی تھیں۔ یہ رسم آج تک جاری ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس سے مردے کی روح کو جزائے خیر ملتی ہے۔

(ماہنامہ نیرنگِ خیال، لاہور، رامائن نمبر، اکتوبر۔نومبر ۱۹۲۸ء)

بسملؔ الہ آبادی

دیش بھارت میں پھر آجائے زمانہ رام کا

وہ گھڑی وہ دن وہ ساعت وہ زمانہ رام کا
چار لفظوں میں کہیں کیونکر فسانہ رام کا

ساتھ میں سیتا جی رانی اور بھائی لچھمن
سوئے صحرا کھینچ لایا آب ودانہ رام کا

ہے عبادت اک طرح کی یہ بھی اے اربابِ ذوق
اور سننا چاہیئے ہم کو فسانہ رام کا

ان کی قسمت تھی بڑی وہ تھے مقدر کے دھنی
جن کی چشمِ شوق نے دیکھا زمانہ رام کا

خوش بھبیکھن سے ہوئے ایسے دیا لنکا انہیں
دوستی وہ رام کی وہ دوستانہ رام کا

ہوں جو بزدل خلق میں لازم ہے لیں اس سے سبق
درسِ غیرت ہے زمانے کو فسانہ رام کا

بیٹھتے اٹھتے دعا مانگو تم اے بسملؔ یہی
دیش بھارت میں پھر آجائے زمانہ رام کا

☆☆☆

میلا رام وفا

رام کی عظمت

زیبا ہے جتنا فخر کرے سرزمینِ ہند — حصہ فقط اسی کا ولادت ہے رام کی
ایسا کوئی حریفِ سعادت نہ ہو سکا — تاریخ میں نظیر سعادت ہے رام کی
جی چاہتا ہے ان کے قدم چوم لیجئے — جن کے دلوں پہ نقش ارادت ہے رام
تھا پیکر صفاتِ خداالکلام وہ — لازم ہر اِک بشر کو عبادت ہے رام کی

(ماہنامہ نیرنگِ خیال، لاہور، رامائن نمبر، اکتوبر۔نومبر ۱۹۲۸ء)

نفیس خلیلی

سوئمبر

بے شبہ شاہی بوستاں خوبی میں تھا باغ جناں
غنچہ چٹکتا تھا کہیں اور پھول ہنستا تھا کہیں
موجِ صبا رشکِ پری روحِ رواں گلزار کی
کوئی کہے اک حور ہے اور کہا نشے میں چور ہے
بادِ سحر ہے یا کہ مئے سارا چمن مدہوش ہے
تھی وجد میں ہر شاخ گل
ہر پھول مستِ جامِ مُل

نازک ادا خندہ جبیں سیتا گلوں کی ہم نشیں
ہجولیاں حلقے کیے آغوشِ راحت میں لئے
اک چاند سو ہالے میں ہو ایسے ہی سیتا کو کہو
گل پیرہن غنچہ دہن گویا چمن اندر چمن
گلزار کو رشک آگیا گل دیکھ کر شرما گیا
نرگس بھی کہتی تھی کہیں
ایسی حسیں دیکھی نہیں

دو شرگیں بانکے جواں با ترکش و تیر و کماں
رشکِ قمر، نورِ نظر بے ساختہ نکلے ادھر
گلشن میں شورِ ''الحذر'' اُٹھا کہ جاتے ہو کدھر
سیتا پئے سیر چمن ہے باغ میں جلوہ فگن
نرگس نے کچھ گھورا نہیں سوسن نے کچھ ٹوکا نہیں
لیکن وہ سنتے تھے کہاں
آگے بڑھے تو ناگہاں
دیکھا کہ اک رشک پری صحن چمن میں ہے کھڑی
ہیں ساتھ کچھ ہم جولیاں ہم سال و ہم رنگ و جواں
آتش بھبھوکا رنگ ہے مہتاب جس سے دنگ ہے
ہاں! حسن تو وہ چاند ہے خورشید جس سے ماند ہے
یہ کیفیت ہے چشم کی ہے کوٹ کر مستی بھری
شرم وحیا کی جان ہے
مہرو وفا کی کان ہے
یہ حسن یہ ناز و ادا بولے کہ اُف پرتما
کیا نور کی تصویر ہے تیری عجب تحریر ہے
دل نیم بسمل ہوگیا سو جاں سے مائل ہو گیا
سیتا نظر نیچے کئے راما جگر تھامے ہوئے
یہ اس طرف خاموش ہیں وہ اس طرف مدہوش ہیں
پتھر کی مورت جان لو
چینی کا پتلا جان لو
اے دل!بتا کیا بات ہے سب سورہے ہیں رات ہے
کیوں آج نیند آتی نہیں کیوں بے کلی جاتی نہیں
شب کیا یونہی ہوگی بسر ہونے کو آئی ہے سحر
کچھ بھید ہے ورنہ کبھی تیری نہ یوں حالت ہوئی
دیکھے ہزاروں دل رُبا دل پر اثر اصلا نہ تھا
مطلق قرار آتا نہیں

ان کا دھیان جاتا نہیں

یہ کب بھلا معلوم تھا وہ مہ لقا وہ دل ربا
وہ رشکِ گلزارِ جناں وہ غیرتِ صد بوستاں
خجلت وہ سروِ رواں آرام جانِ ناتواں
رونق دلِ مہجور کی پتلی سراپا نور کی
خورشید رخ ، مہتاب رو سیتا جنک کی آرزو

راما سے بیاہی جائیگی
یوں آرزو بر آئے گی

نیّر لقب، عالی نسب شاہنشہِ خورشید جب
اورنگِ گردوں پر ہوا با کرّوفر جلوہ نما
تارے ہوئے یکبار گم گویا بھرا بازار گم
شب کا عمل جاتا رہا مہتاب کا سکّہ مٹا
ہر ذرّہ نورانی ہوا مہ نور سے پانی ہوا

کرنوں نے ٹھوڑی چوم لی
ہر مستِ خواب ناز کی

ہر مملکت کا حکمراں دل کا دھنی شیرِ ژیاں
دربار میں جلوہ کناں صد گل درونِ بوستاں
بالائے سطح آسماں انجم ہوں جیسے ضو فشاں
دِکھلا کے شِوجی کی کماں بولے جنک اے راجگاں
جو تیر اس پر جوڑ دے یا اس کماں کو موڑدے

نورِ نظر آرام جاں
سیتا ہے اس کی کام جاں

ہر دل کو اک جنبش ہوئی جوشاں مئے بے غش ہوئی
بولے سبھی کرسی نشیں یہ بات تو مشکل نہیں
راون بھی تھا واں جلوہ گر دربار میں با کرّ و فر
طاقت پہ سَو سَو ناز تھے کیا ناز کیا انداز تھے
کی خرچ سب تاب و تواں لیکن ہوئیں ناکامیاں

رُخ زرد پیلے پڑ گئے
نادم زمیں میں گڑ گئے
جب سب کی باری ہو چکی اک خاموشی سی چھا گئی
دربار میں سکتہ ہوا اُٹھے جنک اور یوں کہا
تم میں کوئی رانا نہیں تم میں کوئی راجا نہیں
تم سرزمیں کے شاہ ہو تم شیر یا روباہ ہو
تم مرد یا نامرد ہو تم کارواں یا گرد ہو
سب راج گل کے ننگ ہو
ان آئینوں کے زنگ ہو
سُن کر جنک کی گفتگو بھر آیا آنکھوں میں لہو
رگھبیر نے روکا انہیں وشوا نے گو ٹوکا انہیں
لچھمن کو پر جوش آگیا ضرغام غصہ کھا گیا
بولے کماں کیا چیز ہے یاں کوہ بھی کشنیز ہے
قوسِ قزح کو توڑ دیں تیر قضا کو موڑ دیں
ہم میں وہ پیچ وتاب ہیں
شیروں کے زہرے آب ہیں

لاکھوں میں گویا فرد ہیں میدان کے ہم مرد ہیں
ضرغام ہیں ہم زور میں رعد خروشاں شور میں
گرمی میں ہیں برقِ تپاں نرمی میں ہیں آبِ رواں
سختی میں ہم فولاد ہیں دسرتھ کی ہم اولاد ہیں
آجائیں غصے میں اگر کردیں جہاں زیر و زبر
اژدر کی پسلی توڑدیں
شیروں کا بھیجا پھوڑدیں
ہمدوش الیاس و خضر سر حلقۂ اہلِ نظر
گم گشتگاں کے رہنما بے چارگاں کے آسرا
لچھمن کے تیور دیکھ کر بولے رشی وشوامتر

لچھمن! نہ یونہی گرم ہو آمادہ آ رزم ہو
رگھبیر موڑیں گے کماں تم دیکھنا یہ آسماں
پھٹ کر نہ گر جائے کہیں
یا شق نہ ہو جائے کہیں
راما سے پھر بولے کہ ہاں اے نور دل آرام جاں
وقت آگیا اب جایئے بازو کا بل دکھلایئے
جاکر کماں کو موڑیئے یوں موڑیئے بس توڑیئے
تیور ذرا دکھلایئے شیروں کی صورت جایئے
کچھ کان میں سمجھا دیا کیا جانے کیا سکھلا دیا
انگڑائیاں لیتے ہوئے
اُٹھے عجب انداز سے
اک غل ہوا شیر آگیا اک خوف سب پر چھا گیا
گھورا اسے دیکھا اسے تھرا گیا، تاکا جسے
شیروں میں یہ طاقت کہاں اس زور سے موڑی کماں
دس بیس ٹکڑے ہوگئے کچھ اُڑگئے، کچھ کھو گئے
دل میں سیا اِترا گئی اِترا گئی شرما گئی
بے حد خوشی دل کو ہوئی
سب بول اٹھے "جے رام کی"
اتنے میں پرسو رام جی آئے بشان و برتری
تھی سامنے ٹوٹی کماں آئی نظر جو ناگہاں
بس لال پیلے ہوگئے یوں غیظ سے چلا اٹھے
یہ کس طرح ٹوٹی کماں ہے توڑنے والا کہاں
راجے تو بس خاموش تھے اُوسان تک بے ہوش تھے
کی عرض آخر رام نے
کیا حکم ہے فرمایئے
یوں توڑنے والا کوئی ہے آپ کا اک داس ہی
معلوم جب ان کو ہوا ہے سب یہ کارن رام کا

عزت کی کچھ پروا نہ کی جو تھی نہ کہنی وہ کہی
لچھمن کو بھی جوش آگیا تھا پاس خاطر رام کا
بولے نہ بڑھتے جایئے اب ہوش میں بھی آیئے
دیتے ہو یہ دھمکی کسے!
ہاں! میں نے توڑا ہے اسے

غصے میں گر، وہ گرم تھا لچھمن بھلا کب نرم تھا
وہ بحر اور طوفان یہ وہ آگ، آتشدان یہ
سو دقتوں سے رام نے المختصر ٹھنڈے کیے
بولے! یہ بل مجھ میں کہاں کب توڑ سکتا ہوں کماں
تھی گھر میں ناکارہ پڑی فرسودہ تھی بوسیدہ تھی
چھونے کی گویا دیر تھی
خود آپ ٹکڑے ہوگئی

راما کی سن کر گفتگو بولا، وہ ہو کر ترش رو
یہ کیا؟ اگر میری کماں تو موڑ دے اے نوجواں
بس مان جاؤں گا تجھے لے اس کماں کو موڑ دے
غیظ وغضب میں آن کے کھینچی کچھ ایسی تان کے
خدشہ تھا اب ٹوٹی کماں روکا کہ بس بس نوجواں
دل سے لبوں پر آگئی
بے ساختہ ''جے رام'' کی

راجہ جنک نے دیکھ کر رگھ بنسیوں کا کرّ و فر
تھی چار گھر میں لڑکیاں چاروں کی کردی شادیاں
رگھبیر سے پیاری سیا لچھمن سے رانی اُرملا
اور بھرت جی سے مانڈوی کھن سے بیاہی لیرلی
راجاؤں نے دل کھول کر بخشا زر و مال و گہر
زردار سب بے زر بنے
قلاش مستغنی ہوئے

(ماہنامہ نیرنگِ خیال، لاہور، رامائن نمبر، اکتوبر۔نومبر ۱۹۲۸ء)

اُردو میں دستیاب رامائنوں کے نسخے

آریہ سنگیت رامائن (ڈرامہ چار حصے)	جسونت سنگھ ٹوہانوی	۱۹۱۹ء	دلی پرنٹنگ ورکس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24098
آریہ سنگیت رامائن	جسونت سنگھ ورماٹوہانوی	۔	گپتا پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC36920
آریہ سنگیت رامائن	جسونت سنگھ ورماٹوہانوی	۔	گپتا پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23764
آریہ سنگیت رامائن	جسونت سنگھ ورماٹوہانوی	۔	گپتا پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC36920
آریہ سنگیت رامائن	جسونت سنگھ ورماٹوہانوی	۔	گپتا پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23764
اختصار حقیقت معروف بہ رام لیلا	لالہ ٹھاکرداس	۱۹۱۰ء	ہند پریس بدایوں رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC31710
ادبھت رامائن (منظوم بارہ ابواب)	۔	۱۸۷۰ء	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC 62161
ادھ بدھ رام چرتر (منظوم)	نین سکھ داس	۔	نرنجن داس سونی پت رخدا بخش لائبریری پٹنہ
ادھیاتم رامائن (سات ابواب۔منظوم)	گوروزائن	۱۹۵۸ء	ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 250U/55
اجودھیا مہاتم (نثر، ۱۲۷ ابواب)	بابولال نبودی	۱۸۷۷ء	تمنائی پریس لکھنؤ ACC8398 خدا بخش لائبریری پٹنہ
اشوک واٹکا (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23881
انگدراون سمباد (منظوم۔ ۷ ویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23881
اہراون بدھ (منظوم۔ ۵ ویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23881
بارہ کھری بخلاصہ رامائن	منشی چھدی لال	۱۸۹۷ء	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش پٹنہ ACC6919
بالمیکی رامائن	مہرشی بالمیکی	۱۹۸۷ء	دیہاتی پستک بھنڈار دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC22157
بالمیکی رامائن سنکھشپت (حصہ اول)	برمانندنندہ	۱۹۷۵ء	اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ 23853ACC
بالمیکی رامائن سنکھشپت (حصہ دوم)	برمانندنندہ	۱۹۷۶ء	اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23854
بالمیکی رامائن سنکھشپت (حصہ سوم)	برمانندنندہ	۱۹۷۶ء	اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23855
بالمیکی رامائن (نثری)	شیوبرت لال ورمن	۔	آزاد بک ڈپو، امرتسر رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC47143
بالمیکی رامائن (باتصویر۔نثری)	شیوبرت لال ورمن	۔	آزاد بک ڈپو امرتس رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC46446
بجرنگ ساٹھکا (منظوم)	منشی رام سہائے تمنا	۱۸۸۴ء	منشی نول کشور پریس رخدا بخش لائبریری HL6873
بچوں کے لئے رامائن (باردوم)	پنڈت سدرشن	۱۹۲۲ء	پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL1843
بشنو تی سیا کی وجے (منظوم۔ چھٹی بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۰ء	رادھے شیام پریس بریلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23881
بن یاترا (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23881

بنوباس لیلا (نظم سوانح رام۔ پانچواں ایڈیشن)	منشی نرائن داس	۱۹۳۲ء	شانتی پریس بدایوں رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC525584
بواہ (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۴ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
بھیشن کی شرناگتی (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
بھرت گیتا (آٹھ ابواب)	کوروی سنگھ	۔	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC38597
بھگوان رام (منظوم)	ہیرالال موریا	۱۹۸۳ء	انجمن ترقی اُردو دہلی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 250-U/57
پرشرام سمباد (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
پشپ واٹکا (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
پنچ وٹی (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
تاریخ اجودھیا	کنور درگا پرشاد	۱۹۰۲ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ
تپسوی بھرت	چونی لال کھنہ	۔	مفید عام پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24249
ترانہ رامائن	رام سہائے تمنا	۱۹۲۵ء	تمنا پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ AC C55677
تلسی داس اور رام چرت مانس	صفدر آہ	۱۹۷۷ء	ہندوستانی پرچار سبھا ممبئی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 250U/50
تلسی داس کرت رامائن ارنیہ سنیک (اردو ترجمہ)	پنڈت پچھمی دت	۱۸۸۷ء	رام پریس میرٹھ ربھارتی بھون لائبریری الہ آباد 9/101
تلسی داس (نثر۔ تلسی داس کی جیونی اور رام)	جے کرشن چودھری	۱۹۵۷	رام دیال اگروال کٹرہ۔ الہ آباد رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 865-u/3
تلسی رامائن (منظوم ر آٹھ ابواب)	تنکی چند	۱۸۷۸ء	الہ آباد یونیورسٹی لائبریری۔ 250.U/31
تلسی رامائن	رام شرن داس	۔	بھائی چترنگی سنگی جیون امرتسر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23892
تلسی رامائن (نثر)	جوالا پرساد	۔	ہند پستک بھنڈار دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24376
تلسی رامائن سچتر (شری رام چرت مانس)	جوالا پرساد ورما	۱۹۸۴ء	دیہاتی پستک بھنڈار دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62154
تلسی کرت رامائن (بمعہ تشریح۔ چوتھا ایڈیشن)	منشی سوامی دیال	۱۹۳۱ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23893
جانکی بجی (باتصویر نظم، رام کہانی)	شنکر دیال فرحت	۱۹۰۳ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC6923
چترکوٹ بھرت ملاپ (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۵ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
دشرتھ پرتگیا پالن (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
دھنر دھاری رام (نثر، تین ابواب)	۔	۱۹۴۵	پرمود بھون، کرشن نگر لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24095
دھنش یگیہ (منظوم۔ باردوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
راج تلک (منظوم۔ چھٹی بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۵۲ء	رادھے شیام پریس بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
رامائن (بمعہ سنسکرت شلوک۔ نثر)	سری سکھ دیولال	۱۸۸۷ء	بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر 9/88
رامائن (منظوم/ باتصویر)	منشی شنکر دیال فرحت	۱۸۶۴ء	منشی نول کشور لکھنؤ۔ بھارتی بھون لائبریری الہ آباد U-2/305
رامائن (منظوم ر باتصویر)	منشی شنکر دیال فرحت	۱۸۶۶ء	منشی نول کشور لکھنؤ ربھارتی بھون الہ آباد U-2/22

رامائن (منظوم رباتصویر)	شیوبرت لال ورمن	۱۹۱۹ء	جے ایس سنت سنگھ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23857
رامائن (منظوم بمعہ سنسکرت شلوک وتشریح)	منشی سوامی دیال	۱۹۳۰ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC 1039
رامائن منظوم	حکیم ونسرائے وہمی	۱۹۶۰ء	رفیق مشین پریس، حیدرآباد (آندھراپردیش)
رامائن (مثنوی)	محمد امتیاز لدین	۱۹۸۴ء	کریمی پریس الہ آباد رخدابخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC33641
رامائن (منظوم)	مہدی نظمی	۱۹۷۴ء	ہندوستان پبلیکیشنز غازی آباد رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC18725
رامائن (نثر)	نگینہ مل	۱۹۱۰ء	آریہ پریس جالندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62150
رامائن (نثر، باتصویر۔۵۵۔ابواب)	شیوبرت لال	۱۹۳۲ء	لاجپت رائے پرتھوی راج ساہنی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC31087
رامائن (۱۹ابواب۔سوانح)	نانک چند نانک	۱۹۳۰ء	سرفراز قومی پریس لکھنؤ رہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نمبر ۲۰۷
رامائن اُردو منظوم	رگھونندن سنگھ ساحر دہلوی	۱۹۷۹ء	آریہ ست سنگ سبھا کشمیری گیٹ دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62151
رامائن آنند پرکاش اُردو (ارنیکانڈ سٹیک)	پنڈت پچھمی دت	۔	گیان پرکاش پریس میرٹھ ررام پور رضا لائبریری نمبر ۶۲
رامائن آنند پرکاش اُردو (کشکندھا کانڈ سٹیک)	پنڈت پچھمی دت	۱۸۹۰ء	گیان پرکاش پریس میرٹھ ررام پور رضا لائبریری نمبر ۲۶
رامائن آنند پرکاش اُردو (اجودھیا کانڈ سٹیک)	پنڈت پچھمی دت	۱۸۹۰ء	گیان پرکاش پریس میرٹھ ررام پور رضا لائبریری نمبر ۲۶
رامائن آنند پرکاش اُردو (سندرکانڈ سٹیک)	پنڈت پچھمی دت	۱۹۰۲ء	گیان پرکاش پریس میرٹھ ررام پور رضا لائبریری نمبر ۲۶
رامائن آنند پرکاش اُردو (لنکا کانڈ سٹیک)	پنڈت پچھمی دت	۔	رام پریس میرٹھ رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر U-41250
رامائن اطہر (لنکا کانڈ)	منشی جگن ناتھ اطہر	۔	بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۳۱
رامائن امرت (نثر)	ستیہ پال بھاردواج	۱۹۷۲ء	بھاردواج دھرم ارتھ ٹرسٹ، جالندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24114
رامائن بالمیکی بھاشا	پرمیشر دیال	۱۸۶۷ء	خدابخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC24107
			نولکشور لکھنؤ رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۳۰۳۔مذہبر
رامائن بالمیکی (نثر۔سات ابواب)	منشی پربھودیال	۱۹۵۶ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC 1041
رامائن (بچوں کے لئے)	مدھورام لنگم	۱۹۸۵	پبلیکیشنز ڈویژن، نئی دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC45315
رامائن بطرز ناول	اچھر چند	۱۹۰۱	لالہ دتمل تاجر کتب لاہور رخدابخش لائبریری ACC4952
رامائن بہار	بانکے بہاری لال بہار	۱۸۸۶ء	خدابخش لائبریری پٹنہ نمبر HL-2841
رامائن تلسی داس کرت سٹیک	سکھ دیولال	۱۸۸۷ء	خدابخش لائبریری پٹنہ۔نمبر HL2839
رامائن خوشتر	خوشتر	۱۹۲۴ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر 2/20
رامائن سوکرت	منشی نتھولال	۱۹۳۹ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC2843
رامائن (سات ابواب)	شیوناتھ رائے تسکین	۔	پستک بھنڈار دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24105

رامائن (سات ابواب)	ماسٹر نیادر بچن دہلوی	۔	دیہاتی پستک بھنڈار، دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC 62158
رامائن فراقی (منظوم)	سدھ ناتھ بلی فراقی	۔	نامی پریس لکھنؤ رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر۹۹۲۔مذہب۔
رامائن فراقی (جلد اول)	رائے سدھ ناتھ بلی فراقی	۱۹۸۳ء	میسرس پریس نخاس لکھنؤ ربھارتی بھون لائبریری الہ آباد ۳۲۸ر۱
رامائن فراقی (جلد دوم)	رائے سدھ ناتھ بلی فراقی	۱۹۸۴ء	اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ
رامائن کے بعض سین	مولوی عبدالستار	۱۹۱۵ء	دلگداز پریس لکھنؤ رہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نمبر ۸۵۲
رامائن (منظوم)	پنڈت رادھے شیام	۔	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24294
رامائن (نثر)	پرکاش نگائچ	۔	ڈائمنڈ پاکٹ بکس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC91619
رامائن (نثر۔سات باب)	دوارکا پرساد اُفق	۔	آزاد بکڈپو، امرتسر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62148
رام اشومیدھ (منظوم۔۱۰ویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
رام بن باس (نثر ۳۱ ابواب)	پربھودیال گپتا	۔	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC34073
رام جنم (منظوم۔۱۰ویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
رام چرت مانس	نورالحسن نقوی	۔	مجلس اشاعت ادب دہلی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر U/43 -250
رام چرت مانس (سندر کانڈ)	وشنو پرکاش رند رحمانی	۱۹۷۸ء	برقی پریس پریس کانپور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC12922
رام چرچا (سات ابواب)	پریم چند	۱۹۲۹ء	گیلانی پریس، لاہور ررضا لائبریری رام پور رہندو مت اُردو نمبر ۱۱۱
رام سگریو کی مترتا (منظوم۔)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
رام لگن معروف بہ مجموعۂ سخن (منظوم)	منشی بنسی لال	۱۹۰۹ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC90700
رام لیلا (ڈرامہ)	حکیم تپیشوری پرساد	۱۹۱۱ء	لا پریس کانپور ررام لیلا بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر 1167
رام لیلا (منظوم)	منشی رام سہائے تمنا	۱۸۸۳ء	تمنائی پریس لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL2844
راون بدھ (منظوم۔۱۰ویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC2388
روحانی رامائن	شیو برت لال ورمن	۱۹۳۷	ست سنگ پبلشنگ ہاؤس، گورکھپور ررضا لائبریری رام پور ۱۳۱
سانگ رامائن (بال کانڈ منظوم)	لالہ نندلال	۔	مخزن قانون پریس مظفر نگر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24136
سانگ رامائن (لنکا منظوم)	لالہ نندلال	۔	مخزن قانون پریس مظفر نگر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62124 ستی
سلوچنا (منظوم چوتھی بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۴ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
سری رام کتھا	پنڈت رادھے شیام	۱۹۲۸ء	سری رادھے شیام پریس بریلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24006
سری رام ناٹک (ڈرامہ)	دوارکا پرساد اُفق	۔	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC89942

سری رام ناٹک (ڈرامہ، دو ابواب)	دوارکا پرساد اُفق	۱۹۳۶ء	کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ 31087
سناتن سنگیت ہیرا رامائن (حصہ اول)	کلی رام گپتا	-	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24042
سندر رامائن (منظوم، باتصویر)	-	-	بھائی چتر سنگھ جیون امرتسر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24056
سوانح عمری مہاراجہ رام چندر جی	حکیم رام کشن	-	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC62750
سونی ایودھیا (منظوم۔ بار دوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
سہائی رامائن (ڈرامہ حصہ اول)	رام سہائی کپور	۱۹۱۴ء	مفید عام پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24085
سہائی رامائن (ڈرامہ حصہ دوم)	رام سہائی کپور	۱۹۱۶ء	مفید عام پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24082
سیتا بن باس (منظوم پانچویں بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۵۶ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
سیتا جی کی کھوج (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
سیتا چرتر (نثر/دوسرا حصہ)	منشی دیا رام	-	رام پریس میرٹھ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC10312
سیتا رام (رام کتھا منظوم)	طالب الہ آبادی	-	گیلانی الیکٹرک پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC15544
سیتا سوئمبر (منظوم)	بابو گرو نرائن	۱۹۳۴ء	منشی نول کشور پریس لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC2850
سیتا ہرن (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۱۹ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
شری رام بالمیکی رامائن (نثری۔ باتصویر)	-	-	جواہر سنگھ اینڈ کو، امرتسر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23837
شری رام چندر جی (نثر)	میلا رام وفا	-	شمشیر سنگھ اینڈ کمپنی لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC15519
شری رام نام مہاتم (ہندی/اُردو)	منشی رگھبر دیال	۱۸۹۷	منشی نول کشور پریس لکھنؤ/الہ آباد یونیورسٹی 250U/10
شکشاولی رامائن (منظوم)	منشی رام سہائے تمنا	۱۹۰۷ء	ہند پریس لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC62102
کوشلیا ماتا سے وداعی (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
لنکا دہن (منظوم)	پنڈت رادھے شام	۱۹۲۰ء	ابوالعلائی پریس اسٹیم آگرہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
میگھناد کا شکتی پریوگ (منظوم۔ چوتھی بار)	پنڈت رادھے شام	۱۹۶۱ء	رادھے شیام پستکالیہ بریلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23881
نغمۂ رامائن (منظوم)	منشی رام سہائے تمنا	۱۹۱۵ء	مطبع تمنائی لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC62163
نوین سنگیت رامائن (ڈرامہ، دس جلدیں)	بیدی لال چندو لال	۱۹۶۰ء	پنجابی پستک بھنڈار دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24287
ہنومان چرتر (حصہ اول، سوانحی ناول)	-	۱۹۰۳ء	مطبع برن پرکاش بلند شہر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24349
ہنومان چرتر (حصہ دوم، سوانحی ناول)	بہاری لال	۱۹۰۳ء	مطبع برن پرکاش بلند شہر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24350
ہنومان چرتر (حصہ سوم، سوانحی ناول)	بہاری لال	۱۹۰۳ء	مطبع ہری پرساد بلند شہر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24351
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز	اے جے مالوی	۲۰۱۱ء	محقق/سروج شنکر پبلیکیشنز ۱۲۷۸ امالوی نگر الہ آباد۔۳

☆☆☆

حسن الدین احمد

بھگوت گیتا

بھگوت گیتا اہل ہند کے نام، شری کرشن جی کا پیام ہے جس کو ویدویاس نے لکھا ہے جو اپنی قابلیت کی بنا پر مہارشی کہلاتے ہیں۔ گیتا اٹھارہ باب اور (۷۰۱) شلوکوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک فلسفیانہ اور مذہبی گیت ہے اور اس سے ہندوستان کے مخصوص تخیل پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ کرت ادب میں گیتا کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ہندوستان میں یہ سب زیادہ مشہور مذہبی نظم ہے۔ ہندوؤں کے تقریباً تمام فرقوں میں اس کو مقدس مانا جاتا ہے۔ لوگوں کے بے پناہ جذبۂ عقیدت میں ہزاروں سال کے بعد بھی کوئی کمی اس کتاب کے متعلق نہیں ہوئی۔ اس کے اعلیٰ فلسفیانہ خیالات کے پیش نظر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں اس کے مماثل بہت کم نظمیں موجود ہیں۔ اس کی حیثیت الہامی نہیں ہے بلکہ روایاتی ہے۔ لیکن اگر ہندوستانی تخیل پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑا ہے تو وہ بھگوت گیتا ہی ہے۔

بھگوت گیتا کا پیام بہت سادہ ہے اور اس کی تعلیمات ایسی ہیں جن پر امیر و غریب سب عمل کر سکتے ہیں۔ اس کی ہندومت کی فلسفیانہ بنیاد ہیں۔ اس میں مصنف عمیق و وسیع نظر کا حامل ہے۔ اس کا نقطۂ نظر تنقیدی نہیں ہے، وہ کسی خاص جماعت کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ کوئی نیا دبستاں قائم کرتا ہے۔ وہ ہر قسم کی عبادت کو تسلیم کرتا ہے اور کسی طریقہ کی بھی مخالفت نہیں کرتا۔

اس امر کا تعین بہت مشکل ہے کہ بھگوت گیتا کب لکھی گئی اس کے متعلق مختلف محققین کے مختلف نظریے ہیں۔ گو یہ مہابھارت کا ایک جزو ہے۔ لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ بہت بعد کی تصنیف ہے اور اس میں مہابھارت کے قصے کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

بھگوت گیتا کی طرز تحریر، قافیہ پیمائی اور دیگر خصوصیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لگ بھگ تیسری صدی قبل مسیح میں لکھی گئی تھی۔

اگر بھگوت گیتا سے ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابوں کا مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا مصنف اس زمانے کے کم وبیش تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظریوں سے متاثر ہوا ہے۔ بھگوت گیتا ویدوں کے احکام کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ اس کی تعلیمات کے بموجب کوئی شخص ویدوں کے احکام کی پیروی کئے بغیر کمال حاصل ہی نہیں کرسکتا۔ البتہ وید کے خداؤں کی عظمت و بزرگی کو بھگوت گیتا تسلیم نہیں کرتی۔

بھگوت گیتا کا فلسفیانہ ماخذ اپنشد ہے۔ بعض اشعار تو بھگوت گیتا اور اپنشد دونوں میں مشترک ہیں۔

بھگوت گیتا میں بدھ مت کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن بعض خیالات وہی ہیں جو بدھ مت نے پیش کیے ہیں۔ دونوں ویدوں کی قطعیت سے انکار کرتے ہیں اور ذات پات کی سخت بندشوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ دونوں ان ہی مذہبی جذبات کے ترجمان ہیں جنھوں نے رسوماتی مذہب کا تختہ الٹ دیا۔ اس یکسانیت کے باوجود یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بدھ مت کے مقابلہ میں بھگوت گیتا کا نقطۂ نظر قدامت پسندانہ ہے۔

بھگوت گیتا کی ایک اور خصوصیت کی طرف کم لوگ توجہ کرتے ہیں۔ اس نظم کی تمہید کچھ ایسی نزاکت سے باندھی گئی ہے کہ گو یہ شروع سے آخر تک کرشن جی اور ارجن کی گفتگو معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل تمام نظم ایک علم کشف کے جاننے والے (سنجے) کی زبانی ہے۔ جو دھرت راشٹر کو میدان جنگ کے واقعات اپنی ہتھیلی میں دیکھ کر بتاتا جارہا ہے۔ نظم لکھنے والا بیان کی صداقت اور عدم صداقت کا ذمہ دار نہیں اور نہ کسی ایک لفظ کے لئے بھی قابل گرفت ہے۔

تعلیمات

عمل سے متعلق بھگوت گیتا کی تعلیمات خاص ہیں۔ اس کی یہ تعلیم نہیں کہ دنیا اور دنیوی کاروبار کو ترک کیا جائے۔ اور نہ ہی دنیوی کاروبار اور خواہشات کو مستحسن قرار دیتی ہے۔ بظاہر یہ دو چیزیں متضاد نظر آتی ہیں۔ لیکن خود بھگوت گیتا نے اس مسئلہ کو نہایت ہوشیاری سے حل کیا ہے۔ جب ہم کسی فعل کو انجام دیتے ہیں تو پہلے دماغ میں فعل کے کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس فعل کا نتیجہ بھی آجاتا ہے۔ دراصل اس نتیجہ ہی کو سامنے رکھ کر انسان فعل کو، خواہ وہ محنت طلب

اور بظاہر مشکل ہی کیوں نہ نظر آئے ،انجام دیتا ہے۔بھگوت گیتا کی یہ تعلیم ہے کہ انسان کو چاہئے کہ جسمانی کام کو انجام دے لیکن ذہن میں اس کے نتیجہ یا اجر کو نہ لائے۔ بلکہ بالکل بے تعلق ہو کر کام کرے۔ بظاہر ہے کہ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ایک معمولی انسان کا کھانا، پینا، اُٹھنا، بیٹھنا غرض کہ ہر ذرا ذرا سی حرکت بھی کسی نہ کسی مفاد کے پیش نظر ہوتی ہے اور اس وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔اور واقعہ تو یہ ہے کہ رنج اور تکلیف کی جڑ یہی ہے۔اس لئے بھگوت گیتا بے غرض کام کرنے اور خواہشات اور جذبات سے آزاد ہونے کی مختلف طریقوں سے تعلیم دیتی ہے اور بار بار اسی پر زور دیتی ہے۔

بھگوت گیتا کی ایک نمایاں تعلیم وجود باری کا تصور ہے۔بھگوت گیتا کا تصور یہ ہے کہ خدا ہر چیز کے اندر موجود ہے اور وہی ہر ایک کا مبدا و ملجا ہے۔یہ سب کچھ فنا ہونے کے بعد اس میں ضم ہو جاتا ہے اس لئے ہر انسان کی کوشش ہونی چاہئے کہ جلد خدا سے واصل ہونے کے ذرائع اختیار کرے۔جو شخص خاص اصول اور معیار پر زندگی بسر کرتا ہے۔خواہشات کو ترک کرتا اور نتیجہ سے بے فکر رہتا ہے وہ مرتے ہی خدا سے واصل ہو جاتا ہے اور موت وحیات کی کشمکش (تناسخ) میں گرفتار نہیں رہتا۔اس کے برعکس جو شخص خواہشات کا غلام رہتا ہے وہ بار بار اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔عمل کی معراج یہ ہے کہ انسان اپنی اعلیٰ ترین حقیقت کو پہچان کر واصل بہ حق ہو جائے۔یعنی خودی کی تکمیل ہی عمل کی معراج ہے۔

بھگوت گیتا انسان کی خواہشات اور جذبات سے بالاتر، ہر حال میں یکساں اور غیر متاثر رہنے کی تعلیم دیتی ہے۔

تاریخی پس منظر

بھگوت گیتا مہابھارت لکھے جانے کے بہت زمانہ بعد وجود میں آئی۔لیکن جس وقت بھگوت گیتا لکھی گئی تو مہابھارت ہی وہ واحد کتاب تھی جو پورے ہندوستان میں حد سے زیادہ مقبول تھی۔اس طرح مہابھارت کی اس شہرت سے فائدہ اٹھانے اور بھگوت گیتا کو عوام تک پہونچانے کی غرض سے اس کا تاریخی پس منظر مہابھارت سے لیا گیا ہے۔ذیل میں مختصراً اس کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ بھگوت گیتا کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

خاندان کورو کے بادشاہ شانتنو کو پہلی بیوی سے ایک بیٹا بھیشم اور دوسری بیوی سے دو بیٹے چترانگد اور وچتر ویر تھے۔ بھیشم نے عمر بھر مجرد رہنے کا عہد کیا تھا اور وچتر انگد کا شادی سے قبل ہی انتقال ہو گیا تھا۔ وچتر ویریہ کے دو بیٹے دھرت راشٹر اور پانڈو تھے جن میں سے اول الذکر پیدائشی نابینا تھا۔ وچتر ویر کے انتقال کے بعد دھرت راشٹر کو حکومت ملی لیکن پانڈو نے تمام انتظامات سنبھالے۔ پانڈو کا انتقال دھرت راشٹر ہی کی زندگی ہی میں ہو گیا اور اس نے پانچ بیٹے یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل، اور سہدیو چھوڑے جن میں سے اول الذکر تین پانڈو کی پہلی بیوی کنتی سے تھے اور موخر الذکر دو بیٹے دوسری بیوی مادری سے تھے اور یہ دونوں توام تھے۔ دھرت راشٹر کے سو بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا دریودھن تھا۔ پانڈو کے انتقال کے بعد بھیشم نے شہزادوں کے سن بلوغ کو پہنچنے تک حکومت کے انتظامات کو سنبھالنے کا ذمہ لیا۔ اور اس وقت تک درونہ آچاریہ کے ذریعہ ان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا۔ جب شہزادے سن بلوغ کو پہنچے تو یہ سوال پیش ہوا کہ دیوردھن اور یودھشٹر میں سے کس کو حکومت ملے۔ خاندان کے بزرگوں نے سلطنت کی تقسیم کا مشورہ دیا اور دھرت راشٹریہ نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ لیکن دریودھن نے جو لالچی اور بدطینت تھا خود منصوبہ بنایا اور قمار بازی کے ذریعہ یودھشٹر سے سلطنت چھین لی اور یہ شرط پیش کی کہ پانڈو کے سب بیٹے ۱۲ سال تک جنگل میں جلاوطن رہیں اور اس کے بعد ایک سال تک گمنامی کی زندگی بسر کریں۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد پانڈو کے بیٹوں نے اپنے حصۂ حکومت کا مطالبہ کیا اور قتل وغارت گری اور خانہ جنگی سے بچنے کے لئے یودھشٹر نے اپنے گذارے کے لئے پانچ قصبات لینے پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن دریودھن نے سوئی کی نوک کے برابر زمین دینے سے بھی انکار کیا اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔ جب دونوں جانب کی فوجیں جنگ کے لئے ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو ارجن نے کرشن سے جو اُن کے ماموں زاد بھائی اور بڑے دوست تھے اور اس جنگ میں ان کی رتھ بانی کا کام کر رہے تھے۔ یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ دونوں فوجوں کا معائنہ کر سکیں۔ دونوں جانب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو دیکھ کر ارجن بہت متاثر ہوئے حتیٰ کہ جنگ سے باز رہنے کے خیالات بھی ان کے ذہن میں پیدا ہوئے تا کہ سلطنت کے حصول کی خواہش میں عزیزوں اور دوستوں کا خون بہانا نہ پڑے۔ اس موقع پر کرشن ان اقوال کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور ایک تصفیہ کرنے کے بعد مختلف جذبات کے تحت اس کو نہ بدلیں۔

(ماہنامہ گگن ممبئی، مذاہب عالم نمبر ۱۹۸۴ء)

خواجہ دل محمد

گیتا اور اس کی تعلیم

آج سے پانچ ہزار سات سال پہلے کوروکشیتر کے میدان میں مہابھارت کی جنگِ عظیم واقع ہوئی، اس کا مرقع مہارشی وید ویاس جی نے اپنی لافانی نظم ''مہابھارت'' میں کھینچا ہے۔ یہ جنگ سلطنت کے لئے، ملک و مال کے لئے، مادی دنیا کے لئے لڑی گئی۔ لیکن اس جنگ کے اندر ایک اور جنگ بھی لڑی گئی جس کو باطنی اور روحانی جنگ کہنا چاہیے۔ یہ فرائض اور جذبات کی جنگ تھی۔ اس کا نقشہ شریمد بھگوت گیتا کے لازوال اشعار میں کھینچا گیا۔ گیتا مہابھارت کا حصہ ہے۔ واقعات یوں ہیں کہ سرزمینِ ہند کے بہادر سپوت پانڈو اور کورو اپنے اپنے صف آرا کئے کھڑے ہیں۔ ارجن رتھ پر سوار ہے اور شری کرشن جی مہاراج اس کا رتھ چلا رہے ہیں اور اس کی درخواست پر رتھ کو دونوں افواج کے درمیان کھڑا کر دیتے ہیں۔ ارجن کوروں کی فوج کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کہیں اس کے گورو کھڑے ہیں۔ کہیں چچا بھائی خالو، کہیں بھتیجے کہیں دوست۔ سب ایک دوسرے سے جنگ کے لئے تیار ہیں یہ صورتِ حال دیکھ کر اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اس کے من میں ایک اور جنگ شروع ہو جاتی ہے، کشتری کی حیثیت سے لڑنا اس کا دھرم ہے۔ رحم دل انسان کی حیثیت سے لڑنا اور پھر...... اپنے عزیزوں سے لڑنا ادھرم ہے۔ یہ دھرم اور ادھرم کی جنگ، یہ فرائض اور جذبات کی جنگ اس کے دل کو کمزور کر دیتی ہے۔ وہ اس اندرونی جنگ کی رہنمائی بھی شری کرشن مہاراج کے سپرد کر دیتا ہے تا کہ وہی اس کے من کے رتھ کو بھی چلائیں اور خود جذبات سے متاثر ہو کر اپنی کمان گانڈیو کو پھینک دیتا ہے۔ اور رتھ میں دل شکستہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اب شری کرشن مہاراج اس کو اُپدیش دیتے ہیں۔ اس کی ٹوٹی ہوئی ہمت کو پھر استوار کرتے ہیں، اس کو رازِ عالم سے آگاہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ راجے مہاراجے، یہ لشکری یہ فوج و سپاہ محض فریبِ نظر ہے۔ سب کاموں کا کارن (باعث) خدا ہے جس کو زوال نہیں۔ انسان

کوسب کام خدا ہی کے کام سمجھ کر کرنے چاہئیں، خدا کی رضا کے سامنے فرائض کی تکمیل کے وقت انسان کو سب کام ذاتی تعلقات اور جذبات سے بلند ہو کر کرنے چاہئیں۔ اسی سلسلہ میں شری کرشن مہاراج نشکام کرم، کرم یوگ اور معرفت کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ارجن اس روحانی قوت کے بل پر پھر ادائے فرض کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔

مہابھارت میں لکھا ہے کہ راجہ دھرت راشٹر دریودھن کا باپ، کوروں کا جدِ امجد آنکھوں سے نابینا ہے۔ جن کے آغاز میں مہارشی ویاس جی، دھرت راشٹر کے پاس گئے اور فرمایا۔ ''اگر آپ جنگ کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی آنکھوں کو بینا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن دھرت راشٹر نے کہا۔ ''میں اپنے ہی خاندان کی تباہی اپنی ہی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتا' ۔ اس پر مہارشی ویدویاس جی نے اس کے مطرب (سوت) یا بقول دیگر وزیر کو جس کا نام سنجے تھا، ایسی باطنی نظر عطا کر دی کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے جنگ کا نظارہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھتا جاتا اور راجہ دھرت راشٹر کو جنگ کے واقعات سناتا جاتا، غرض سنجے نے پہلے فوجوں کے انتظام واہتمام کا ذکر کیا اور پھر دھرت راشٹر کے سوالوں کے جواب میں تمام گیتا سنائی۔

آج بھی وہی مہابھارت کی جنگ ہو رہی ہے۔ انسان کا تن کوروکشیتر کا میدان ہے، من دھرم کھیتر ہے۔ کھیت میں جو بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل دے گا۔ آم کی گٹھلی سے آم اور نیم کے بیج سے نیم کا پودا نکلے گا۔ محبت کے بیج سے محبت اور نفرت کے بیج سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ حق و باطل، نیکی اور بدی کی فوجیں برسرِ پیکار ہیں۔ نیکی کی فوج کا سردار ضمیر ہے جو یدھشٹر کی طرح یدھ یعنی جنگ میں مستقل مزاج رہتا ہے۔ دوسری طرف بدی کی فوج ہے جس کا سردار نفسِ امارہ ہے جو دھرت راشٹر (اندھے راجے) کی طرح دوسرے کے راج کو ہضم کرنا چاہتا ہے۔ ارجن کی طرح انسان کو چاہیے کہ اپنی رتھ (قوتِ عمل) کی باگ ڈور خدا کے ہاتھ میں دے، جذبات کو فرائض پر غالب نہ آنے دے۔ حق کے لئے پوری کوشش کرے اور سب کام نشکام کرم سمجھ کر خدا کے لئے اور خدا ہی کا کام سمجھ کر پورا کرے۔ خدا اس کا مددگار ہو!

شریمد بھگوت گیتا دنیا کی قدیم روحانی کتابوں میں بے نظیر اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا مضمون شری کرشن جی مہاراج کا وہ اُپدیش ہے جو انہوں نے ارجن کو کوروکشیتر کے میدان میں مہابھارت کی جنگ کے وقت دیا۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ انسان کیا ہے۔ روح کیا ہے، خدا کیا ہے، بھگتی اور وصالِ باری کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں انسان کے فرائض کیا ہیں۔ نشکام کرم یعنی

بے لوث عمل کا کیا درجہ ہے۔ یہ عرفانی مضمون سنسکرت کے سات سو شلوکوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر شلوک معرفت کا رنگین پھول ہے۔ ان ہی سات سو پھولوں کی مالا کا نام گیتا ہے۔

یہ مالا کروڑوں انسانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے لیکن تا حال اس کی تازگی، اس کی نفاست، اس کی خوشبو میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ پھول اس باغ سے چنے گئے ہیں، جس کا نام گلشنِ بقا ہے جسے آبِ حیات نے سینچا ہے۔ اور جس پر حسن کی اس ملکہ کا راج ہے جس کا نام حقیقت ہے۔

اس پھول مالا میں عجب خوشبو ہے اور اس خوشبو میں عجب تاثیر ہے۔ اس کو پہنو تو دل و دماغ پر لاہوتی تاثرات چھا جاتے ہیں اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں آفتاب جھلکنے لگ جاتے ہیں۔ ہر خار پھول بن جاتا ہے اور ہر پھول فردوس نگاہِ عالتمام تجلی گاہ ربانی نظر آنے لگتا ہے۔ جسم کا تودۂ خاکی نور کی مورت بن جاتا ہے، دل پر ایک روحانی سکون چھا جاتا ہے اور اس پھول کی ہر پتی کتابِ عرفاں کا ورق بن جاتی ہے۔

آؤ آج ہم بھی اس کتابِ عرفاں کے چند اوراق کا مطالعہ کریں شاید حقیقت کے کچھ رموز ہم پر بھی روشن ہونے لگیں۔

پرماتما (خُدا)

سب سے پہلا اور اہم سوال خدا کی ہستی ہے۔ کیا خدا ہے؟

گیتا جواب دیتی ہے ''خدا ہے'' بلکہ خدا ہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں گیتا وحدتِ وجودی کی قائل ہے۔

فطرت کہو، نیچر کہو، پرکرتی کہو، مایا کہو، غرضیکہ عالم میں جو کچھ نظر آ رہا ہے خدا کا ہی ظہور ہے۔ سورج کے جلال میں اُس کی تابانی ہے، چاند کے جوبن میں اس اکی دلفریبی، سرو و چنار اسی کی رعنائی، پھولوں میں اس کی نفاست، سمندر میں اس کی بے پایانی، آسمان میں اس کی بلندی اور زمین میں اسی کا حکم کارفرما ہے۔ یعنی جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔ اسی کو حق پہنچتا ہے کہ کہے:

یہ سورج کی تابش میرا نور ہے
جہاں جس کے جلووں سے معمور ہے
رہے چاند درخشاں میرے نور سے
تو آتش درخشاں میرے نور سے
جو ہر سمت پاتا ہے میرا ہی نور

مجھی میں جو ہر شے کا دیکھے ظہور
کبھی مجھ سے منہ موڑ سکتا نہیں
کبھی مَیں اسے چھوڑ سکتا نہیں
جو کثرت میں وحدت کا دیکھے سماں
جو پوجے مجھے ہوں جو سب میں عیاں
وہ یوگی رہے گو کسی ڈھنگ سے
مجھی سے ہو واصل وہ ہر رنگ میں
(۱/۱۴/۱۵)

عالم کا ذرّہ ذرّہ اسی سے وابستہ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتو یہ شیرازہ بکھر جائے۔

سُن ارجن نہیں کچھ بھی میرے سوا
نہ ہے بڑھ کر مجھ سے کوئی دوسرا
پرویا ہے سب کچھ مرے تار میں
کہ ہیرے ہوں جیسے کسی ہار میں
(۷/۷)

وہ آنکھ سے نہیں دیکھتا لیکن آنکھ اُس سے دیکھتی ہے۔ وہ کان سے نہیں سنتا لیکن کان اس سے سنتے ہیں۔ وہ زبان سے نہیں بولتا لیکن زبان اس سے بولتی ہے۔ وہ سانس سے دم نہیں لیتا لیکن سانس اس سے دم لیتا ہے۔ وہ دل سے خیال نہیں کرتا لیکن دل اس سے خیال کرتا ہے۔ وہ آنکھ کی آنکھ ہے، کان کا کان ہے، زبان کی زبان ہے، جان کی جان ہے اور دل کا دل۔

اسی کے ہیں سب دست و پا چار سو
اسی کا ہے رُخ رونما چار سو
اسی کی نظر، کان، سر ہر طرف
محیط جہاں سر بسر ہر طرف
(۱۳/۱۳)

بظاہر نہیں گرچہ اس کے حواس
درخشاں صفاتِ حواس اس کے پاس

وہ ہے بے تعلق مگر سب کا رب
گنوں سے بری اور گن اس میں سب
(۱۳/۱۴)

خدائی فطرت

اب خدائی فطرت پر غور کرو۔ سانکھیہ فلاسفی کے مطابق دنیا کی ہر چیز دو مختلف خود مختار ابدی عناصر سے پیدا ہوئی ہے۔ (ا) بے جان پرکرتی (مادہ) سے جاندار پرش (روح) سے۔ لیکن گیتا وحدانیت کی قائل ہے۔ اس کے مطابق مادہ اور روح دونوں ایک ہی پرمیشور کا ظہور ہیں۔ مادہ کو خدا کی اپراپرکرتی (ادنیٰ فطرت) سمجھو اور روح کو پراپراکرتی (اعلیٰ فطرت)۔ دنیا کی ہر چیز انہی دونوں کی پرمیشور کی نگرانی میں پیدا ہوتی ہے۔ پراپرکرتی (ادنی فطرت) کے عناصر آٹھ ہیں:

یہ مٹی، یہ پانی یہ آگ اور ہوا
یہ آکاش دنیا پہ چھایا ہوا
یہ دانش، یہ دل یہ خیالِ خودی
ہے ان آٹھ حصوں میں فطرت مری
(۷/۴)

یہ فطرت تو ادنیٰ ہے سُن او قوی!
مگر میری فطرت ہے اِک اور بھی
وہ فطرت ہے عالی بنے جو حیات
اسی سے تو قائم ہے کُل کائنات
(۷/۵)

یہ اعلیٰ فطرت روحانی فطرت ہے۔ یہی منبعِ زندگی ہے۔ یہی جیو آتما کی شکل میں نباتات، حیوانات سب میں پائی جاتی ہے۔

سُن ارجن! مَیں ہوں آتما بالیقین
مَیں ہوں مثلِ جاں اہلِ جاں میں نہاں
مَیں اول، مَیں آخر مَیں ہوں درمیاں
(۱۰/۲۰)

صرف پرکرتی اور پرش ہی خدا کا مظہر نہیں بلکہ ان کے تمام صفات بھی خدا کا ہی مظہر ہیں۔

مَیں پانی میں رس چاند سورج میں نور
مَیں ہوں اوم ویدوں میں جس کا ظہور
سدا مجھ کو آکاش میں کر خیال
مَیں مردوں میں مردی ہوں کنتی کے لال
(۸/۷)

لیکن اس ادنیٰ فطرت (پرکرتی) اور اعلیٰ فطرت (پُرش) سے بلند تر خود پرماتما کی ذات پاک ہے جو انسانی تخئیل سے بالا جستجو کی رسائی سے بلند۔ ظاہر سے مستور اور باطن سے بھی دُور ہے۔

پرے غیب سے بھی ہے اِک ذاتِ غیب
وہ ہستی فنا کا نہیں جس میں عیب
کسی کی نہ کچھ بات باقی رہے
فقط اِک وہی ذات باقی رہے
(۸/۲۰)

اسی کو بقاء ہے اسی کو ثبات
جہاں پر ہے چھائی ہوئی جس کی ذات
بھلا کس کی طاقت ہے کس کی مجال
فنا کر سکے ہستی لازوال
(۲/۱۷)

پھر ارشاد ہوتا ہے:
خفی سے خفی ہے مری ہست و بود
مگر ہے مجھی سے جہاں کی نمود
مجھی میں ہے مخلوق ساری مَیں
مگر مَیں مَیں خود کسی میں نہیں
(۹/۴)

لیکن ذاتِ خفی کا سمجھنا آسان نہیں۔

جو ذاتِ خفی میں لگاتے ہیں دل
اُٹھاتے ہیں تکلیف وہ مُتصل
کہ ذاتِ خفی کا ہے مشکل شہود
خفی کو نہ سمجھیں گے اہلِ وجود
(۱۲/۵)

وہ ذات بالا و برتر ہر ابتدا کی ابتدا اور ہر انتہا کی انتہا ہے۔ ست اور است یعنی حق و باطل یا باقی و فانی دونوں سے بالا ہے۔ وہی اس قابل ہے کہ اس کو جانا جائے۔ اسی کے علم کا نام امرت اور آبِ حیات ہے۔

سزاوار عرفاں ہے وہ پاک ذات
کہ ہے علم ہی اُس کا آبِ حیات
وہ بے ابتدا لم یزل ذی حشم
نہ سَت یا است کہہ سکیں جس کو ہم
(۱۳/۱۲)

نگاہیں اسی کے جلوے کی متلاشی ہیں۔ کان اُس کے نغمے سُننے کے لئے بیتاب ہیں۔ لیکن جب تک مایا کا پردہ دُور نہیں ہو۔ وہ کیونکر نظر آئے۔ اس کی میٹھی باتیں کیونکر سُنی جائیں؟

مَیں چشمِ جہاں سے نہاں ہوں نہاں
مگر مجھ کو دانا سمجھ لیں عیاں
وہ مجھ کو نہیں جانتے بے مثال
مری ذات عالی ہے اور بے زوال
(۶/۲۴)

خدا ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔

ہوا گو چلے زور سے سر بسر
اِدھر سے اُدھر یا اُدھر سے اِدھر

وہ آکاش سے جائے باہر کہاں
سمجھ لو یونہی میرے اندر جہاں
(۹/۶)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا ہر چیز میں موجود ہے تو کیا وہ قابلِ تقسیم ہے۔ گیتا کا جواب ہے۔ نہیں۔ نہیں ہر گز نہیں۔ اس کی تقسیم محال ہے۔

محال اس کی تقسیم اے ذی شعور
مگر اس کا ہر شے میں حصہ ضرور
سزاوار عرفاں وہ پروردگار
فنا و بقا کا اسی پر مَدار
(۱۳/۱۶)

دنیا میں جو کچھ ہے اور ہوگا، اُس کی اصل اور بیج پرماتما ہے

کروں خلقِ عالم کی ترویج مَیں
ہوں ارجُن ہر اِک چیز کا بیج میں
ہے ساکن کوئی یا کہ سنیار ہے
مگر مجھ سے باہر نہ زنہار ہے
(۱۰/۳۹)

لیکن جب درخت اُگتا ہے، اُس کا بیج فنا ہو جاتا ہے۔ یہاں معاملہ برعکس۔ یہ بیج بھی فنا نہیں ہوتا۔

سُن ارجُن مَیں ہوں بیج ہر ہست کا
مَیں وہ بیج ہوں جو نہ ہوگا فنا
مَیں دانش ہوں ان کی جو ہیں ہوشیار
مَیں تابش ہوں ان کی جو ہیں تابدار
(۷/۱۰)

مَیں آقا مَیں والی سجن مَیں گواہ
مَیں منزل مَیں مسکن مَیں جائے پناہ

مَیں آغاز و انجام و گنج و مقام
مَیں وہ بیج ہوں جو رہے گا مدام
(۹/۱۸)

وحدت اور کثرت

اگر ہر طرف وحدت وجودی کا ظہور ہے تو پھر یہ کثرت کیسی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل ہر شے کی ایک ہے، صرف نام اور روپ یعنی [illegible] ظاہری کا فرق ہے۔ کمہار کے پاس وہی مٹی ہوتی ہے، کہیں اُس سے پیالہ بناتا ہے، کہیں صراحی، کہیں مٹکا، کہیں رکابی کہیں ہنڈیا۔ غور کرو تو سب کی اصل وہی ایک مٹی ہے، نام اور روپ کا فرق ہے، اسی کا نام مایا ہے، موہ، جہالت اگیان، جو چاہو، کہو۔ ارجُن سے ارشاد ہوتا ہے۔

سُن ارجن! خدا ہے خدا ہر کہیں
خُدائی کے دل میں خدا ہے مکیں
وہ سب ہستیوں کو گھماتا رہے
وہ مایا کا چکر چلاتا رہے
(۱۸/۶۱)

پھر ارشاد ہوتا ہے:

مری ذات ہے مالکِ کائنات
نہ اس کی ولادت نہ اس کی ممات
جو کام اپنی فطرت کو لاتا ہوں مَیں
ظہور اپنی مایا سے پاتا ہوں مَیں
شکم ہے مری قدرتِ کاملہ
جو مَیں تخم ڈالوں تو ہو حاملہ
یہی ہے مہا برہم اصل حیات
اسی سے ہویدا ہو کُل کائنات
(۴/۶)

جو سمجھے کہ دنیا کی سب ریل پیل
ہے مایا کا کرتب، ہے مایا کا کھیل
ہے خود آتما پُر سکوں بے عمل
نظر ہے اسی کی نظر بے خلل
(۱۳/۲۹)

اب خدا کی ثنا میں چند اور شلوک ملاحظہ ہوں:

ہے باقی و فانی سے بالا وہ حق
کہ قائم ہوئے جس سے تینوں طبق
وہ ہے لافنا سب پہ چھایا ہوا
وہ پرمیشور ہے وہ پرماتما
(۱۵/۱۷)

وہی ذات نور علیٰ نور ہے
جو تاریکیوں سے بہت دُور ہے
وہ عرفاں کا حاصل بھی مقصود بھی
وہ عرفاں بھی ہر دل میں موجود بھی
(۱۳/۱۷)

جو ہے کچھ نظر تو اسی کی نظر
نظر میں رہے جس کی پرمیشور
ہے سب جان والوں میں جانی وہی
کہ فانی میں ہے غیرفانی وہی
(۱۷/۲۷)

کسی شے میں جنبش کسی میں سکوں
وہ موجود سب میں دروں و بروں
لطیف ایسا احساس معذور ہے
وہی ہے قریب اور وہی دُور ہے

یہ روحانی گیتا جس کا نام شریمد بھاگوت گیتا ہے ایسے ہی بلند خیالات سے معمور ہے۔طالبانِ حق خود ملاحظہ کریں۔ہاں اتنا یاد رہے کہ اگر فطرت یزدانی کی مندرجہ بالا سہ گونہ نوعیت کو مدِ نظر رکھیں گے تو خیالات میں الجھن پیدا ہونے کا احتمال ہے۔کسی شلوک میں ادنیٰ فطرت (اپرا پرکرتی) کی طرف اشارہ ہے تو کسی میں عالی فطرت پرا پرکرتی) کی طرف اور کسی میں ہر دو سے بالا ذات باری (پرماتما) کا ذکر ہے جو صفات سے بالا (نرگن) ہے۔اسی لئے اس نازک مضمون کو سوچ سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے اور پڑھنے سے زیادہ اس پر غور کرنے کی۔

آتما روح

پرماتما (خدا) کے صحیح تصور کے بعد انسان کا صحیح تصور بھی ہونا ضروری ہے۔جس طرح پرماتما کی فطرت کو تین رنگوں میں دیکھ چکے ہیں۔یعنی اپرا پرکرتی (ادنیٰ فطرت) پرا پرکرتی (اعلیٰ فطرت) اور پرمیشور۔اسی طرح انسان کی فطرت کا حال ہے۔

(۱) پیکر کثیف یعنی تن۔یہ انسان کی ادنیٰ فطرت ہے۔

(۲) پیکر لطیف یعنی حواس، من عقل وغیرہ، یہ اس کی اعلیٰ فطرت ہے۔

(۳) آتما یعنی روح۔یہ وہ اصل چیز ہے جس کا نام انسان ہے

تن فانی ہر لحہ تغیر ہونے والا بچپن میں کچھ، جوانی میں کچھ بوڑھاپے میں کچھ، اسی کو سب کچھ سمجھنا نادانی ہے۔

من، حواس، عقل وغیرہ لباس کی طرح ہیں جن میں آتما ملبوس ہے۔یہ آتما کی طرح لازوال نہیں۔

آتما (روح) یہ قائم، دائم، باقی، بچپن میں بھی وہی، بڑھاپے میں بھی وہی، بے تغیر بسیط یہی اصل چیز ہے۔انسان نہ تن کا نام ہے نہ من کا، یہ اسی آتما (روح) کا نام ہے۔اور یہ روح لازوال ہے۔

شری کرشن ارجن سے فرماتے ہیں:

ازل سے تھی موجود ہستی مری
ازل سے تھی موجود ہستی تری
یہ راجے سبھی اور یہ خلقت تمام

ہمیشہ سے ہیں اور رہیں گے مدام
(۲/۱۲)

بسائے ہیں جس آتما نے وجود
وہ قائم ہے دائم ہے اور بے حدود
ہے فانی بدن آتما لازوال
پھر ارجن ہے کیوں جنگ میں قیل و قال

آتما (روح) پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

کٹے گی نہ تلوار سے آتما
جلے گی کہاں نار سے آتما
نہ گیلی ہو پانی لگانے سے یہ
نہ سوکھے ہوا میں سکھانے سے یہ
(۲/۲۳)

نہ کٹ ہی سکے اور نہ جل ہی سکے
نہ سوکھے نہ پانی سے گل ہی سکے
قدیم اور اٹل بھی ہے دائم بھی ہے
محیطِ جہاں بھی ہے قائم بھی ہے
(۲/۲۴)

آتما روح کو موت نہیں آتی۔

جنم اس کو لینا نہ مرنا اسے
نہ آکر جہاں سے گزرنا اسے
انادی، ولادت تغیر سے پاک
یہ مرتی نہیں گو بدن ہو ہلاک
(۲/۲۰)

بھی خون کرتی نہیں آتما

کبھی خود بھی مرتی نہیں آتما
نہ قاتل ہے یہ اور نہ مقتول ہے
جو ایسا سمجھتا ہے مجہول ہے
(۲/۱۹)
جو ہے سب کے تن میں مکیں آتما
یہ دائم ہے، فانی نہیں آتما
جو اس پر یقیں ہے تو بھارت کے لال
نہ کر اہلِ ہستی کا رنج و ملال
(۲/۳۰)
نہیں آتما کو تغیر زوال
حواس اس کو پائیں نہ پہنچے خیال
تجھے آتما کا جو یہ گیان ہے
تو پھر کس لئے غم سے ہلکان ہے

تناسخ

یہاں گیتا وہ نقطۂ نظر پیش کرتی ہے جو اسلامی اور اکثر دیگر مذاہب کے نقطۂ نظر سے مختلف ہے۔

بدلتا ہے انساں لباسِ کہن
نیا جامہ کرتا ہے پھر زیب تن
اسی طرح قالب بدلتی ہے روح
نئے بھیس میں پھر نکلتی ہے روح
(۲/۲۲)
کرے روح جیسے تغیر بغیر
لڑکپن، جوانی، بڑھاپے کی سیر
نئے تن میں پھر ویسے ہوگی مکیں

اگر دل ہے مضبوط چنتا نہیں
(۲/۱۳)

آتما (روح) کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

حواس آدمی کے ہیں اعلیٰ تمام
مگر اس سے اُونچا ہے من کا مقام
ہے من سے بڑا مرتبہ عقل کا
مگر عقل سے بڑھ کے ہے آتما
(۲/۴۲)

آتما پر ماتما کا ہی انش (جزو) ہے۔اس کا تعلق من اور حواس کے ساتھ کیا ہے؟ یہ بھی ملاحظہ ہو۔

جہاں ایشور یعنی جیو آتما
ہو اِک تن میں داخل اور اِک سے جُدا
تو ساتھ اپنے لے جائے من اور حواس
صبا جیسے لے جائے پھولوں کی باس
(۱۵/۸)

مسافر جو آیا جو آکر گیا
جو لطف ان گنوں کے اُٹھا کر گیا
نہیں اُس کو گمراہ پہچانتے
ہیں اہلِ بصیرت فقط جانتے.
(۱۵/۱۰)

کوئی آتما سے تعجب میں آئے
کوئی بات حیرت سے اس کی سنائے
کوئی بات سُن سُن کے حیران ہے
مگر سُن سُنا کر بھی انجان ہے
(۲/۲۹)

پرکرتی (مادی دنیا)

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے فطرت ایزدی کا سب سے ادنیٰ مظہر مادی دنیا ہے۔ اسی کو نیچر یا مایا کہتے ہیں۔ یہ تین عناصر سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب اور باہمی کشمکش پر عالم کی تمام نیرنگیوں کا دارومدار ہے، ان عناصر کے نام یہ ہیں۔

(۱) ستوگن (۲) رجوگن (۳) تموگن۔

ستوگن کو صفاتِ عُلوی سمجھو ان کا رجوع بلندی اور ترقی کی طرف ہے۔ یہ صفات انسان کو نیکی کی اور خدا کی طرف لے جاتی ہیں۔ رجوگن کو صفاتِ جذباتی سمجھو، ان کا مقصد حرکت، جدوجہد اور کشمکش ہے۔ یہ صفات انسان کو کاروباری اور کامیاب دنیادار بناتی ہیں۔ تموگن کو صفاتِ سفلی کہو، یہ انسان کو گناہ اور پستی کی طرف لے جاتی ہیں۔ آتما جب تن کے پنجرے میں آتی ہے اور مایا کے پردے میں چھپ جاتی ہے تو یہی جیوآتما یا روحِ انسانی کہلاتی ہے۔ ان گُنوں کا اثر جیوآتما کو پابند کرنا اور اسکی آزادی میں خلل ڈالنا ہے۔

نمودار مایا سے ہوں تین گن
ستوگن، رجوگن تموگن یہ سُن
جو ہے لافنا روح تن میں مکیں
یہ گن قید کرتے ہیں اس کو وہیں
(۱۴/۵)

ستو گن کی فطرت ہے پاکیزہ نور
نہ عیب اس میں ارجُن نہ کوئی قصور
کرے روح کو شوق راحت سے قید
کرے روح کو ذوق دانش کا صید
(۱۴/۶)

رجوگن کی فطرت ہے جذبات کی
ہے جینے کا شوق اس کو اور تشنگی
یہ ذوقِ عمل کا بناتی ہے جال

کرے روح کو قید کنتی کے لال

(۱۴/۷)

تموگن جہالت کی اولاد ہے

کب اس سے مکیں تن کا آزاد ہے

کرے قید دھوکے سے بھارت اسے

کرے خواب و غفلت سے غارت اسے

(۱۴/۸)

اس لئے انسان کی روح کا مقصد جیوآتما کو گنوں کی قید سے رہائی دلانا ہے۔ تموگن کی وجہ سے روح جہالت اور موہ کے جنجال میں پھنسی ہو تو رجوگن کی طرف ترقی کرے، رجوگن کے غلبہ سے دینوی کاروبار میں انہماک ہو تو ستوگن کی طرف بڑھے۔ ستوگن کی وجہ سے مسرت اور ذوقِ دانش کا شوق ہو تو عرفان باری کی مدد لے کر اس سے بھی پار نکل جائے اور واصل بحق ہونے کی کوششِ کرے کیونکہ آتما کا انتہائے کمال پرماتما سے وصال ہے، اسی کا نام موکش ہے، اسی کا نجات۔

بدن کا ہے تینوں گنوں پر مدار

مکینِ بدن گر کرے ان کو پار

وہ چکھتا ہے امرت وہ پاتا ہے سُکھ

نہ جینا نہ مرنا نہ پیری نہ دُکھ

(۱۴/۲۰)

نہ ذلت کی پروا نہ عزت کی بھوک

کرے دوست دشمن سے یکساں سلوک

غرض تیاگ دے مجھ پہ سب کاروبار

سمجھ لو گنوں سے وہ ہوتا ہے پار

(۱۴/۲۵)

ستوگن سے عرفاں کا پیدا ہو نور

رجوگن سے حرص و ہوا کا ظہور

تموگن سے دھوکا بھی ہو غفلت بھی ہو
طبیعت پہ غالب جہالت بھی ہو
(۱۴/۱۷)
ستوگن سے جائیں سوئے آسماں
رجوگن سے لٹکے رہیں درمیاں
تموگن کا گن ہے جو سب سے رذیل
یہ پستی میں ڈالے یہ کردے ذلیل
(۱۴/۱۸)

نجات کے تین راستے

جب مادی دنیا میں پھنسی ہوئی جیوآتما کا منتہائے نظر پرماتما سے جا ملنا ہے، تو دیکھنا چاہیے کہ اس منزلِ مقصود (یعنی نجات) تک پہنچنے کے لئے کون سے راستے اختیار کرنے چاہئیں۔ یہ تین راستے ہیں۔

۱۔ کرم مارگ (راہِ عمل) ۲۔ بھکتی مارگ (راہِ عشق و محبت) ۳۔ گیان مارگ (راہ عرفان)

(ا) کرم مارگ (راہِ عمل)

گیتا کا مسلک یہ ہے کہ ہر عمل کی جزا ملنا لازمی ہے۔ انسان جو بھی کام کرتا ہے، اس کا اثر اس کے ذہنی اوصاف یا گنوں پر پڑتا ہے۔ مرنے پر یہ گنوں کا مجموعہ اس کی جیوآتما (روح) کے ہمراہ جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس کی روح کو بُری یا بھلی جونی میں جانا پڑتا ہے۔ اُس کی روح جس قدر ارتقائی منازل طے کر چکی ہوگی، اسی قدر اعلیٰ جونی اس کو حاصل ہوگی۔ اس لئے نجات کے لئے اعمالِ صالح ضروری ہیں۔

بعض لوگ ترکِ عمل (سنیاس) کو راہِ نجات سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے۔ نہ کرم ہوں گے نہ اُن کی سزا و جزا کی وجہ سے تناسخ کے چکر میں جانا پڑے گا۔ گیتا اس کو پسند نہیں کرتی۔

کہ انساں بھی ترکِ اعمال سے
رہا ہو نہ کرموں کے جنجال سے

فقط ترکِ اعمال سے ہے محال
کہ حاصل کسی کو ہو اوجِ کمال
(۳/۴)

عمل اور حرکت قانونِ فطرت ہے۔ مثلاً دورانِ خون ہی بند ہو جائے تو انسان ایک پل زندہ نہیں رہ سکتا۔

جہاں میں نہ دیکھو گے تم ایک پل
کہ کوئی بھی فارغ ہے اور بے عمل
سبھی کام کرنے پہ مامور ہیں
گُنوں ہی سے فطرت کے مجبور ہیں
(۳/۵)

مجھے دیکھ دنیا کا دینا ہے کچھ
نہ تینوں جہانوں سے لینا ہے کچھ
کمی کچھ نہیں گو مجھے زینہار
مگر پھر بھی رہتا ہوں مصروفِ کار
(۳/۲۲)

سُن اب مجھ سے کرموں اکرموں کا راز
نہ دانا بھی جن میں کریں امتیاز
بتاتا ہوں کرموں کا رستہ تجھے
جو آزاد کر دے گا سنسار سے
(۴/۱۶)

جب عمل کے بغیر چارہ نہیں تو پھر انسان کیسے اعمال کرے؟ سزا و جزا سے بچا رہے۔ اس کا جواب گیتا نے یہ دیا ہے کہ:

نشکام کرم

نشکام کرم کرے یعنی (۱) اپنے فرائض بجا لائے۔ (۲) جو کام کرے خدا کے لئے

کرے۔ (۳) کسی کام سے اجر و انعام کی توقع نہ رکھے اور نہ اسے اجر و انعام کے لالچ میں کرے یا دوسرے الفاظ میں بھگوت ارپن بدھی سے سب کام کرے۔ یعنی سب کام فی سبیل اللہ کرے۔ یہی سب سے اُونچا گیتا کا نشکام کرم ہے۔

سب سے پہلے انسان کو چاہیے کہ وہ فرائض ادا کرے جو اس کی اپنی ذات اپنے اہل و عیال، اپنے سماج، اپنے وطن، بنی نوع انسان یا دیگر حیوانات سے متعلق ہیں، کیونکہ فرض کی تعمیل عین عبادت ہے۔

وہی ذات جس سے خدائی ہوئی
جو سارے جہاں پر ہے چھائی ہوئی
اسی کی پرستش ہے تعمیلِ فرض
ہے تکمیل انساں کی تکمیل فرض
(۱۸/۴۸)

جو ہے فرض تیرا کر اُس پر عمل
کہ ترکِ عمل سے ہے بہتر عمل
عمل چھوڑ دینے ہوں تجھ کو تمام
تو مشکل ہے تیرے بدن کا قیام
(۳/۸)

۲۔ ہر کام خدا کے لئے کرو۔ ہر کام کو یگیہ (قربانی) سمجھ کر کرو اور کسی کام سے پھل کی توقع نہ رکھو۔

تجھے کام کرنا ہے او مردِ کار
نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار
کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اس کا پھل
عمل کر عمل کر نہ ہو بے عمل
(۲/۴۷)

صحیح لائحۂ عمل یہ ہے کہ فاعلِ حقیقی خدا کو سمجھو۔ تم اس کے ہاتھ ہو جو کام کر رہے ہو، تم اس کی آنکھ ہو جو دیکھ رہے ہو، تم اسی کے کان ہو جو سُن رہے ہو۔ تم اسی کے پاؤں ہو جو چل رہے

ہو۔کام تمہارا نہیں، کام خدا کا ہے۔کام تم نہیں خدا کر رہا ہے۔فطرت کر رہی ہے، فطرت کے گن کر رہے ہیں۔تم اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کردو جو کام وہ تم سے کرا رہا ہے، کئے جاؤ۔تمہارے دل میں کام وابستگی نہ ہو۔اگر تم کام کو اس کے پھل کے لئے نہ کرو گے تو تمہارا عمل بھی عین ترکِ عمل ہو جائے گا۔تم جزا اور سزا سے بری ہو جاؤ گے اور تم پر اس کرم کا کوئی اثر نہیں ہوگا:

وہ انساں جو دیکھے اکرموں کا پھل
اکرم اس کو آئے نظر عین کرم
وہ لوگوں میں دانا ہے اور ہوشیار
وہ یوگی ہے گو سب کرے کاروبار
(۴/۱۸)

اگر تم خود کو فاعل سمجھتے ہو تو تم غلطی پر ہو۔تمہارے دل میں خودی ہے۔تمہاری عقل جہالت میں پھنسی ہے۔

یہ دنیا کی رونق یہ کاموں کی دُھن
سبب اس کا اصلی ہیں فطرت کے گن
مگر جس کے دل میں اہنکار ہے
سمجھتا ہے خود کو کہ مختار ہے
(۳/۲۷)

کام کرو لیکن خدا کا کام سمجھ کر اپنی ذات کو بے تعلق کر کے جیسے کنول کا پتہ پانی میں رہ کر بھی خشک رہتا ہے۔

رہے بے تعلق کرے جب عمل
خدا ہی کی خاطر کرے سب عمل
خطا سے ہمیشہ رہے گا بری
کنول کے نہ پتے پہ ٹھہرے تری
(۵/۱۰)

جو یوگی ہے سرشار چھوڑے گا پھل

سکونِ ابد لائیں اس کے عمل
جو یوگی نہیں وہ ہوس کا فقیر
رہے پھل کی خواہش میں ہر دم اسیر
(۵/۱۲)

عمل جس قدر ہیں یگ کے سوا
وہ دنیا کے بندھن میں رکھیں سدا
کئے جا تو سب کام یگ جان کر
لگاوٹ نہ رکھ اور نہ پھل پر نظر
(۳/۹)

ایثار اور قربانی فطرت کا قانون ہے۔ پتھر پس پس کر خاک ہو جاتے ہیں تا کہ نباتات کی خوراک بن سکیں۔ نباتات حیوانات کی خوراک بنتے ہیں، حیوانات حیوانات کی۔ اسی قانون کے تحت انسان کو انسان کے لئے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ یہ ہے ترکِ عمل...... یہ ہے سنیاس۔

فقط میری خاطر تو ہر کام کر
ہون دان دے سب میرے نام پر
ترا کھانا پینا ہو میرے لئے
ترا تپ سے جینا ہو میرے لئے
(۹/۲۷)

کٹیں گے یہ کرموں کے بندھن تمام
نہ ہوگا بُرے یا بھلے پھل سے کام
جو تو پاک دل ہو کے سنیاس پائے
تو آزاد ہوکر مرے پاس آئے۔
(۹/۳۰)

پس انسان کو دنیا میں نائبِ الٰہی ہوکر رہنا چاہیے۔ اس پر لازم ہے کہ جو کام کرے، خدا کے لئے کرے، خودی سے دُور رہے، خود کو خدا کی طرف سے مامور سمجھے اور کوئی کام محض دینوی

فائدے کو مدِ نظر رکھ کر اور ہوا و ہوس (لابھ) کی خاطر نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل کو چین اور من کو شانتی حاصل ہوگی اور وہ وصالِ ذات باری حاصل کر سکے گا۔

یگیہ، تپ اور دان

دِل کی اس ستوگنی کیفیت کے ساتھ ہی یگیہ، نذر و نیاز بکار آمد ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض بیکار ہیں۔

وہی ہے ستوگن کا یگ بالضرور
نہ ہو پھل کی خواہش کا جس میں فتور
عمل شاستر کی رعایت سے ہو
عبادت عبادت کی نیت سے ہو
(۱۱/۷)

یگیہ کرنے والا وہی بہتر ہے جس کے خیالات بلند ہیں۔

جو کریا میں دیکھے خدا ہی خدا
ہے اگنی خدا اور ہَوا بھی خدا
ہَون اور ہون کرنے والا وہی
خدا سے جُدا وہ نہ ہوگا کبھی

اسی طرح تپ (ریاضت) میں ریاکاری اور ظاہرداری مفید نہیں۔

ریاضت دکھاوے کی گر جی کو بھائے
کہ لوگوں میں عزت ہو پوجا کرائے
ریاضت وہ چنچل ہے ناپائدار
کر اُس کو رجوگن ریاضت شمار

سخاوت وہی اچھی ہے جو بے دلی سے نہ کی جائے، جس سے بدلے کی توقع نہ ہو، جو مستحق لوگوں کو دی جائے اور جن کو دان دیا جائے، اُن کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔

ہو احساں کے بدلے کی خواہش اگر
سخاوت میں پھل پر لگی ہو نظر

اگر بے دلی سے کوئی دان دے
رجوگن سخاوت اسے جان لے
(۷/۲۱)
اگر نامناسب ہے وقت اور مقام
اسے دان دیں جس کو دینا حرام
جو لے، اُس کی ذلت کریں دل دکھائیں
تموگن سخاوت اسی کو بتائیں
(۷/۲۲)

اسی پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے لئے ۱۷ویں اور ۱۸ویں ادھیائے خاص طور پر ملاحظہ ہوں۔

بھگتی مارگ (راہِ عشق ومحبت)

راہِ عشق و محبت میں پہلا قدم اپنے من پر قابو پانا یعنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دینا ہے۔ محسوسات کی محبت اور ان سے لگاؤ دُور کر کے تمام تر توجہ پرماتما کے دھیان میں لگا دینے سے بھگتی حاصل ہو سکتی ہے۔

ذرا سا بھی دے کوئی کچھوے کو چھوڑ
تو لیتا ہے فوراً سب اعضا سکیڑ
سکیڑے جو ہر شے سے اپنے حواس
وہ ہے قائم العقل اے حق شناس
(۲/۵۸)

فانی کی محبت کا نتیجہ جدائی ہے جو سکھ اس سے حاصل ہوتا ہے اس کا نتیجہ دُکھ ہے۔

تعلق سے پیدا جو ہوتا ہے سُکھ
اسی سے نمایاں ہو آخر میں دُکھ
جو سُکھ کا بھی انجام و آغاز ہے

تو دانا کہاں اس سے خوش کام ہے
(۵/۱۲)

لیکن محسوسات سے بے تعلقی کا یہ مطلب نہ ہو کہ لذاتِ دینوی سے بظاہر الگ رہے مگر دل میں اُن کی تمنا رکھے۔

کرے نعمتیں ترک پرہیز گار
مگر شوقِ لذت سے ہو بے قرار
اُسے ترکِ لذّت کی لذّت ملے
جس دید باری کی دولت ملے
(۲/۵۹)

جب انسان کی محبت کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ ہو جائے تو ماسوا کی اُلفت دل سے دُور ہو جاتی ہے۔ جہاں باقی سے عشق ہو وہاں فانی کے لئے جگہ نہیں رہتی۔ اسی کا نام تیاگ، اسی کا نام ترک دنیا۔

جما دھیان مجھ میں ہو مجھ پر فدا
تُو کر یگ تو میرے لئے سر جھکا
اگر یوگ میں دل لگائے گا تُو
مَیں مقصود ہوں مجھ کو پائے گا تُو
(۹/۳۴)

یہ مقامِ عبادت ہے۔ دلی خلوص اور سچی محبت سے انسان خدا تعالیٰ کی پرستش کرے کیونکہ اصل عبادت یہی ہے۔

لگا مجھ میں دل بھگت ہو جا مرا
تو کر یگ تو میرے لئے سر جھکا
مجھے تجھ سے مجھ سے تجھے پیار ہے
مرا وصل کا تجھ سے اقرار ہے
(۱۸/۶۵)

عبادت کے لئے سب راہیں کھلی ہیں، جو طریق تم کو پسند ہے، اسی طریق سے عبادت

کرو۔ یہاں تو خلوص کی ضرورت ہے، رسوم کی نہیں۔تمام مذاہب کی منزل ایک ہی ہے۔یعنی قربِ باری تعالیٰ۔اس لئے کسی ایک راہ کی قید نہیں۔

مرے پاس جس راہ سے لوگ آئیں
مَیں راضی ہوں ارجن مراد اپنی پائیں
اُدھر سے چلیں یا اِدھر سے چلیں
مرے سب ہیں رستے جدھر سے چلیں

بت پرستی

بے سمجھ آدمی صرف میرے مظاہر کی پوجا کرتے ہیں۔کوئی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں، کوئی بھوتوں کو۔لیکن عارف لوگ خاص میری ذاتِ بے نشاں کی عبادت کرتے ہیں جو جس کی پوجا کرے گا، اُسی تک پہنچے گا۔جو میرا بھگت ہوگا مجھ سے واصل ہوگا۔

ہوا و ہوس سے جو مجبور ہیں
ہوئے گیان سے ان کے دل دُور ہیں
نکالیں طبیعت سے پوجا کی ریت
کریں دوسرے دیوتاؤں سے پریت
(۷/۲۰)

منائیں جو پتروں کو پتروں تک آئیں
جو بھوتوں کو پوجیں وہ بھوتوں کو پائیں
صنم کے پجاری صنم سے ملیں
ہمارے پرستار ہم سے ملیں
(۹/۲۵)

جولوگ بہشت کی خاطر عبادت کرتے ہیں یا دیوتاؤں کو پوجتے ہیں، وہ گویا تجارت کرتے ہیں۔وہ بہشت میں ضرور پہنچیں گے لیکن اپنے اعمال کا اجر پا کر کچھ عرصے میں ان کا نیکی کا سرمایہ ختم ہو جائے گا اور وہ پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور ازسرِ نو ارتقائی منازل طے کریں گے۔

جنہیں تینوں ویدوں میں ہے دسترس

وہ جنت کے طالب پیئں سوم رس
پرستار میرے یہ معصوم لوگ
ملے ان کو جنت میں دیووں کا بھوگ
(۹/۲۰)

فضاؤں میں جنت کی خوشیاں منائیں
مگر ہو کے خالی یہیں لوٹ آئیں
مراد اپنی ویدوں سے پاتے رہیں
وہ آتے رہیں اور جاتے رہیں
(۹/۲۱)

بھگتی کے لئے ذات کی کوئی قید نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف برہمن یا پنڈت یا کشتری ہی عبادت کر سکتے ہیں بلکہ ویش ہو، شودر ہو، عورت ہو خدا کی راہ سب کے لئے کھلی ہے۔

کوئی آدمی گرچہ بدکار ہے
مگر میرا دل سے پرستار ہے
اسے بھی سمجھ لے کہ سادھو ہے وہ
ارادے میں نیکی کے یکسو ہے وہ
(۹/۳۰)

وہ دھرماتما جلد ہو جائے گا
قرار و سکوں دائمی پائے گا
سمجھ دل سے یہ بات کنتی کے لال
مرا بھگت پائے نہ ہر گز زوال
(۹/۳۱)

بشر پاپ کے پیٹ سے ہو کوئی
وہ ہو شودر یا ویش یا استری
مجھے آسرا جب بنائے گا وہ
تو اعلیٰ منازل پہ جائے گا وہ

(۹/۳۲)

بھگت کون ہے اور بھکتی کیا ہے۔اس کے لئے بارھویں ادھیائے کا مطالعہ کرو۔ یہاں اس میں سے چند شلوک درج کئے جاتے ہیں۔

جو دنیا کو آزار دیتا نہیں
جو دنیا سے آزار لیتا نہیں
بَری بغض و عیش و غم و خوف سے
وہی ہے مرا بھگت پیارا مجھے

(۱۲/۱۵)

برابر جسے دوست دشمن تمام
نہ سکھ دکھ نہ عزت نہ ذلت سے کام
ہو گرمی کہ سردی جسے ایک سی
لگن ہو کسی سے نہ جس کی لگی

(۱۲/۱۸)

برابر ہوں جس کے لئے مدح و ذم
وہ کم گو نہ جس کو غم بیش و کم
قوی دل کا آزاد گھر بار سے
وہی ہے مرا بھگت پیارا مجھے

(۱۲/۱۹)

گیان مارگ (راہ عرفان)

انسانوں کی فطرت مختلف ہوتی ہے۔بعض میں جوش عمل کا غلبہ ہوتا ہے،اُن کے لئے خدا تک پہنچنے کا بہترین رستہ کرم یوگ ہے۔وہ نشکام کام کریں۔یعنی بے لوث اور لالچ کے ہر کام کو خدا کا کام سمجھ کر کریں۔یہی ان کے لئے راہِ نجات ہے۔

بعض انسانوں میں فطرتاً عشق و محبت کا ولولہ ہوتا ہے۔اُن کی طبیعت جذباتی ہوتی ہے۔ اُن کے لئے بھکتی یوگ اور خالص عبادت ہی راہِ نجات ہے۔

گیان سے مراد ہے معرفتِ الٰہی۔ ایسے لوگوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ حقیقتِ ذاتِ باری پر غور کریں۔ پرماتما اور آتما کے راز کو سمجھیں۔ دنیا و مافیہا کی کثرت میں وحدت کی تلاش کریں۔ یہی ان کو معراجِ کمال تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔

نظر آئے جس گیان سے برملا
ہر اِک میں وہی ہستیِ لافنا
جو کثرت میں وحدت کی پہچان ہے
تو عینِ ستوگن یہی گیان ہے
(۱۸/۲۰)

جسے آئے کثرت میں وحدت نظر
کہ ہر رنگ میں ہے وہی جلوہ گر
جو وحدت سے کثرت کا سمجھے ظہور
خدا سے ہو واصل وہی بالضرور
(۱۳/۳۰)

ایسے گیانی (عارف) پر تناسخ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اگر آتما کو کوئی جان لے
گنوں اور مایا کو پہچان لے
رہے جیسے چاہے وہ جس حال میں
نہ آئے تناسخ کے جنجال میں
(۱۳/۲۳)

مساوات

گیانی کو جب عرفانِ باری حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہر طرف ایک ہی پرماتما کا ظہور نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ سب جانداروں کی مساوات کا قائل ہوتا ہے۔ برہمن اور چنڈال کو ایک جیسا سمجھتا ہے۔ سب کے دُکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ اُس کا دل ہمدردی کا سرچشمہ اور رحمت کا منبع ہو جاتا ہے۔

جو گیانی ہے یکساں نظر اُس کو آئے
وہ ہو کوئی کُتا کہ ہاتھی کہ گائے
کوئی برہمنِ عالم و بردبار
کہ چنڈال ناپاک مردار خوار
(۵/۱۸)

وہ یوگی ہے افضل جسے ہوں سب ایک
سگے دوست، بے لاگ احباب نیک
ہوں ثالث کہ دشمن دلآزار ہوں
وہ دھرماتما ہوں کہ بدکار ہوں
(۶/۹)

سُکھ اوروں کا سمجھے جو اپنا ہی سُکھ
دُکھ اوروں کا سمجھے جو اپنا ہی دُکھ
جو سب کو کرے اپنے جیسا خیال
سُن ارجن کہ یوگی ہے وہ باکمال

گیانی عارف

جس کو گیان حاصل ہو جائے، اُس کی دنیا ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ وہ دن رات خدا کے خیال میں مست رہتا ہے۔ اُس کے دل میں سکون ہوتا ہے۔ دُکھ سُکھ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

جسے رات کہتی ہے دنیا تمام
نگاہوں میں عارف کی دن ہے مدام
جو دن اہلِ عارف کے نزدیک ہے
وہ عارف کی شب ہے کہ تاریک ہے
(۲/۶۹)

وہ عارف خدا میں رہے استوار
نہ اُلجھن جسے ہو نہ دل بے قرار

مسرت جو پائے تو شاداں نہ ہو
مضرت جو پہنچے پریشاں نہ ہو
(۵/۲۰)

سمندر میں غائب ہوں دریا ہزار
رہے گا وہ لبریز اور با وقار
سب ارماں ہوں کم جن کے سینے میں بس
وہیں پائیں راحت نہ اہلِ ہوس
(۲/۷۰)

عارف کو دل کی یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

جو عقلِ ارادی رہے مستقل
تو یکسو ہو اور پختہ انساں کا دل
ارادہ ہو جس کا نہ سلجھا ہوا
رہے گا خیالوں میں اُلجھا ہوا
(۲/۴۱)

جہاں غم ہے باقی نہ کچھ سوگ ہے
یہی یوگ ہے ہاں یہی یوگ ہے
اسی یوگ میں دل یقیں سے جماؤ
اسی یوگ سے تم عقیدت دکھاؤ
(۶/۲۳)

رکھ ارجُن تو دل یوگ میں استوار
تو کر بے لگاوٹ عمل اختیار
نہ جیتے کی شادی نہ ہارے کا سوگ
کہ دل کے توازن کا ہے نام یوگ

(۲/۴۸)

من انساں کا چنچل ہے اور بیقرار
رہے دوڑتا بھاگتا بار بار
وہ بھاگے تو باگ اس کی جھٹ موڑ دے
حفاظت میں پھر روح کو چھوڑ دے

عارف میں اوصاف ہونے چاہئیں۔ دیکھو تیرھواں ادھیائے شلوک ۷ تا ۱۱۔

گیان (عرفان) حاصل کرنے سے انسان کے اعمال نرالے رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ وہ سرتا پا چشمۂ رحمت بن جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے خدائی فیضان تمام مخلوق کو پہنچنے لگتا ہے۔ اعمال کی سزا و جزا کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کے تمام اعمال جل جاتے ہیں:

سُن ارجن جو انبارِ خاشاک ہے
لگے آگ اُس میں تو سب خاک ہے
یونہی گیان اگنی سے جاتے ہیں جل
بُرے ہوں عمل یا بھلے ہی عمل

(۴/۳۷)

اس کی وجہ یہ ہے:

جو ارجن ملے گیان اُلجھن ہو دُور
تو ہو اس حقیقت کا تجھ پر ظہور
کہ سارا جہاں ہے تری ذات میں
تری ذات یعنی مری ذات میں

(۴/۳۵)

عارف کو کیا اجر ملتا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہو:

جو انساں کرے خواہشیں دل سے دُور
ہوس کا نہ ہو جس کے دل میں فتور

نہ اُس میں خودی ہو نہ ہو میر تیر
سکوں اُس کو حاصل ہے دل اُس کا سیر
(۲/۷۱)

یہی ہے مقامِ وصالِ خدا
جہاں آکے ہوں سب توہم فدا
دمِ واپسیں بھی جو یہ گیان ہو
تو حاصل اسے برہم نروان ہو
(۲/۷۲)

مہا آتما مجھ سے پاکر وصال
رہیں پُر سکوں لے کے اوجِ کمال
حلول و تناسخ نہ دَورِ حیات
فنا و مصیبت سے پائیں نجات
(۸/۱۵)

جو یوگی رہے یوگ میں استوار
گناہوں سے دامن نہ ہو داغدار
اسی کو ملے نعمتِ بیکراں
کہ پائے وصالِ خدائے جہاں

فوق البشر انسان

آخر میں ہم چند شلوک ایسے درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ گیتا کس قسم کے فوق البشر انسان سے پیار کرنا چاہتی ہے:۔

جو سُکھ سے سُکھی ہو نہ دُکھ سے دُکھی
نہ خوف اُس کو آئے نہ غصہ کبھی
نہ جذبوں کے جنجال میں آئے وہ

مُنی قائم العقل کہلائے وہ
(۲/۵۶)
بُرائی جو پہنچے تو نالاں نہ ہو
بھلائی جو پائے تو شاداں نہ ہو
کسی سے تعلق نہ اس کو لگاؤ
یہی قائم العقل کا ہے لگاؤ
(۲/۵۷)
مساوات میں دل لگائے ہوئے
جنم پر وہ قابو ہے پائے ہوئے
ہے بے عیب و یکساں جو ذاتِ خدا
رہے ذات میں اس کی قائم سدا
(۵/۱۹)
نہ اشیائے ظاہر سے اُس کو لگن
ہے آنند سے آتما میں مگن
جو برہم یوگ ہی سے سروکار ہے
دوامی مسرّت میں سرشار ہے
(۵/۲۱)
نہ غصہ ہے جس میں نہ رنگِ ہوس
خیال و طبیعت پہ ہے جس کا بس
ملا آتما کا جنہیں گیان ہے
انہیں ہر طرف برہم نروان ہے
(۵/۲۶)

(اقتباسات دل کی گیتا از خواجہ دل محمد)

منور لکھنوی

نسیم عرفاں کے کچھ اشلوک

رکھتا ہوں وجودِ سرمدی میں۔ پیدا ہوتا نہیں کبھی مَیں
بانیِ بزم حیات کا ہوں۔ مالک کل کائنات ہوں مَیں
پھر بھی فطرت پہ آکے غالب۔ کرتا ہوں مَیں اختیار قالب
جب پیش آتی ہے کچھ ضرورت۔ کرلیتا ہوں قبول صورت

☆

مری ذات ہے مالکِ کائنات۔ نہ اس کو ولادت نہ اس کو ممات
جو کام اپنی فطرت کو لاتا ہوں مَیں۔ ظہور اپنی مایا سے پاتا ہوں مَیں
تنزل پہ جس وقت آتا ہے دھرم۔ ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم
یہ اندھیر جب دیکھ پاتا ہوں مَیں۔ تو انساں کی صورت میں آتا ہوں مَیں

☆

بھلوں کو بُروں سے بچاتا ہوں مَیں۔ بُروں کو جہاں سے مٹاتا ہوں مَیں
جڑیں دھرم کی پھر جماتا ہوں مَیں۔ عیاں ہو کے یُگ یُگ میں آتا ہوں مَیں

☆

ہر دھرم کو الوداع کہہ کر۔ ہر کرم کو الوداع کہہ کر
رکھو نہ کسی سے کوئی مطلب۔ آجاؤ مری پناہ میں اب
ہو دِل نہ شکستہ رنج وغم سے۔ میری رحمت مِرے کرم سے
ہو جائیں گے پاپ دُور سارے۔ باقی نہ رہیں گے دُکھ تمہارے

☆☆☆

گیا نیشوری

گیتا کی منظوم تفسیر

بھلتی تحریک سے مذہبی رجحان کی حامل جو ہستیاں متاثر ہوئیں ان میں سورداس، ایک نام، تکارام، رام داس، میرا اور گیا نیشورا ہم ہیں۔ چوں کہ گیا نیشور نے گیتا کی مراٹھی میں منظوم تفسیر کی اس لیے وہ کرشن بھگتوں میں ممتاز خیال کیے جاتے ہیں۔ گیا نیشوری محض ترجمہ ہی نہیں ہے، تفسیر بھی ہے۔ اور کسی حد تک تخلیق یا تصنیف بھی۔ گیا نیشور کی اپنی بھلتی کے ساتھ ساتھ ان کی گیا نیشوری، نے بھی ان کو امر اور قابل احترام بنا دیا۔ پونے کے نزدیک آلندی میں جہاں وہ پیدا ہوئے تھے وہیں ان کی سمادھی بھی ہے جو آج بھی زیارت گاہ کا سا درجہ رکھتی ہے۔ گیا نیشور کا زمانہ چودھویں صدی کے آخری برسوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کو بھگت کبیر کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔

اگر چہ گیا نیشور کے پہلے گرو اُن کے اپنے بڑے بھائی نیورتی ناتھ ہی تھے مگر گیا نیشور نے اپنے ساتھی نام دیو سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ اور ان ہی کی سنگت میں گیا نیشور نے ہندوستان کا دَورہ بھی کیا۔ تعلیم و تربیت، مشاہدے اور تجربے کے بعد گیا نیشور نے جو قلمی کام انجام دیا اس میں چانگ دیو پاسشٹی، امرتانو بھو، اور بہت سے ابھنگ بھی ہیں جن میں ہری پاٹھ کے ابھنگ زیادہ مشہور ہیں۔ امرتانو بھو ایک طبع آزاد تخلیق ہے جو دس باب پر مشتمل ہے۔ یہ گرنتھی گیا نیشور کی قلم و دیا اور فکر کا پتہ دیتا ہے۔ لیکن سنت گیا نیشور کی گیا نیشوری کو قلمی ادب میں جو بلندی حاصل ہوئی وہ ان کے ہم عصروں کی کسی بھی تالیف یا تصنیف کو حاصل نہیں ہوئی۔

'گیا نیشوری' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے متن میں زور پیدا کرنے یا بات کو باثبوت بنانے کے لیے کسی بھی مذہبی کتاب کا نام حوالے کی صورت میں پیش نہیں کیا گیا۔ گیا نیشور کی اپنی خوداعتمادی کو واضح کرتی ہے۔ دراصل ان کی یہ رچنا پنڈتوں یا مفکروں کے لیے نہیں تھی۔ بلکہ صحیح معانی میں عوام کے لیے تھی۔

گیا نیشور اپنے خالق تک پہنچنے کے لیے وسیلے کے قائل تھے اس لیے 'انھوں نے گیا نیشوری' کے آغاز ہی میں گرو بھلتی کی اپدیشوں کو خوب خوب واضح کیا ہے:۔

''پیڑ کی جڑ میں جب پانی ڈالا جاتا ہے تو وہ پیڑ کی ہر ٹہنی تک پہنچتا ہے اور ہر پتے تک۔ سمندر میں اشنان کیجیے، ہر پاک و مقدس دریا میں اشنان کرنے کی زحمت سے بچ جائے گا اور ثواب بھی اتنا ہیں ملے گا جتنا کہ سب دریاؤں میں اشنان کرنے سے ملتا ہے۔ اسی طرح کسی ایک

سچے گرو کی ریاضت تمام ضرورتیں پوری کر دیتی ہے!''

گیانیشور روح کی اہمیت کے قائل ہیں۔شریر کو وہ ایک شے کہتے ہیں۔ان کا یقین ہے کہ جسم تو ملھن کی ایک گولی ہے جو آگ پر رکھی ہوتی ہے، انجام معلوم! گیانیشور کسی انسان کے ناش ہونے پر حیران ہوتے ہیں۔ان کے خیال میں ان تمام رحمتوں اور نعمتوں کے ہوتے ہوئے کوئی انسان خدا سے کیسے منکر ہوتے ہیں۔

''اگر کوئی انسان آبِ حیات کے دریا میں داخل ہو کر غوطہ لگائے اور آبِ حیات کا ایک بھی گھونٹ نہ پیئے تو اسے بدنصیب ہی جانیے۔ایسے بد بخت اور نابینا میں کیا فرق ہے جو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے دردر بھٹکتا پھرے اور اپنے پاؤں میں پڑے ہیرے کو نہ دیکھ سکے!''

گیانیشور اسی کو روشن ضمیر کہتے ہیں جو ذرّے ذرّے میں اپنے پن کا جلوہ دیکھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔یعنی ایک روشن ضمیر زبان سے بدی اس طرح بھاگتی ہے کہ جیسے چندن سے ڈر کر سانپ بھاگے۔گیتا میں اخلاق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔اعلیٰ کردار کا کھیل تب ہی ممکن ہے کہ جب انسان کی زبان پاک ہو، دل بے زیاں ہو اور دیا سے بھرا ہو، اور ذہن دوسروں کی خطاؤں کو درگزر کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہو۔گیانیشور کی زبان میں ایک مردِ کامل کی پہچان یہی ہے کہ وہ عجز و انکسار کا پتلا ہو۔جو شخص اپنی تعریف میں ایک لفظ بھی ادا کرتا ہے وہ ایک انتہائی نادان انسان سے بھی گیا گزرا ہے۔

''ایک مثالی اور با اصول انسان وہی ہے جو اپنے آپ کو بھلا کر ہوا سے ربط ضبط پیدا کرتا ہے۔آسمان سے ہم کلام ہوتا ہے اور پیڑ پودوں کو بھی دکھ نہیں پہنچاتا اور پیڑ کی پھل دار ٹہنی کی طرح سب کے سامنے اپنا سر جھکائے رہتا ہے!''

گیانیشور نے سوشل سروس یعنی خدمت خلق کو بڑی اہمیت دی ہے ان کے خیال میں انسان کی خدمت پوتر گنگا کا نرمل جل ہے جو پیاسوں کی پیاس بھی بجھاتا، نباتات کو بھی زندگی بخشتا ہے اور روگیوں کے روگ بھی دُور کرتا ہے۔لیکن گیانیشور کی نظر میں وہ بہت ہی بُرا انسان ہے جو مطلب پورا کرنے کے لئے دوسروں کے نقصان کا بھی خیال نہ کرے۔گیانیشور اچھائی و برائی کی ساری ذمہ داری تعلیم اور جہالت کو قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایک جاہل انسان بے حس پتھر کی طرح ہوتا ہے، یا بنا آنکھوں کے انسان کی مانند کہ جسے نہ دن کا علم ہوتا ہے، اور نہ رات کا پتا۔

'گیانیشوری' کی رو سے سچائی کو جاننے کا ذریعہ بھلتی ہی ہے۔

کرشن کی گیتا، ایک پہلو سے تو روحانیت کی علم بردار ہے اور دوسرے پہلو سے وہ علم وحکمت کی سنجی ہے۔'گیتا' کی تفسیر 'گیانیشوری' میں بھی یہ خوبیاں موجود ہیں۔اور ایک تیسری خوبی یہ بھی ہے کہ 'گیانیشوری' کی ایک ادبی اہمیت بھی ہے۔مراٹھی زبان کے کلاسیکی ادب میں سنت گیانیشور

کی 'گیا نیشوری' کو ایک اہم مرتبہ ملا ہوا ہے۔ دراصل 'گیا نیشوری' نے 'گیتا' کو اور بھی زیادہ جلا بخشی ہے۔ 'گیا نیشوری' کی زبان میں مٹھاس بھی ہے اور موسیقیت بھی، دریا کی طرح رواں بھی ہے۔ جس اسلوب میں گیا نیشوری لکھی گئی ہے اس نے اس کو ایک کلاسیکی شہ پارہ بنادیا ہے۔ اگر چہ اس میں دوسرے رسوں کی بھی آمیزش ہے مگر اس کا وہ رس جو اس میں جاری وساری ہے وہ شانت رس ہے۔ چوں کہ مذہبی کتب کا مطالعہ ہو یا مذہبی عبادت وریاضت، ایسی ہر بات کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ قاری یا عابد کو شانتی حاصل ہو۔ چنانچہ سکونِ قلب کے لیے 'گیا نیشوری' میں بھی شانت رس ہی کو ہونا ضروری تھا اور ایسا ہے بھی۔ گیا نیشور نے بھی شانتی یعنی سکونِ قلب ہی کو نہ ختم ہونے والی خوشی کہا ہے اور 'گیا نیشوری' رچنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ دنیا کے بے چین انسانوں کو چین نصیب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آج سے کم وبیش سات سو برس پہلے یعنی ۱۲۹۰ء میں سنت گیا نیشور نے (جب کہ وہ صرف پندرہ برس کے تھے) گیتا کی تفسیر (ترجمہ، تلخیص، شرح اور اپنے وچار بھی) مکمل کی۔ مسودے کو صاف کرنے کا کام گیا نیشور کے ایک عقیدت مند سچدا نند نام کے ایک پٹواری نے انجام دیا۔ گیا نیشور کے سادھی لینے کے ڈھائی تین سو برس تک عوام نے 'گیا نیشوری' کے جس نسخے سے فیض حاصل کیا وہ گیا نیشوری کا پہلا وہی قلمی نسخہ تھا۔ چنانچہ جیسا اکثر ہوا ہے ڈھائی تین صدی کے عرصہ میں گیا نیشوری کے اس نسخہ میں باہر کی بھی ایسی کافی باتیں شامل ہوئیں جن کا اصل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سنت ایک ناتھ نے اس خرابی کو محسوس کیا اور کافی تحقیق کے بعد 'گیا نیشوری' کو پھر سے ایڈیٹ کیا اور آج جو 'گیا نیشوری' موجود ہے وہ سنت ایک ناتھ ہی کی ترتیب شدہ ہے، اور مستند مانی جاتی ہے۔

'گیا نیشوری' میں ادھیائے کی تعداد گیتا ہی کی طرح ۱۸ ہے یہ ادھیائے گیتا کے ۷۰۰ اشلوکوں کی تفسیر پر مشتمل ہیں جو اشعار کی صورت میں ہیں ان اشعار کی تعداد ۹۰۳۳ ہے۔

سنت گیا نیشور چوں کہ 'وارکری پنتھ' کے بانی ہیں جو دراصل 'ناتھ پنتھ تحریک' ہی کا دوسرا نام ہے۔ بھلتی کی اسی تحریک نے وحدت وجود کا پرچار کیا اور ہر طبقے اور ہر ذات کے ہندوؤں کو ایک صف میں لاکھڑا کیا اور برہمہ واد کو چیلنج کیا اسی لئے گیتا کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے گیا نیشور نے مراہٹی جیسی عوام کی زبان میں اس کی تفسیر پیش کی۔ اس تفسیر کو گیا نیشوری کا نام دیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اپنی وارکری تحریک کی تبلیغ کے لیے گیا نیشور نے گیا نیشوری کو جنم دیا۔

آج گیا نیشوری پڑھنے والوں میں ہندو بھی ہیں، اچھوت مسلمان بھی اور عیسائی بھی۔ یہی اس کے جمہوری ہونے کی دلیل ہے۔

(ماہنامہ گگن بمبئی۔ مذاہب عالم نمبر ۱۹۸۴ء)

منور لکھنوی

صدر کی گیتا

موسومہ بھگوت گیتا منظوم

دربار اکبری کے نورتن علامہ فیضی کی منظوم فارسی گیتا کا یہ منظوم اُردو ترجمہ میرے خسر مرحوم علامہ منشی بچھمن پرشاد صدر لکھنوی کی جگر کاوی کا نتیجہ ہے جو ۱۹۱۰ء میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ لیکن اولاً حضرت صدر کی بے نیازی دوم اُن کی ناداری کے باعث یہ ترجمہ مطبوعہ صورت میں پیش نہ کیا جا سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ اُن کی مالی حالت ۱۹۲۰ء سے برابر بگڑتی رہی۔ صحت بھی خراب ہوگئی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں سخت بیمار ہوئے جس کے باعث اپنے محبوبانِ گلفام یعنی شراب و جام سے ایسے کنارہ کش ہوئے کہ اُن کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔

۱۹۲۸ء میں اپنے بڑے صاحبزادے امبکا پرشاد کے بسلسلہ ملازمت دہلی چلے آنے پر حضرت صدر بھی اُن کے ہمراہ چلے آئے اور ۱۹۳۱ء کے آخر تک میرے ساتھ رہے۔ ۱۹۳۰ء میں اُن کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا۔ اس نے انہیں اور بھی زندہ درگور کر دیا۔ افسوس کہ اُن کے چھوٹے صاحبزادے منشی رادھکا پرشاد کا بھی انتقال پچھلے سال کانپور میں بعارضہ فالج ہوگیا۔ ایسے نامساعد حالات میں جب مائحتاج کے لئے بھی انہیں دوسروں کا سہارا طوعاً و کرہاً لینا پڑا، اُن سے یہ توقع کرنا کہ جن ادبی نوادر سے انہوں نے اُردو فارسی کے خزانوں کو زینت بخشی اُن کی اشاعت وطباعت کے اخراجات کے وہ متحمل ہوتے۔

میرے حالات بھی ناگفتہ بہ رہے۔ زمانۂ ملازمت تک جن مالی مشکلات میں مجھے مبتلا رہنا پڑا (اور ان مالی مشکلات کا سلسلہ اب تک جاری ہے) اُن کے باعث بھی جناب صدر کی نوادر کی طباعت و اشاعت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ انہیں مشکلات نے اب تک مجھے اپنے والد مرحوم ملک الشعراء منشی دوارکا پرشاد اُفق کے سوانح اور اُن کے مجموعۂ کلام کی اشاعت سے معذور

رکھا۔ کہنے والے کچھ کہیں لیکن امر واقعی یہی ہے مجھ پر کچھ لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ مَیں نے والد صاحب کا کلام اور حالات اب تک عمداً شائع نہیں کئے اور مَیں خودنمائی اور خودغرضی کے تحت صرف اپنی ہی ادبی خدمات پیش کرنے میں منہمک رہا۔ یقین کیجئے کہ میری جو تصانیف یا تراجم شائع ہو چکے ہیں وہ بھی بڑی کشمکش سے شائع ہو سکے ہیں۔ ایک طرف تو قدرتاً طبیعت کا تقاضا تھا کہ مَیں بھی ادبی دنیا میں روشناس ہو جاؤں اور میری زندگی میں میری خدمات زیادہ سے زیادہ منظرِ عام پر آجائیں۔ ایسی حالت میں قرض و دام کے ذریعے کئی کتابیں چھپیں۔ کئی کتابوں کے حقوق دوسرے اداروں کو دے دیئے۔ دوسری طرف کم مائگی سرِ راہ تھی۔ والد صاحب کا مجموعہ کلام اس میں شک نہیں آج سے کئی سال پیشتر چھپ جانا چاہیئے تھا لیکن اُن کا تمام کلام میرے پاس موجود نہ ہونے پر بھی اتنا ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے کافی سرمایہ چاہیئے۔

زمانے کا رنگ اور مذاق اس قدر بدل چکا ہے، عام قدروں میں اتنا تغیر واقع ہو چکا ہے کہ شاید والد صاحب کے کلام کے قدرداں اب کم ملیں گے۔ وہ جوہری اُٹھ گئے جو ایسے شاہوار گوہروں کے خریدار تھے۔ بہر حال کوشش کر رہا ہوں کہ مَیں والد صاحب کے کلام کا بھی مجموعہ شائع کر ڈالوں اور اس طرح ایک فرضِ عظیم سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اس سلسلے میں کام شروع ہو چکا ہے۔

صدؔر صاحب کی یادگار تصانیف میں اُن کی غزلیں ہیں، قصائد ہیں اور ہزارہا تاریخیں ہیں جو انہوں نے مختلف مواقع پر مختلف واقعات کے سلسلے میں فرمائی ہیں۔ صدر صاحب فارسی اور اُردو دونوں زبانوں کے جیّد فاضل تھے۔ زبان کی تحقیق اُن کا خاص شوق تھا۔ وہ سخندان بھی تھے اور زباں داں بھی۔ اُن کی مشق پختہ تھی۔ فن کا احترام قدم قدم پر مدِ نظر تھا۔ غزلوں، قصیدوں اور تاریخوں کا یہ مجموعہ بھی کافی ضخیم ہے۔ اسی لئے اُن کی طباعت و اشاعت کا کام ہاتھ میں لینے سے پہلے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اُن کا 'ترجمۂ بھگوت گیتا' شائع کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی اُن کی صنعت آفرینی کے کمال کا نمونہ ''سداما'' بھی دوبارہ چھاپ دیا جائے جو صنعت غیر منقوط کا ایک شاہکار ہے۔ 'سداما' صدر صاحب کی زندگی میں چھپ چکا تھا۔ انہوں نے اپنے بڑے فرزند کی موت پر ایک رسالہ ''حیات امبکا پرشادؔ'' بھی تصنیف فرما کر شائع کرا دیا تھا۔

بھگوت گیتا کے اُردو زبان میں کتنے ہی منظوم تراجم شائع ہو چکے ہیں، مَیں چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں تحقیق کر کے یہ بتاؤں کہ اُردو میں گیتا کا منظوم ترجمہ سب سے پہلے کس نے کیا لیکن میری نظر سے گیتا کے کئی منظوم تراجم گزر چکے ہیں اور انہیں میں خود میرا منظوم ترجمہ بھگوت گیتا موسومہ "نسیمِ عرفاں" بھی شامل ہے جو پہلی بار ۱۹۳۶ء میں شائع ہو کر اُس زمانے تک گیتا کا بہترین منظوم ترجمہ قرار دیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا اور ۱۹۶۱ء میں مشورہ بک ڈپو والوں نے اس کا سستا جیبی ایڈیشن شائع کیا ہے۔

اُردو میں گیتا کے کئی ترجمے نثر میں شائع ہوئے لیکن نثر سے زیادہ نظم میں ہوئے ہیں۔

نثر ترجموں میں میرے والد مرحوم منشی دوارکا پرشاد اُفق کا ترجمہ لاہور سے اُن کے ترجمۂ مہابھارت کے ایک جزو کی حیثیت سے شائع ہوا، ناشروں نے اسے الگ بھی چھپوالیا تھا۔ یہ ترجمہ بے حد شستہ اور سلیس ہے۔ اور اُس کی زبان میں قند و شکر کی مٹھاس ہے۔ گیتا کے دشوار مسائل اتنی سادہ اور روزمرہ کی زبان میں مشرح اور واضح طور پر قلمبند کئے گئے کہ بے ساختہ زبان سے "داد" نکل جاتی ہے۔ جو نثر ترجمہ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن مرحوم دہلوی نے کیا ہے، وہ بھی اپنی جگہ لاجواب ہے۔ انہوں نے تو گیتا کے ایک عالم کی حیثیت سے اس کے عمیق نکات کی اتنی فاضلانہ صراحت کی ہے کہ میرے دل سے اس کی فضیلت کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ زبان اگرچہ عالمانہ ہے اور قدرے مشکل اصطلاحی الفاظ ترجمے میں آ گئے ہیں پھر بھی ایک ذی فہم قاری کی تشنگی دُور کرنے کے لئے یہ ترجمہ بہت کافی ہے۔

رائزادہ شانتی نرائن بھٹناگر نے لوک مانیہ تلک کے ترجمۂ گیتا کو اُردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کے ذریعے اُردو والوں کو گیتا کے سلسلے میں تلک کا نقطۂ خیال معلوم ہوا۔ رائزادہ کی بھی خدمت قابلِ قدر ہے۔ اگرچہ ادبی حیثیت سے وہ میرے والد اور پنڈت جانکی ناتھ مدن کے تراجم کی مدِ مقابل نہیں ہو سکتی۔

میرے کرفرما محمد اجمل خاں نے بھی گیتا کا اُردو نثر میں ترجمہ کیا ہے جو الہ آباد سے چھپا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی نثر ترجمے ہیں یا ہوں گے جن کے نام مجھے یاد نہیں لیکن وہ زیادہ قابلِ ذکر نہیں۔

گیتا کا ایک نثر ترجمہ منشی پربھودیال آبر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

فارسی میں گیتا کے دو منظوم ترجمے قابلِ ذکر ہیں ایک تو علامہ فیضی کا ترجمہ جسے جناب

صدر نے اُردو میں منتقل کیا ہے اور دوسرا ترجمہ کنور بدری کرشن فروغ کا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔ علامہ پنڈت امر ناتھ ساحر دہلوی نے فیضی کے نثر ترجمے پر جو تقریظ لکھی ہے اس میں فیضی کے ترجمے کی کچھ خامیاں دکھائی ہیں۔۔ حضرت صدر مرحوم اور بدری کرشن صاحب فروغ نے بھی فیضی کے ترجمہ کو بعض مقامات پر معناً ناقص بتایا ہے۔ فیضی کے ترجمہ میں خامیوں کا ہونا تعجبات سے نہیں۔ اُن کا یہی کمال کیا کم ہے کہ انہوں نے گیتا ایسے اہم صحیفے کو سب سے پہلے فارسی ترجمے کے ذریعے غیر ہندو دُنیا میں پیش کیا۔ اُن کا یہ وہ احسان ہے جو ہندوؤں کو تا ابد الآباد فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

فیضی کی گیتا کے اُردو ترجموں کا تو مجھے علم نہیں۔ ہاں ایک منظوم ترجمہ پچھلے دنوں آلم مظفرنگری نے بھی کیا ہے جو مکتبہ 'برہان' دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

گیتا کے مختلف منظوم تراجم کو خواہ وہ براہِ راست سنسکرت سے ہوئے ہوں خواہ ہندی، انگریزی یا فارسی کی وساطت سے ہوئے ہوں، باہم مقابلہ کرنا کوئی مناسب بات نہیں ہوگی۔ اور یہ کام کچھ آسان بھی نہیں ہے۔ ہر شاعر کا اپنا اسلوبِ نگارش ہوتا ہے۔ ہر ترجمے کے لئے اپنی جداگانہ منتخب بحر ہوتی ہے۔ بیشتر یہ ترجمے مثنوی کی بحر میں ہیں۔ کچھ حضرات نے مسدس میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً رائے بہادر شنکر دیال جج لکھنؤ، رائے برج موہن دیال احقر لکھنوی، میرے عزیز ستیہ پرکاش مہتاب پسروری آج کل گیتا کو مسدس میں نظم کر رہے ہیں۔ فیضی کی گیتا کا جو ترجمہ صدر صاحب والم صاحب نے فرمایا ہے وہ مثنوی میں ہے اور اسی بحر میں ہے جس میں فیضی کا ترجمہ ہے۔ اپنے ترجمے میں مَیں نے ''گلزارِ نسیم'' کی بحر اختیار کی ہے۔

حضرت صدر لکھنوی کے اس ترجمے سے اُن کی کہنہ مشقی ٹپکتی ہے۔ مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ اس ترجمے میں کوئی نمایاں خصوصیت ہے۔ ممکن ہے بعض اصحاب کو اس میں بعض مقامات پر شعریت کی کمی محسوس ہو لیکن اگر آپ فیضی کے ترجمے سے شعر بہ شعر اُن کے ترجمے کا مقابلہ کریں گے تو یہ محسوس ہوگا کہ انہوں نے اپنے ترجمے کو کامیاب بنانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی ہے اور یقیناً بعض مقامات پر ترجمے میں کافی زور و جوش ہے۔

لیکن کئی مقامات پر ترجمے سے مجھے اختلاف ہے اور وہ مقامات ایسے ہیں جہاں علامہ فیضی نے گیتا کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے۔ میرے اس دعویٰ کا ثبوت خود حضرت صدر کی تقریظ اور منشی بدری کرشن فروغ کے تمہیدی اشعار سے بھی ملتا ہے۔ گیتا کا ترجمہ کرتے ہوئے صدر صاحب

نے فرمایا ہے:

ز فیضی است پیشِ نظر ہچمیں بسے اختلاف است در ہچمیں
مگر نظم نادر بود سر بسر کہ پوشاندمش من لباسِ دگر
نگویم کہ فیضی تعصب نمود مگر اینکہ دست تصرف کشود

....

بدری کرشن فروغ نے اپنی گیتا کے صفحہ ۱۰ پر فیضی کے ترجمے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ز فیضی چہ گفتار آواردۂ تو خود خونِ دل را بخود خوردۂ
بگیتائے فیضی کشادی زباں ہم از شاعری ہم ز مضمون آں
ز علمِ عروض آں چہ واقف نبود با اشعار اکثر غلط ہا نمود
ولے کس ندارد سرے سوئے او بہ استادیش می کند گفتگو
مضامینِ گیتا غلط گفتہ است ہم اشعارِ او بے نمط گفتہ است

لیکن حضرت فروغ کے ترجمے کے آخر میں منشی سعید الدین تسکین دہلوی نے تو ایک عجیب ہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس کتاب کے پہلے بھی کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور شاید سب سے پہلا ترجمہ فارسی زبان میں ایک منظوم ترجمہ ہے جو علامہ فیضی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ ہم نے فارسی کتابوں کی بہت سی ورق گردانی کی، کہیں اس کا ثبوت نہیں ملا...... فیضی کی تصانیف کا متعدد جگہ ذکر ہے مگر گیتا کے ترجمہ کا کہیں نام و نشان نہیں.......... موجودہ گیتا جو اُن کے نام سے منسوب کی جاتی ہے، اُس کے مضامین کی بے ترتیبی، عروض کی غلطیاں اور ترجمے کے سقم خود اس بات کے شاہد ہیں کہ علامہ ممدوح کی طرف اس کو منسوب کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور غیر معروف تخلص کی تصنیف ہے جو بوجہ اشتراک اسمی اس کی جانب منسوب ہو گئی ہے۔ اس کا بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ فیضی نے ابنائے زمانہ کے ہاتھوں تنگ آ کر مرزا غالب کی طرح اپنا تخلص ''فیضی'' ترک کر دیا تھا اور بجائے اس کے ''فیاضی'' اختیار کر لیا تھا''

حضرت تسکینؔ دہلوی کی یہ تحریر نہایت اہم ہے۔اور اس کی بنا پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ حقیقت کا پتہ لگایا جائے۔ مجھے فرصت نہیں ورنہ شاید اس معاملے کی طرف توجہ دوں۔مولانا تسکینؔ کا یہ فتویٰ کہ فارسی کا منظوم ترجمہ علامہ فیضی کا نہیں ہے، اسی تخلص کے کسی اور شاعر کا ترجمہ ہے، اُن لوگوں کے لئے چیلنج ہے جو اس ترجمے کو فیضی سے منسوب کرتے ہیں۔مگر مَیں مولانا تسکینؔ کے فتوے سے نہ متفق ہوں، نہ مطمئن۔

صدرؔ مرحوم کو علم و فضل اور شعر گوئی کا ذوق وشوق داد ہیال اور نانہال سے ورثہ میں ملا تھا۔اُن کے والد منشی نوبت رائے کا تخلص مناسب تھا۔ابتداء میں تخلص فرقؔ تھا میرے پاس اُن کے اُس زمانہ کا کلام موجود ہے۔انہوں نے فرق تخلص استعمال کیا ہے۔یہ پتہ نہیں کہ وہ فرق سے صدر کب ہوئے۔صدر صاحب نے ایک اور مثنوی میں اپنے والد مرحوم کے نام سے لے کر مورثِ اعلیٰ تک کے حالات نظم کئے ہیں، جس کا ایک شعر یادگار ہے:

سورکھ تھہ نظم سب کس سب تھا
سورکھوال اس لئے لقب تھا

آپ کے نانا گنگا پرشاد بہت بڑے نثار تھے اور آپ کے پرنانا منشی لال چند اُنسؔ مرزا قتیل کے تلانذہ میں تھے۔حضرت اُنس کا فارسی دیوان اور ایک یادگار ''رقعاتِ اُنس'' میرے پاس محفوظ ہے۔سابق شاہانِ اودھ کے دیوان مشیر الدولہ مہاراج ادھیراج راجہ بال کرشن بہادر جسارت جنگ کی حقیقی نواسی جناب صدرؔ سے منسوب تھیں۔

جناب صدر فارسی کے اور اُردو کے باکمال شاعر تھے۔آپ کی غزلوں کا ایک قلمی دیوان جس کا تاریخی نام ''چمنستانِ سخن'' ہے، میرے پاس محفوظ ہے۔غزل گوئی سے آپ کی استادانہ شان ٹپکتی ہے۔مختلف صنفوں میں آپ کے قصائد کا مرتبہ کسی طرح کم نہیں اور تاریخ گوئی میں تو چند مستثنیات کے علاوہ آپ کا جواب ناپید ہے۔مَیں نے جنابِ صدرؔ کے کمالات کا ذکر اپنے تین مضامین میں کیا ہے جو کانپور کے رسالہ زمانہ بابت جون ۱۹۳۲ء نومبر ۱۹۳۲ء اور مئی ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے تھے۔

اُردو میں حضرت صدرؔ نے مرزا نسیم دہلوی کے شاگرد منشی خیراتی لال شگفتہ کے سامنے

زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فارسی میں انہوں نے پہلے آغا کمال الدین سنجر طہرانی سے مشورہ لیا۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا تھا۔

کوس شاگردیِ سنجر می زنم صدر الفرس
داند استعدادِ من آنکس کہ اُستادِ من است

جب حضرت سنجر لکھنؤ سے رام پور چلے گئے تو آپ اپنا فارسی کلام خواجہ عزیز الدین مرحوم کو دکھاتے رہے۔ اس کے بعد خود اپنی طبیعت پر بھروسہ کیا......

حسب ذیل تصانیف جناب صدرؔ کی یادگار ہیں:

دیوانِ غزلیات (چمنستانِ سخن)

قصائد

''سدا ما'' غیر منقوط مثنوی جو اس ترجمے کے ساتھ شامل ہے...... ''قصہ شہزادہ ہیم چند''...... حیات امبکا پرشاد...... انتخابِ صدر (منتخب قصائد اور تاریخوں کا ضخیم مجموعہ)۔

اگرچہ مَیں نے گیتا کے اس ترجمے کا نام صدرؔ کی گیتا رکھا ہے لیکن حضرت صدرؔ نے اس کے کئی نام رکھے تھے جن کے الفاظ کے اعداد سے سال تصنیف برآمد ہوتا ہے۔

فیضانِ عرفان	بھگوت گیتا منظوم	خورشیدِ معرفت اور ارمغانِ حقیقت
۱۳۴۲ھ	۱۹۱۰ء	۱۹۱۰ء

بہرحال جنابِ صدرؔ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ دیکھیے اربابِ ادب اسے کہاں تک ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔۔۔ اگر حالات نے اجازت دی تو جنابِ صدرؔ کی غزلوں اور تاریخوں کا بھی مجموعہ منظرِ عام پر لایا جائے گا تاکہ اس بزرگ فاضل کی یادگار قائم رہ سکے اور اس کے کارنامے کس مپرسی کے عالم میں نہ پڑے رہیں۔

فیض گنج، دریا گنج دہلی
۲۵ر جنوری ۱۹۶۲ء

بشیشور پرشاد منورؔ

☆☆☆

اُردو میں گیتا کے کچھ دستیاب نسخے

نام کتاب	مترجم	سنہ	صفحات	ناشر / کتب خانہ
آہنگِ سرمدی یعنی (عرفان ترجمہ گیتائے منظوم)	الم مظفر نگری	۱۹۵۴ء	۱۱۹	مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۹ ہندومت اُردو
اُتر گیتا	منشی لال سنگھ	ـ	۲۷	رفاہِ عام پریس سیالکوٹ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC8409
اصلی پوتھی شریمد بھگوت گیتا	ـ	ـ	۱۵	رتن اینڈ کو دریبہ کلاں دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23807
بھگوان کا مدھر گیت گیتا	دیا رام آہوجہ	۱۹۷۴ء	۱۱۰	جمال پرنٹنگ پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23824
بھگوت گیتا اُردو	بابو بھگوان داس	۱۹۲۸ء	۳۷۶	منشی نول کشور پریس لکھنؤ/رضا لائبریری رام پور کتاب نمبر ۱۵ ـ اُردو
بھگوت گیتا (ترجمہ)	بدری کرشن فروغ	۱۹۴۱ء	ـ	ـ
بھگوت گیتا	ـ	ـ	۴۰۲	ـ/رام پور رضا لائبریری رام پور کتاب نمبر ۸۱ ہندومت اُردو
بھگوت گیتا	دیبی پرساد	ـ	۹۰	رام پریس میرٹھ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24204
بھگوت گیتا	منشی رام سہائے تمنا	۱۹۱۳ء	۱۳۲	منشی نول کشور لکھنؤ/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر 250-U/27-
بھگوت گیتا	پنڈت سرب دیال	۱۹۰۳ء	۱۶۴	کشن چند لاہور/رضا لائبریری رام پور نمبر ۲۵ ہندومت اُردو
بھگوت گیتا	شیام سندر	ـ	ـ	ـ
بھگوت گیتا	شبھ راج کشور احقر جائسی	ـ	۱۴۰	ـ/لائبریری الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد کتاب نمبر 250-U/21
بھگوت گیتا	خلیفہ عبدالحکیم		ـ	ـ
بھگوت گیتا حصہ اول	سوامی مترسین	ـ	ـ	آہوجہ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۵۶ ـ مذہب
بھگوت گیتا حصہ دوم	سوامی مترسین	ـ	ـ	نامی پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۵۷ ـ مذہب
بھگوت گیتا حصہ سوم	سوامی مترسین	ـ	ـ	آہوجہ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۵۸ ـ مذہب
بھگوت گیتا	پنڈت لکشمی نرائن مصرا	ـ	۱۲۷	انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی/لائبریری الہ آباد یونیورسٹی کتاب نمبر 25-U/8
بھگوت گیتا	محمد اجمل خاں	۱۹۳۵ء	۱۹۱	انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد ۹/۱۰۴ /ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۵۴۶ ـ مذہب
بھگوت گیتا (منظوم) نسیم عرفاں	بشیشور پرساد منور لکھنوی	۱۹۵۵ء	۲۵۶	آدرش کتاب گھر، دہلی/رضا لائبریری رام پور ۱۳۴ ہندومت اُردو
بھگوت گیتا معہ اُردو ترجمہ	بھگوان داس بھارگو	ـ	ـ	نول کشور پریس لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۶۸۸ ـ مذہب
بھگوت گیتا مخزن اسرار	پنڈت دینا ناتھ مدن		ـ	ـ
بھگود گیتا	شان الحق حقی	۱۹۹۴ء	۱۶۸	انجمن ترقی اُردو بک ڈپو دہلی/
پوتھی سری بھاگوت گیتا	منشی گلاب سنگھ	۱۸۹۳ء	۸۸	مفید عام پریس لاہور خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23803

پیغام گیتا	ساغرا کبرآبادی	۱۹۰۸ء	۷۰	ہندوستان اسٹیم پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC34949
ترجمہ ارجن گیتا	منشی بنی پرساد	۔	۲۰	آصفی لکھنؤ/لائبریری بھارتی بھون الہ آباد کتاب نمبر۹/۱۱۲
ترجمہ پوتھی سری گیتا مہاتم	منشی گلاب سنگھ	۱۸۹۳ء	۳۰	مفید عام پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23803
ترجمہ سری کرشن گیتا	پنڈت رام بھروس	۔	۳۶	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC 8403
ٹیکا شریمد بھگوت گیتا	لالہ نین سکھ رائے	۔	۔	امپریل پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۳۴۲۔مذہب
جتھارتھ رامائن	پنڈت منگل سین	۔	۷۲	گیان پریس گوجرانوالہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC8404
دل کی گیتا منظوم	خواجہ دل محمد	۔	۔	حجازی پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر۶۰۶۔مذہب
زبورِ ہند (نثر)	حبیب	۱۹۴۴ء	۲۷۸	نامعلوم/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24017
سرچشمۂ عرفاں	جگن ناتھ پرشاد عارف	۔	۔	
سری بھگوت گیتا	۔	۔		مرکنٹائل پریس لاہور
سری بھگوت گیتا	لالہ پرس رام شرما	۱۹۲۰ء	۲۲۰	جے ایس سنت سنگھ لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23805
سری بھگوت گیتا	دیوکی نندن	۱۹۲۱ء	۷۳	منشی نول کشور پریس لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ HI2831
سرمد بھگوت گیتا رہسیہ (راز گیتا)	بال گنگادھر تلک	۱۹۱۷ء	۲۲	نرائن داس سہگل اینڈ سنز لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC2420
شری کرشن سمرن	دیوان پنڈی داس قمر	۱۹۵۲	۹۵۲	علمی پریس بنارس/سنٹرل لائبریری الہ آباد 294/Qam/5
سری مد بھگوت گیتا	منشی پنالال بھارگو	۱۹۱۷ء	۱۶۰	دلی پرنٹنگ ورکس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23801
سریمد بھگوت گیتا (دوم)	سوامی منتر سین	۔	۶۷۶	گیلارام بک سیلرو پبلشر ملتان شہر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23948
شری کرشن اور بھگوت گیتا	غیاث الدین عبدالقادر ندوی	۱۹۸۶ء	۱۱۲	نظامی پریس پریس لکھنؤ/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری 251-U/11
شری گیتا گیان امرت (۱)	نرسنگھ داس لو	۱۹۵۵ء	۱۴۵	اسرار کریمی پریس الہ آباد/بھارتی بھون الہ آباد کتاب نمبر۹/۱۰۹ کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۵۹۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (۱)	نرشنگداس لو	۔		اسرار کریمی پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر۷۵۹/۸۸۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (اول)	نرسنگ داس	۱۹۵۸ء	۱۴۵	کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23918
شری گیتا گیان امرت (۲)	نرسنگھ داس لو	۔	۔	کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۶۰۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (۳)	نرسنگھ داس لو	۔	۔	کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۶۱۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (۴)	نرسنگھ داس او	۔	۔	کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۶۲۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (۵)	نرسنگھ داس لو	۔	۔	کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۶۳۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (۶)	نرسنگھ داس لو	۔	۔	کوہ نور پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۷۶۴۔مذہب
شری گیتا گیان امرت (دوم)	نرسنگ داس	۱۹۵۸ء	۱۴۲	کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC23816

شری گیتا گیان امرت (سوم) نرسنگ داس ۱۹۶۳ء ۱۵۹ کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23919

شری گیتا گیان امرت (چہارم) نرسنگ داس ۱۹۶۲ء ۱۳۲ کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23920

شری گیتا گیان امرت (پنجم) نرسنگ داس ۱۹۶۲ء ۱۶۴ کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23921

شری گیتا گیان امرت (ششم) نرسنگ داس ۱۹۶۳ ۲۰۵ کوہ نور پرنٹنگ پریس الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23922

شریمد بھگود گیتا:۔یتھارتھ گیتا: سوامی ادگانند جی
- -

شریمد بھگوت گیتا منظوم موسوم بہ فلسفہ او بیت بجرنگ سہائے صنوبر عظیم آبادی ۱۹۲۶ء ۱۹۰ اسلامی پریس پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC8360

شریمد بھگوت گیتا پرکاش - ۲۵۹ ڈائمنڈ پاکٹ بکس دریا گنج دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC91620

شریمد بھگوت گیتا پریم چند جی ۱۹۲۹ء ۱۴۲ راجپال اینڈ سنز انارکلی لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23935

شریمد بھگوت گیتا با تصویر فلسفہ او بیت جانکی ناتھ مدن دہلوی ۱۹۲۲ء ۳۴۴ رام نرائن پریس متھرا/ہندوستانی اکادمی الہ آباد کتاب نمبر ۳۱۷۰

شریمد بھگوت گیتا جے گوپال چوپڑہ ۱۹۷۹ء ۴۶ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC89860

شریمد بھگوت گیتا جے گوپال چوپڑا - نیو پبلک پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۱۰۱۷۔ مذہب

شریمد بھگوت گیتا چرن داس ریڈی ۱۹۸۳ء ۸۷ شری بھگوت آشرم تعلقہ بودکا ضلع عادل آباد/انجمن ترقی اُردو بکڈپو، دہلی

شریمد بھگوت گیتا حسن الدین احمد ۱۹۷۵ء ۱۲۰ سنٹرل لائبریری الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ 294.59Has/5

شریمد بھگوت گیتا - - ۲۲۴ رتن اینڈ کو تاجران کتب دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC62091

شریمد بھگود گیتا - - ۵۳۱ پریم سنگھ بچد یو اینڈ سنز امرتسر/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری کتاب نمبر 251-U/2

شریمد بھگوت گیتا چاند - ۱۷۶ ناول گھر راجندر نگر نئی دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23806

شریمد بھگوت گیتا (منظوم) دمن سنگھ - - بھنور میڈیکل ورکس لدھیانہ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۷۶۶۔ مذہب

شریمد بھگوت گیتا دوارکا پرشاد افق
- -

شریمد بھگوت گیتا سروانند کول پریمی ۱۹۹۲ء ۳۲۶ جے کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC91398

شریمد بھگوت گیتا (ترجمہ لوکمانیہ تلک گیتا) شانتی نرائن بھٹناگر -
- -

شریمد بھگوت گیتا اعرف ارجن گیتا کشور داس کرشن داس کیرت - دیال پریس دہلی، ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۰ مذہب

شریمد بھگوت گیتا موسوم بہ اپو مغفرت کیدار ناتھ ۱۹۲۶ء ۸۰ مہتاب پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23808

شریمد بھگوت گیتا دیال، منشی سوامی - - نولکشور پریس لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۔ مذہب

شریمد بھگوت گیتا نونیت رائے آہوجا - ۱۶۰ جین پرنٹنگ پریس امبالہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23804

شریمد بھگوت گیتا ماسٹر ہنسراج - ۱۹۰ نیشنل بک ڈپو لوہاری گیٹ دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC62090

شریمد بھگوت گیتا مع گیتا بودھ مہاتما گاندھی ۱۹۲۹ء ۱۷۲ لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC23825

شریمد بھگوت گیتا حصہ اول سوامی رام تیرتھ - - بندے ماترم پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۳۶۳۔ مذہب

شریمد بھگوت گیتا	شریمان پرمارتھی	۔	۳۶۸	رام لال ورما منیجر مارتنڈ پستکالیہ۔ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62080
شریمد بھگوت گیتا با تصویر	جانکی ناتھ مدن دہلوی		۔	رام نرائن پریس دہلی پرنٹنگ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۹۴۱۔ مذہب
شریمد بھگوت گیتا	بنت زہرا رضوی	۔	۔	۔
شریمد بھگوت گیتا رہسیہ	پنڈت شانتی لال (ترجمہ)		۔	مطبوعہ لاہور رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۶۷۔ مذہب
شریمد بھگوت غذائے روح	پربھو دیال مصرا عاشق لکھنوی	۔	۔	۔
شریمد بھگوت گیتا معہ ٹیکا	گنگا دھر تلک		۔	امرت پریس پریس لاہور رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۹۴۲۔ مذہب
صدر کی گیتا	لچھمن پرساد صدر لکھنوی	۱۹۱۰ء	۔	آدرش کتاب گھر، دہلی
کرشن ایڈیشن یعنی شریمد بھگوت گیتا مکمل	مہاشیہ نارائن	۱۹۱۸ء	۲۶۸	انڈین اسٹیم پریس لاہور ررضا لائبریری رام پور نمبر ۵۰ ہندومت اُردو
کرشن گیتا (منظوم)	سیماب اکبرآبادی	۱۹۴۲	۔	انڈین پریس الہ آباد
گیان گیتا (منظوم)	رگھونندن سنگھ ساحر دہلوی	۱۹۶۷ء	۴۸	کشیپ چندر منجال نکارا بلڈنگ نیا بازار دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23814
گیتا	منشی دیوی پرشاد		۔	۔
گیتا (مسدس)	رائے بہادر شنکر دیال جج لکھنؤ		۔	۔
گیتا (مسدس)	برج موہن دیال احقر لکھنوی	۔		۔
گیتا امرت	روشن لال	۱۹۴۸ء	۱۳۲	جے ایس سنت سنگھ دریبہ کلاں دہلی ررضا لائبریری رام پور نمبر ۶۰ ہندومت اُردو
گیتا امرت (گیتا کے مکھیہ اُپدیش حصہ اول)	چودھری روشن لال	۔	۱۳۲	جے ایس سنت سنگھ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23917 رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۶۱۲۔ مذہب
گیتا امرت۔ اکسیر روح	چودھری روشن لال		۔	۔
گیتا امرت (حصہ دوم)	چودھری روشن لال	۔	۲۲۴	جے ایس سنت سنگھ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23813
گیتا امرت	ست پال بھاردواج	۔	۔	پرنٹ سیٹ پریس نوئیڈا رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۱۰۵۱۔ مذہب
گیتا اور قرآن	پنڈت سندر لال	۱۹۸۰ء	۲۲۳	شانتی پریس الہ آباد رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 222-U/46 رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۴۵۴۔ مذہب
گیتائے اعظم (منظوم)	اعظم جلال آبادی	۱۹۷۴ء	۲۲۵	جمال پرنٹنگ پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC22136
گیتا بودھ شریمد گیتا کا مکمل بیان	پرس رام ورما	۱۹۴۱ء	۸۷	پنجاب نیشنل پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC48928
گیتا پرکاش	چودھری روشن لال	۱۹۳۷ء	۱۱۱	جید برقی پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23827
گیان پرکاش	منشی کنہیا لال	۱۸۷۶ء	۱۶۰	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24200
شریمد گیتا پروچن از ذوبا بھاوے	خواجہ ذکریا فیاضی	۱۹۵۶ء	۳۲۶	علمی الیکٹرک پریس بنارس رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC7312
گیتا پروچن (ذوبا بھاوے)	خواجہ ذکریا فیاضی مترجم۔		۔	دکن پریس حیدرآباد رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۸۶ مذہب

گیان مالا اُردو	شیخ عبدالغنی	ـ	۳۲	ضامن حسن امین آباد، لکھنؤ رضالائبریری رام پور کتاب نمبر ۱۳۰ ہندومت اُردو
گیت فلسفۂ گیتا،	سورج نرائن مہر دہلوی	ـ	ـ	ـ
گیان پستک	حکیم چندو رمانی	ـ	۲۰۰	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC35087
گیتا	رام سہائے تمنا	ـ	ـ	ـ
گیتا پشپ مالا	روشن لال رائے صاحب	ـ	ـ	ـ
گیتا پھول مالا	روشن لال		ـ	ـ وزیر ہند پریس امرتسر دہلی پرنٹنگ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۹۵۶
گیتا رتن	روشن لال رائے صاحب		ـ	ـ وزیر ہند پریس امرتسر رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۱۵ ـ مذہب
گیتا ٹیک	کانشی رام چاولہ	۱۹۴۶ء	۲۴۰	جھنڈوالیکٹرک پریس لدھیانہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23933
گیتا رتن المعروف جوہر معرفت	چودھری روشن لال	۱۹۳۵	۲۲۴	بھگت بہاری لال ججگیا سوائیڈیٹر دیش بھگت ملتان رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62096 رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۱۳ ـ مذہب
گیتا: روحِ معرفت	چودھری روشن لال		ـ	ـ
گیتا رہسیہ	ـ	۱۹۲۰ء	۲۱۵	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24194
گیتا سندیش عرف مدھر بنسری	بچھمن داس تبسم	۱۹۳۹	۱۵۴	گیلارام اینڈ سنز بک سیلرز ملتان رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23926
گیتا کی تعریف	منگل داس	۱۹۰۵ء	۵۰۱	خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24205
گیتا کی تعلیم کہانیوں میں (اول)	اے آر سچدیو	۱۹۳۳ء	۱۶۸	لالہ فتح چند سیٹھی گیتا پرچارنی سبھا ملتان رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC15632
گیتا کے مکھیہ اُپدیش	روشن لال	۱۹۳۵ء	۱۴۴	جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز، دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24214
گیتا گیت ترجمہ شری بھگوت گیتا	لالہ آتمارام	۱۹۱۴ء	۴۸	راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC24203
گیتا گیان (روح معرفت)	چودھری روشن لال	۱۹۴۳ء	۲۶۴	جے ایس سنت سنگھ چوک متی لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC62095
گیتا مہاتم منظوم	منشی رام سہائے تمنا	۱۸۹۵ء	۲۶	منشی نول کشور پریس لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC6912
گیتا ہندوستانی (منظوم)	ستیہ پرکاش مہتاب بسرودی	۱۹۶۴ء	۱۲۹	۱۵۷ اشنکر بھون شاہدرہ دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC23928
مکھیہ اُپدیش	روشن لال	۱۹۴۵ء	۱۴۳	ـ جے ایس سنت سنگھ لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC31085
من کی گیتا	من موہن چھابڑا	۱۹۸۸ء	۱۱۰	۴۱ ـ ڈی گلش مہر پارک نئی دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC53739
موسومہ بھگوت گیتائے منظوم (فیضی کی گیتا کا ترجمہ)		۱۹۶۲	ـ	دریا گنج، دہلی ـ ۶
نغمۂ توحید شریمد بھگوت گیتا منظوم	مسز برکت رائے	۱۹۸۲ء	۱۲۴	آدھیاتمک ساہتیہ پرکاشن، حیدرآباد رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC45684
نغمۂ رحمانی مشرح	منشی سورج نرائن مہر	۱۹۱۲ء	۲۹۸	ساہو پریس روشن پورہ ـ دہلی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری 251.U/6
نغمۂ روحانی	پریمی جی	ـ	۳۵۰	چاند بک ڈپو دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC 23930
وعظ جنگ یعنی بھگوت گیتا	برج اندر کنوارا	۱۹۲۲	۷۲	ریفارمر پریس میرٹھ ررضا لائبریری رامپور نمبر ۵۵ ہندومت اُردو ☆☆☆

کرشن بھگت: خواجہ حسن نظامی

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی (۲۵ر دسمبر ۱۸۷۸ء دہلی۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۵۵ء دہلی) نے اسلام کے علاوہ یگر مذاہب کے بارے میں بھی کئی کتابیں تصنیف کی تھیں اور وہ مذہبی رواداری اور وسیع المشربی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دریبہ (دہلی) کے ایک پنڈت سے ویدانت کی تعلیم پائی تھی اور ایک مدت تک رشی کیش اور ہمالہ کے جنگلوں میں سادھوسنتوں سے ہندو دھرم کے بارے میں گیان حاصل کرتے رہے اور بعد ازاں انہوں نے قرآن کا ہندی ترجمہ کرنے کے علاوہ شری کرشن، رام چندر جی اور گرونانک دیو جی کی تعلیم سے متعلق مضامین اور کتابیں تصنیف کیں۔ کرشن جی سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ان کی زندگی اور تعلیم سے متعلق کئی کتابیں لکھیں جن کی وجہ سے انہیں 'کرشن بھگت' بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں ان کی شری کرشن جی کی زندگی پر مبنی مشہور و مقبول کتاب ''کرشن بیتی'' منظرِ عام پر آئی جو باتصویر تھی۔ 'کرشن جیون' کے عنوان سے اُن کی ایک اور کتاب ۱۹۲۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی نیز ''کرشن کتھا'' کے نام سے بھی انہوں نے ایک کتابچہ تصنیف کیا۔ یہی نہیں ۱۹۲۷ء میں ان کی ہندو دھرم سے متعلق کتاب ''ہندو مذہب کی معلومات'' کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ انہوں نے ''ہندو لغت کے عنوان سے بھی ایک کتابچہ مرتب کیا جس میں ہندو دھرم سے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے (۱۹۳۹ء سے قبل) سکھ دھرم کے بارے میں گرو گرنتھ صاحب کے حوالے سے ''سکھ قوم'' نامی کتاب تصنیف کی۔ یہ سب تصانیف ان کی مذہبی رواداری اور دیگر مذاہب کے احترام و عقیدت کی آئینہ دار ہیں۔

(ادارہ)

شمیم طارق

صوفیہ کی محبوب شعری علامت

شری کرشن

شری کرشن کے احوال بیان کرنے یا اُن سے محبت وعقیدت کا والہانہ اظہار کرنے والے شاعروں میں جو شہرت ومقبولیت بلکہ محبوبیت سورداس اور میرا بائی کو حاصل ہے، اس میں کوئی تیسرا شاعر ان کا شریک نہیں۔ ہندی شاعری کے ''بھگتی کال'' میں ''سگن بھگتی'' کی ایک شاخ کرشن بھگتی کے وہ سب سے اہم شاعر ہیں اور اُن کا امتیاز یہ ہے کہ شری کرشن ہی ان کے محبوب بھی ہیں اور معبود بھی۔ لیکن اس زبان کی شعری روایت میں بھی جو بتدریج ہندوی، ہندی، دہلوی، گجراتی۔ دکنی، ریختہ اور بالآخر اُردو کہی گئی، شری کرشن سے محبت کے شعری اظہار کی بڑی خوبصورت مثالیں موجود ہیں اور اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ شری کرشن کی عقیدت ومحبت سے اپنے شعری کائنات میں نیا رنگ وآہنگ پیدا کرنے والے شاعروں میں صوفی شعراء کو اولیت حاصل ہے۔ ان کے تین دائرے بنتے ہیں۔

(الف) پہلا دائرہ اُن شاعروں کا ہے جن سے بیشتر نے شری کرشن کے بارے میں انہیں تصورات ومعتقدات کو دوہرادیا ہے جو عام ہندوستانیوں کے احساس وعقیدہ کا حصہ ہیں۔

(ب) دوسرا دائرہ اُن شاعروں کا ہے جن کی شری کرشن سے عقیدت کی بنیاد اُن کی قلبی کیفیت اور روحانی نسبت ہے۔ اپنے ہم وطنوں کی طرح انہوں نے شری کرشن کو نہ تو ''اوتار'' یعنی لباس بشر میں خدا تسلیم کیا ہے، نہ ہی ہم مذہبوں کی طرح اُن سے لاتعلق محض رہے ہیں۔ انہوں نے شری کرشن کو ''مست ازل'' اور ''عارفِ حق'' سمجھا اور اُن سے فیضیاب ہونے کی تمنا کی۔

(ج) تیسرا دائرہ اُن شاعروں کا ہے جن کی شعری کائنات میں کرشن اور اُن سے ہم رشتہ مقامات وافراد علامت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شاہ برہان الدین جانم (م۱۵۸۲ء) شاہ تراب چشتی (م ۸۔۱۷۵۷) ولی اورنگ

آبادی (م ۱۷۲۰ء) عزلت (۱۷۷۵ء) اور نظیر اکبر آبادی (م ۱۸۳۰ء) مسلمانوں کی اس طرزِ زندگی اور طرزِ احساس کے نمائندہ ہیں، تصوف جس کی روح ہے۔ ان میں سے بعض صاحب سلسلہ اور بعض ''برائے شعر گفتن تصوف خوب است'' کے قائل ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن نظری اعتبار سے یہ سب اسی احساس سے ہم رشتہ رہے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کی صورت گری کرتا رہا ہے۔ اس تہذیبی زندگی میں ہندو تصورات اور اس مٹی سے جنم لینے والی مذہبی شخصیتوں سے متعلق طلسمی خیالات کی بھی کارفرمائی ہے۔ برسہا برس کی سماجی ہم آہنگی اس کی متقاضی بھی تھی کہ سماج کا بڑا حصہ جو سوچ رہا ہے یا رسموں، تہواروں اور محاوروں کے ذریعہ جن عقیدتوں کا ظہور ہو رہا ہے اُن سے دوسرے بھی واقف ہوں۔ اُردو کے قدیم ترین شاعروں نے نہ صرف ہندو رسموں، ہندوستانی مذہبوں اور ہادیوں سے اپنی واقفیت کا ثبوت دیا ہے بلکہ سماجی سطح پر اُن سے ہم رشتگی کا بھی احساس دلایا ہے۔

شری کرشن ہندوستان کے اُس مذہب کے ہادیان میں جو عرفِ عام میں ''ہندو مذہب'' کہا جاتا ہے، عوام کو سب سے زیادہ پسند ہیں اور ''وشنو'' (جو ہندو تثلیث میں دنیا کے رکھوالے تسلیم کیے گئے ہیں) کا آٹھواں اوتار سمجھے گئے ہیں۔۔ اُن کا نام سب سے پہلے رِگ وید میں آتا ہے۔ لیکن وہ سری کرشن جن کے گرد بھگتی کی شاعری اور کیف پرور ہالہ تیار کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے چھانڈ یوگ اپنشد میں متعارف ہوئے ہیں۔ وہاں وہ ''دیوکی کے بیٹے'' ہیں۔ اس میں شامل ''بھگود گیتا'' حقیقت و معرفت اور علم و دانش سے پُر ان کا وہ سرمدی نغمہ ہے جس سے دل و دماغ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہ ''مہابھارت'' کا ہی ایک حصہ مانی جاتی ہے۔ پرانوں اور خاص طور سے ''بھگت پران'' میں شری کرشن کی زندگی کی تفصیلات ہیں۔ ان کی بنیاد پر ہزاروں سال سے نئے نئے گیتوں، تصویروں اور کہانیوں کی تخلیق ہوتی رہی ہے۔

شری کرشن یادو نسل کے تھے۔ ان کی نسل کے لوگ جمنا کے کنارے بندرابن اور گوکل میں گلے بانی کیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب متھرا اور بندرابن میں ''کنس'' نامی ایک ظالم راجہ کی حکمرانی تھی۔ شری کرشن کی پیدائش کی روایات اپنی تفصیل کے بعض اختلافات کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تعلق رکھنے والے واقعات کے مشابہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسلمان یہودی اور عیسائی رسولِ برحق تسلیم کرتے ہیں۔ کرشن اور موسیٰ لغوی اعتبار سے سانولا کے ہم معنی ہیں، دونوں کی پرورش دو ظالم حکمرانوں، فرعون اور کنس کے گھروں میں ہوئی تھی اور

دونوں نے ان ظالموں کا خاتمہ کیا تھا۔

شری کرشن بچپن میں نہایت معصومانہ شرارتیں کرتے، مکھن چرا کر کھا لیتے اور طفلانہ بہانے بناتے، جوانی میں بانسری کی مدھر دھن بجاتے اور گوپیوں سے لیلائیں کرتے پھرتے تھے۔ان کی سب سے محبوب گوپی ''رادھا'' تھی۔عقیدت کی خلاقی نے ان دونوں کے گرد بڑے خوبصورت شاعرانہ تخیلات بُنے ہیں۔''مہابھارت کی جنگ میں شری کرشن ارجن (پانڈو) کے رتھ بان کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھے۔نہوں نے اسی میدان جنگ میں ''پانڈو'' اور ''کورو'' کے لشکروں کے درمیان کھڑے ہوکر ارجن کو وہ نصیحتیں کیں جن میں معرفتِ حق بھی ہے اور اسرار خودی اور رموزِ بے خودی بھی۔''بھگود گیتا'' انہیں نصیحتوں کا مجموعہ ہے۔

اُردو کے قدیم ترین شاعر برہان الدین جانم نے جن کا دور سولھویں صدی عیسوی ہے، اپنی تخلیقات ''ارشاد نامہ'' میں جس کا موضوع صوفیانہ حقائق کا بیان ہے اور ''سکھ سہیلا'' جو دوہوں پر مشتمل ہے، شری کرشن کے بارے میں ان تصورات کو بیان کیا ہے جو وہ اپنے ہم وطنوں سے سنتے رہے ہوں گے۔ان کی عظمت ومقبولیت واضح کرنے کے لئے انہوں نے فخر سے بیان کیا ہے کہ کرشن تو وہ ہیں جن کی ۱۶۰۰۰ گوپیاں ہیں۔

ع   بال برم تو اچاری ہے سولہ سہر ناری ہے

ع   سولہ سہے گوپیاں کا کانا بال برم تو چاری ہے

قاضی محمود دریائی کو اہلیانِ گجرات ''خواجہ خضر'' مانتے ہیں۔وہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ان کا زمانہ بھی سولہویں صدی عیسوی ہے اور ان کا اس زمانہ کا قدیم اُردو کلام دستیاب ہے جس کو ''گجری'' کہا جاتا ہے۔وہ کرشن بھگتوں میں تھے۔انہوں نے ہندی شاعروں کی طرح خود کو دولہن اور خدا کو دولہا قرار دیا اور جب لوگوں نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ

آؤ جی میرے لاڈ کھیلے ہو کنٹھ لاگو وبھاؤ باندھا جوڑا سر سے جھوٹا تب ہو رنگ نہ پاؤ

قاضی محمود وحدۃ الوجودی تھے۔شری کرشن سے انہیں عقیدت تھی لیکن اُن کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ انہیں ''اوتار'' سمجھتے تھے، صحیح نہیں کیونکہ کوئی وحدۃ الوجودی اللہ کی ذات کو کسی خاص شخص یا مقام تک محدود نہیں کرتا وہ ''ہمہ اوست'' کا قائل ہوتا ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے تین اہم شاعر شاہ تراب چشتی، ولی دکنی اور عزلت ہیں اور ان تینوں شاعروں کے کلام میں شری کرشن کا ذکر موجود ہے، شاہ تراب چشتی جیسا کہ نام سے ہی

ظاہر ہے، صوفی صافی اور صاحبِ سلسلہ تھے، انہوں نے اپنے کلام میں شری کرشن کے ''اوتار'' اور ''دیو'' ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے:

ع کہیں کرشن اوتار کہیں رام چھمن

ع کنیا بڑا دیو جگ میں بنایا

ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے شاہ تراب کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان گنت عقیدوں اور متعدد مذاہب کو ایک ہی منزل کے الگ الگ راستوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ممکن ہے وہ شری کرشن کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہوں جو ہندوؤں کا ہے۔ ''اوتار'' کا مطلب انسانی جسم میں خدا ہونا اور دیو سے مراد الوہی صفات کا حامل ہوتا ہے۔ شری کرشن عام ہندوستانیوں میں انہیں حیثیتوں سے متعارف ہیں۔

ولی اورنگ آبادی با کمال غزل گو ہونے کے علاوہ دکنی معاشرت اور ہندوستان کی مشترکہ ثقافتی قدروں کے مصور بھی تھے۔ ان کی غزلوں میں ہندوستان کے تیرتھ استھانوں اور دریاؤں کے ساتھ سنیاسیوں اور سادھوؤں کا ذکر ملتا ہے۔ رام اور چھمن سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے معتد بہ حصہ میں فارسی شاعری کے تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عورت کی طرف سے بھی تخاطب کیا گیا ہے۔ اپنے پی کی جوگن بننے اور سہیلیوں سے محبت کی باتیں کرنے کا انداز برتا گیا ہے۔ انہوں نے فارسی اور ہندی کے مرکب الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ شری اکرشن اور گوپیوں کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے

تب کا مشتاق جی ہے چھمن سوں کشن سوں جب کہ رام رامی ہے

اس شعر میں رام رامی سے مراد صاحب سلامت ہے۔ تہذیبی پس منظر میں اس شعر پر طویل بحث ہوسکتی ہے۔ لیکن اتنا طے ہے کہ ''چھمن'' اور ''کشن'' سے افراد مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی عشقِ مجازی کے قائل تھے۔

انہوں نے اپنے شعروں میں شری کرشن اور ان کی گوپیوں سے بھی محبت کا ذکر کیا ہے:

سوزِ ہجر کانہہ سے جو سانولا تھا عزلت آہ داغدار آخر لگی تیسو کے بندرابن میں آگ

نظیر اکبر آبادی عوامی شاعر تھے یعنی اُن کی شاعری میر کی طرح نہاں خانۂ دل کی شاعری نہیں ہے۔ بلکہ ان کی نگاہیں اپنے عہد کے عام انسانوں، ان کے مشغلوں، میلوں ٹھیلوں، تہواروں، رنگ رلیوں اور مذہبی تقریبوں کا بغور مطالعہ کرتیں اور لطف اندوز ہوتی تھیں۔ انہوں

نے مسرت کا اظہار بھی کیا ہے۔اور پیشہ وروں کی ناگفتہ بہ حالت پر طنز اور ہلکا سا احتجاج بھی کیا ہے۔ان کی نظموں کا موضوع عام آدمی ہے اوراس کا بیان انہوں نے اس انداز سے کیا ہے کہ وہ انہی میں سے ایک فرد معلوم ہوتے ہیں۔ایک عام آدمی کی ترجمانی میں انہوں نے مدح خیرالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت علی مرتضیٰ اوراولیاء بھی لکھی ہے اور ''گرو گوبند سنگھ'' ''مہا دیو کا بیاہ'' اور ''ہر کی تعریف'' میں ان کی مدح بھی کی ہے۔عیداورشب برأت کے ساتھ بسنت، ہولی، اور راکھی کے تہواروں کی صورت گری میں بھی فنکاری دکھائی ہے۔دنیا اور دنیاوی زندگی کی ناپائداری کا ذکر کیا ہے۔سوزِ فراق کے ساتھ طلسمِ وصال کے مضامین میں شاعرانہ رنگ آمیزی کی ہے۔بہار، برسات اور جاڑا کی کیفیات کو مصور کرنے کی کوشش میں روز مرہ کے لفظوں سے جادو کا کام لیا ہے۔ان کے کلیات میں بعض تمثیلی نظمیں بھی ہیں۔مثلاً ''ہنس نامہ''۔لیکن نظیر کی مقبولیت کا راز وہ نظمیں ہیں جن میں کوئی رمز یا تمثیل نہیں ہے۔انہوں نے جو لکھا ہے یا کہنا چاہا ہے پڑھنے سننے والوں نے وہی سمجھا۔

شخصیات میں ان کی سب سے زیادہ توجہ شری کرشن پر ہی رہی ہے۔شاید اس لئے کہ شری کرشن ہندوستانیوں کے سب سے محبوب دیوتا ہیں اوران کی محبوبیت کے کئی رنگ عوام کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی سے ہم رشتہ ہیں۔ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ متھرا باسی نہ سہی، متھرا کے پڑوسی شہر کے رہنے والے تھے اور وہاں کی فضاؤں میں کرشن بانسری کے سنگیت کے ساتھ گوپیوں کے مدھر گیت کے خواص اب بھی رچے بسے ہیں جو اہلِ دل کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔کنہیا جی کا جنم، بالپن، بانسری بجیا، کنہیا جی کے کھیل کود، کنہیا جی کی شادی، کنہیا جی کی بانسری کنہیا جی کی راس وغیرہ نظیر کی ان نظموں کے عنواانات ہیں جو انہوں نے شری کرشن کے حالات وواقعات اور لیلاؤں کے لئے کہی ہیں۔ان میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔وہ اُن کی پوری زندگی اور پیغام پر محیط ہے۔مثال کے طور پر یہاں صرف ایک نظم پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''کنہیا جی کے کھیل کود''اس نظم میں انہوں نے شری کرشن کے بچپن کے اہم واقع کو موزوں کرتے ہوئے ندی میں زہریلے ناگ کو مار دینے کی منظر کشی کی اور دیکھنے والوں کی چشمِ حیرت کی مصوری کی ہے:

تعریف کروں میں اب کیا کیا اُس مرلی دھر بجیا کی نت سیوا کنج بھریا اور بن بن گئو چریا کی
گوپال بہاری ،بنواری دُکھ ہرنا مہر کریا کی گردھاری،سُندر شیام برن بلدھر جو کہ بھیا کی

یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو،ڈنڈوت کرو،جے بولو کشن کنہیا کی
یہ بات سُنی برج ناری نے تب گھر گھر اس کی دھوم مچی نند اور جسودا آ پہنچے سدھ بھول گئی اپنے تن کی
آ جمنا پر غُل شور ہوا اور ٹھٹھ بندھے اور بھیڑ لگی کوئی آنسو ڈالے،ہاتھ ملے پر بھید نہ جانے کوئی بھی
یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو،ڈنڈوت کرو،جے بولو کشن کنہیا کی
جس دہ میں کودے موہن واں آن چھپا تھا اِک کالی سر پاؤں سے ان کا آ لپٹا،اس دہ کے بھیتر دیکھتے ہی
آجمنا پر غُل شور ہوا اور ٹھٹھ بندھے اور بھیڑ لگی کوئی آنسو ڈالے،ہاتھ ملے پر بھید نہ جانے کوئی بھی
یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو،ڈنڈوت کرو،جے بولو کشن کنہیا کی
جب کالی نے سو پیچ کئے پھر ایک کلا واں شام نے کی اس طور بڑھایا تن اپنا جو اس کا نکسن لاگا جی
پھر ناتھ لیا اُس کالی کو،اک پل بھر میں،نا دیر لگی وہ ہار گیا اور اُستت کی،ہر ناگن بھی پھر پاؤں پڑی
یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو،ڈنڈوت کرو،جے بولو کشن کنہیا کی
اُس دہ میں سندر شام برن،اُس کالی کو جب ناتھ چکے لے ناتھ کو اس کی ہاتھ اپنے،ہر پھن کے اُوپر برت گئے
کر اپنے بس میں کالی کو مسکیا نے مُرلی ادھر دھری جب باہر آئے منموہن،سب خوش ہو،جے جے بول اُٹھے
یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو، ڈنڈوت کرو، جے بولو کشن کنہیا کی
تھے جمنا پر اُس وقت کھڑے،واں جتنے آ کر نر ناری دیکھا اُن کو سب خوش حال ہوئے جب باہر نکلے بنواری
دُکھ چنتا من سے دور ہوئے،آنند کی آئی پھر باری سب درشن پا کر شاد ہوئے اور بولے جے جے بلہاری
یہ لیلا ہے اُس نندللن من موہن،جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو،ڈنڈوت کرو،جے بولو کشن کنہیا کی

۹ بند پر مشتمل اس مسدس میں جس کے صرف چھ بند یہاں نقل کئے گئے ہیں نظیر نے ایک ہی واقعہ نظم کیا ہے۔ کہ شری کرشن نے اپنے بچپن میں جو کھیلنے کودنے کے دن ہوتے ہیں کس طرح جمنا میں کالی دہ کے خطرناک ناگ کو زیر کر کے مار دیا تھا۔ کنارے کھڑے لوگوں میں اُن کے دوستوں کے ساتھ یشودھا اور نند لال بھی تھے اور سب پریشان تھے کہ معلوم نہیں اس چھوٹے سے بچے کا کیا حال ہو؟ مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ شری کرشن بدستور مسکراتے ہوئے کالی کے پھن پر سوار ہو کر پانی کے اُوپر آرہے ہیں تو کنارے پر کھڑے مغموم واُداس اور حیرت زدہ لوگ خوشی سے شری کرشن کی جے جے کار کرنے لگے۔ ظاہر ہے نظیر نے جو کچھ بیان کیا ہے اُن کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ شری کرشن کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے معاشرے میں شری کرشن سے محبت کے جو اثرات دیکھے اور شری کرشن سے متعلق اہلِ ہند کی زبانوں سے جو طلسمی واقعات سُنے انہیں اُن ہی کی زبانوں میں منظوم کر کے 'جے بولو کشن کنہیا کی' تکرار کرتے رہے۔ شری کرشن سے اُن کی محبت کسی خاص عقیدے کے سبب نہیں، ہندوستانی معاشرت سے اُن کے گہرے تعلق کی سبب تھی۔ وہ جس معاشرے میں رہتے تھے اس معاشرے میں ظہور پذیر ہونے والے ہر رنگ اور واقعہ کو اپنے اُوپر طاری کر لیتے تھے، اسی لئے شری کرشن پر نظیر کی کہی ہوئی نظمیں مذہبی رنگ کے بجائے معاشرتی رنگ میں دیکھے جانے کی متقاضی ہیں۔ اس رنگ کا اثر ہندوستان میں رہنے والے ہر شخص پر مرتب ہوا ہے، چاہے اُس کا تعلق کسی بھی مذہب وعقیدہ سے ہو۔ نظیر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس رنگ کو حرف ولفظ میں اُتار دیا۔

(ب)

مولانا حسرتؔ اور علامہ سیمابؔ اکبر آبادی اُردو کے اہم شاعر ہیں اور ان دونوں نے شری کرشن سے محبت وعقیدت کے راگ الاپے ہیں۔ لیکن ان کا امتیاز یہ ہے کہ اُن کے ممدوح شری کرشن عارف حق، بافیض شخصیت کے مالک اور باعمل شخص تھے۔ ''اوتار''، یعنی انسانی شکل میں خالق کائنات نہیں تھے۔

حسرتؔ عالم باعمل، صوفی صافی اور صاحبِ نسبت تھے۔ انہوں نے جابجا اظہار کیا ہے کہ اُن کی بے انتہا قوتِ برداشت اور ہمہ وقت شادمانی کا سرچشمہ وہ جذبۂ عشق ہے جو تصوف کا خاصہ ہے۔ دو ہی مصرعوں میں انہوں نے اس جذبۂ عشق کا تعارف بھی کرا دیا ہے۔

پڑھیے اُس کے سوا نہ کوئی سبق

خدمتِ خلق و عشق حضرتِ حق

واقعہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کی بے ریا عبادت اور مخلوق کی بے غرض خدمت کے سوا کسی چیز کو مقصد زندگی نہیں بنایا۔ان کی سیاست وشاعری بلکہ زندگی کا پورا اسلوب اسی ''جذبۂ عشق'' سے مملو تھا جس کو انہوں نے تصوف کہا ہے۔انہوں نے عشقِ مجازی کی باتیں بھی کی ہیں تو عشقِ حقیقی میں رہنمائی کے لئے:

عشقِ بتاں سراج طریقت صفا بنا
حق الیقیں تک آئے ہیں عین الیقیں سے ہم

''عین الیقیں سے حق الیقیں تک'' کے روحانی ارتقاء میں شیخ سلسلہ ان کے رہنما تھے۔ انہی کے ذریعہ وہ شری کرشن کی بافیض شخصیت اور روحانی عظمت سے بھی متعارف ہوئے ،دیوانِ ہفتم (طبع اول) میں انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

''جن جن بزرگوں سے فقیر کو فیض پہنچا ہے،اُن میں سے اکثر کی جانب اس مجموعہ میں کہیں نہ کہیں اشارہ موجود ہے۔بزرگانِ دینِ اسلام کے علاوہ ایک موقع پر شری کرشن کا نام بھی آیا ہے۔حضرت شری کرشن علیہ الرحمۃ کے باب میں فقیر اپنے پیر اور پیروں کے پیر سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے مسلک عاشقی کا پیرو ہے۔''

مسلکِ عشق ہے پرستشِ حُسن
ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

لیکن شری کرشن سے اُن کے اخلاص میں اُن کے اپنے مکاشفات کو بھی دخل تھا۔اس کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ انہوں نے جن شعروں میں بھی شری کرشن کا ذکر کیا ہے وہ ۴۵ سال کی عمر کے بعد تخلیق کئے گئے ہیں۔وہ اپنے شیخ اور سلسلہ کے دوسرے بزرگوں سے بہت پہلے سے واقف تھے۔بیعت بھی کر چکے تھے۔اُن کے مشرب و مسلک کو بھی سمجھتے تھے لیکن شری کرشن سے اظہارِ عقیدت کے شعری تجربہ میں تبدیل ہونے کا عمل اس وقت شروع ہوا جب قلبی کیفیات اور مکاشفات نے عشق کی لَو کو تیز تر کر کے پیر کے ''مسلکِ عاشقی'' کو اُن کے وجدان میں تبدیل کر دیا۔

اُن کا خیال تھا کہ گیتا میں وراگ وتیاگ (ترک وتجرد) پر زور نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس

کے فلسفہ کی تمام تر اساس عمل پر ہے۔ وہ خود بھی باعمل شخص تھے اس لئے اپنے پیر و مرشد کی اتباع کے علاوہ اس لئے بھی شری کرشن کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کی زندگی میں انہیں عمل کی قوت اور محبت و اخلاص کی لذت محسوس ہوئی۔ وہ اُن شہروں میں بھی عشق و اخلاس کی خوشبو محسوس کرتے تھے جہاں شری کرشن نے محبت کے والہانہ گیت گانے کے علاوہ کارزارِ ہستی کے معرکے سر کیئے۔ سیاست میں بال گنگا دھر تلک سے ان کی محبت کا راز بھی یہی تھا کہ تلک نے ''کرم'' پر اصرار کیا ہے جو حسرت کا مقدر بھی تھا اور رنگِ طبیعت بھی:

ہے مشقِ سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی

کہیں کہیں انہوں نے وارفتگی و بےخودی کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

تن من دھن سب وار کے حسرت
متھرا نگر چل دھونی رمائی

لیکن اس وارفتگی و بےخودی کا تعلق زندگی سے فرار یا ترک و تجرد نہیں ہے۔ یہ ''عشق حضرت حق'' میں عارفانِ حق کی طرف کھینچے چلے جانے کا نتیجہ ہے۔ اس سے جہد و عمل میں تیزی اور وظائفِ زندگی کی ادائیگی میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ ان کی یہی کیفیت اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے لئے بھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جن لفظوں میں جس لب و لہجہ میں، شری کرشن کے مختلف ناموں میں کنہائی، بنواری، مراری، گردھاری، بہاری، شیام، شام، برج موہن، منموہن اور نندلال......مقامات میں متھرا، گوکل، بندرابن، برسانہ اور نند گام......اور تہواروں میں دیوالی ہولی کا ذکر کیا ہے، اسی لب و لہجہ یا والہانہ انداز میں بغدادی، دیالو، کھویا، رزاق پیا، ......اور بانسے نگر، فرنگی محل کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ تمام الفاظ ان کی شاعری میں رچ بس گئے ہیں۔ اس کی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ حسرت کی روح میں جس طرح ان کے پیر اور پیرانِ سلسلہ بسے ہوئے ہیں اسی طرح شری کرشن بھی بسے ہوئے ہیں اور............فیوض و برکات کی خواہش ہی انہیں متھرا اور بندرابن لے جاتی تھی، جہاں فضاؤں سے شری کرشن جیسے عارف باللہ کی سانس کے ربط کو وہ اب بھی محسوس کرتے اور اس سے فیضیاب ہونے کے مدعی ہیں۔

متھرا کہ نگر ہے عاشقی کا دم بھرتی ہے آرزو اسی کا
ہر ذرّہ ٔ سر زمینِ گوکل دارا ہے جمالِ دلبری کا
برسانہ و نند گاؤں میں بھی دیکھ آئے ہیں جلوہ ہم کسی کا
پیغام حیاتِ جاوداں تھا ہر نغمہ کرشن بانسری کا
وہ نورِ سیاہ تھا کہ حسرت
سر چشمہ فروغِ آ گہی کا

شری کرشن کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ لکھ کر حسرت نے ان کے عارفِ کامل لیکن انسان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شری کرشن کے بارے میں حسرت کا عقیدہ یا احساس ہندوستانی عوام کے عقیدہ و احساس سے مختلف تھا۔ انہوں نے ان کے عارفِ کامل ہونے کی بات پہلے پہل اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے سنی تھی مگر اپنے روحانی مدارج کے ارتقاء کے ساتھ خود بھی محسوس کرنے لگے تھے کہ شری کرشن عارف و کامل اور صاحبِ فیض ہیں۔ امام ربانی مجدد ثانی نے بھی کشف کی بنیاد پر اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ظلمت کدۂ ہند کے بعض شہروں میں انبیاء کے انوار نظر آتے ہیں مگر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ان پر ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین افراد ہی ایمان لائے۔ مولانا حسرت بھی ''صاحبِ کشف'' تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے ارواح سے بھی خصوصی نسبت رکھتے تھے۔ اسی لئے بہت سے معاملات کے انجام کو وہ پہلے ہی محسوس کر لیتے تھے۔ دوسری مرتبہ جب وہ قید ہوئے تو دورانِ قید انہیں بند گاڑی میں فیض آباد جیل سے لکھنؤ لے جایا گیا۔ قیدِ تنہائی میں انہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں۔ لیکن پہلی ہی شب میں شاہ عبدالرزاق کی زیارت ہوئی اور انہوں نے تسلی دی کہ وہ قریب ہیں اور پھر وہ جتنے دن وہاں کی جیل میں رہے، ہر روز زیارت ہوتی رہی۔

............اور اسی ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء کے ''زمانہ'' کانپور میں بھی ان کی ایک غزل شائع ہوئی جس میں شری کرشن کا ذکر ہے۔ انہوں نے دیوانِ ہفتم (طبع اول) کے دیباچہ میں اس ذکر کی وضاحت کی ہے۔

آنکھوں میں نورِ جلوۂ بے کیف و کم ہے خاص
جب سے نظر پہ اُن کی نگاہِ کرم ہے خاص
کچھ ہم کو بھی عطا ہو کہ اے حضرتِ کرشن

اقلیم عشق آپ کے زیرِ قدم ہے خاص
حسرت کی بھی قبول ہو متھرا میں حاضری

سنتے ہیں عاشقوں پہ تمہارا کرم ہے خاص

لیکن جس طرح حسرت کے عشق کو ارضی عشق ہونے کے باوجود خوشبو وقبا کی معنوی تہوں کو سمجھے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح ان کی بعض غزلیں ایسی بھی ہیں جن میں حقیقتِ محمدیؐ عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت کی طرف بڑے لطیف اشارے ہیں:

عرفانِ عشق نام ہے میرے مقام کا حامل ہوں کس کے نغمۂ نے کے پیام کا
متھرا سے اہلِ دل کو وہ آئی ہے بوئے اُنس دنیائے جاں میں شور ہے جس کے دوام کا
مخلوق اِک نگاہِ کرم کی امیدوار مستانہ کر رہی ہے بھجن رادھائے شیام کا
محبوب کی تلاش ہوئی رہبرِ عجب برسانے سے جو قصد کیا نند گام کا
گوکل کی سرزمیں بھی عزیزِ جہاں بنی کلمہ پڑھا جو اُن کی محبت کے نام کا
برندا کا بن بھی روکش، جنت بنا کہ تھا پامالِ ناز انہیں کی بہارِ خرام کا

لبریز نور ہے دلِ حسرت زہے نصیب
اِک حُسن مشکِ فام کے شوقِ تمام کا

اپنے کچھ دوسرے اشعار میں انہوں نے برج، گوکل...... جیسے لفظوں سے جو دنیاوی مقامات یا بستیوں کے نام ہیں، مقامات سلوک مراد لئے ہیں۔ایک شعر میں شری کرشن کے لئے ''نورِ سیاہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔یہ اُن کا مشاہدہ بھی ہے اور کرشن کے لغوی معنی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش بھی۔''بدریہ کاری'' اور ''برکھا رُت'' البتہ صوفیانہ معنویت سے پرے ہے..........

''وحی منظوم'' کے شاعر علامہ سیماب میں مولانا حسرت جیسی والہانہ کیفیت اور جذب ومستی نہ سہی مگر بیعت کی حد تک صاحبِ سلسلہ وہ بھی تھے۔انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ:

''ایک دن دیوہ شریف جانے کا اتفاق ہوا اور مرشدی ومولائی حضرت حاجی حافظ سید شاہ وارث علی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی''

انہوں نے'' شری کرشن'' کو نہ صرف مرکزِ عقیدت سمجھا ہے بلکہ انہیں'' آفتاب محبت'' سے تشبیہ دیتے ہوئے ان کی شان میں بڑی خوبصورت نظمیں کہی ہیں۔''کرشن گیتا'' اُن کا ایک مجموعۂ کلام ہے جس میں تمہید کے علاوہ گیارہ نظمیں ہیں۔اور ان سب کا تعلق شری کرشن اور کی

شخصیت اور اُن کے پیغام محبت سے ہے۔ان کے عنوانات یہ ہیں۔شری کرشن، برج سے ایک آواز، دیکھ رہا ہوں، وہ بانسری کہاں ہے؟ بانسری کی فریاد، میرا خطاب شری کرشن کی قوم سے، میرا پیام۔نوازشِ دوست، ایک بھولے ہوئے وعدے کی یاد دہانی، من کی موج اور تیرا انتظار۔ان تمام نظموں میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس کو کس پر ترجیح دی جائے کیونکہ ہر نظم ایک خاص کیفیت اور فکر کی حامل ہے۔انہوں نے کسی نظم میں شری کرشن کی دنیا میں آمد کا مژدہ سنایا ہے۔

ہوا طلوع ستاروں کی روشنی لے کر
سرور آنکھوں میں نظروں میں زندگی لے کر
جو مشرب اس کا نہ اس طرح عام ہو جاتا
جہاں سے محو محبت کا نام ہو جاتا

تو کسی نظم میں شاعرِ محبت ہونے کی حیثیت سے خود کو کرشن کا ہم پیام بنا کر پیش کیا ہے:

کلیم میں نہ سہی صاحبِ کلام تو ہوں
نہیں کرشن مگر اُن کا ہم پیام تو ہوں۔

مگر ان تمام صورتوں میں ان کی کوشش دل کی اس آرزو کو جو کرشن کی محبت میں ڈوبی ہوئی ہے روحِ عصر کا پیغام ومطالبہ ثابت کرنا ہے:

پھر اس طلائی دَور کی تجدید چاہیے
گیتا کی اور کرشن کی تقلید چاہیے

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ شری کرشن سے علامہ سیماب کا تعلق صرف سُنی سنائی کا نہیں تھا بلکہ وہ کرشن کو ''محبت بھرے گیت'' اور نشاط خیز وسکوں ریز بانسری'' کے حوالے سے دل میں بسائے ہوئے تھے۔ایسا کیوں تھا اس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب ''کرشن گیتا'' کی تمہید میں کر دیا ہے:

''مجھے ہندو مذہب کے قدیم اوتاروں میں صرف سری کرشن سے بڑی عقیدت ومحبت ہے۔اس کا ایک سبب تو میرا شاعرانہ ذوق ہے کہ مجھے سری کرشن کی زندگی یکسر رومان اور مطلق محبت نظر آتی ہے۔ہندوستان میں پریم اور پیت یعنی عشق ومحبت کے جتنے نغمے پھیلے ہوئے ہیں ان کا سرچشمہ مَیں سری کرشن کی مشہور تاریخی بانسری ہی کو سمجھتا ہوں۔اس میں شک نہیں کہ برج کی حدود میں سری کرشن کی بانسری نے جو گیت گائے ہیں اُن کا اثر بندرابن اور مہابن کی

رنگین فضاؤں میں آج تک محسوس ہو رہا ہے۔ مَیں جب بھی بھی دہلی جاتے ہوئے برج کی سرزمین سے ریل میں گزرتا ہوں تو مجھے خاموش صحرا کے خاموش ٹیلوں پر اور چرنے والے مویشیوں کے جھنڈ میں اب تک سری کرشن بانسری بجاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رادھا کا پریم اور کرشن کی روحانیت جمنا کے دونوں کناروں پر ایک نقشِ دوام کی طرح اب تک ثبت ہے۔ گو سری کرشن کے عہد کو پانچ ہزار سال کا زمانہ گزر چکا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کی بساط ابھی اُٹھی ہے اور برج کی بجھی ہوئی شمعوں میں ہنوز گرمی باقی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ آگرہ برج کی سرحد پر واقع ہے اور مَیں اکبر آبادی ہونے کی حیثیت سے گو برج باشی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا مگر اس کا ہمسایہ ضرور ہوں، اس لئے مجھ پر سری کرشن کا روحانی اثر ایک فطری اور عمرانی چیز ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ مَیں سری کرشن کی زندگی میں ایشیا کے بعض دوسرے پیغمبروں سے مماثلت پاتا ہوں۔ ان کے ابتدائی حالات موسیٰ علیہ السلام سے بالکل ملتے جلتے ہیں...... اگر سری کرشن کے اسلاف سامی النسل یا اسرائیلی بھی تھے تو ہندوستان میں سری کرشن کا جنم لینا ہی ان کے ہندوستانی ہونے کی ناقابلِ انکار دلیل ہے۔ چوتھا سبب میری عقیدت مندی کا یہ ہے کہ ''بھگود گیتا'' کی تعلیم ہر انسان کے لئے یکساں، مفید اور قابلِ عمل نظر آتی ہے۔ اور مَیں اس کے شلوکوں میں سرتاپا روحانیت پاتا ہوں۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ ایسی نظموں کی ترویج سے مَیں ہندوستان میں ''متحدہ قومیت'' کے لئے رواداری اور بے تعصبی کی بنیاد رکھ رہا ہوں۔ کیا تعجب کے آگے چل کر ہندو اور مسلمان بڑی بڑی مضبوط اور مقدس عمارتیں قائم کرسکیں۔

بہر حال یہ اسباب قابلِ تسلیم ہوں یا نہ ہوں، مجھے سری کرشن سے عقیدت بھی ہے اور محبت بھی۔ اسی محبت و عقیدت کا نتیجہ ہے کہ جب جنم اشٹمی یعنی سری کرشن کا یوم ولادت آتا ہے تو مَیں اس تقریب میں ان کے متعلق ایک نظم ضرور کہہ

لیتا ہوں اور اس مجموعہ نظم کی ترتیب سالہا سال کے اسی تسلسل و تواتر کا نتیجہ ہے۔ ''بھگود گیتا'' کے چوتھے ادھیائے میں سری کرشن نے ارجن سے فرمایا تھا کہ:

''اے ارجن جب مذہب کو زوال اور لا مذہبی کو کمال ہوتا ہے تو مَیں دنیا میں اپنے کو نمودار کرتا ہوں۔''

''نیک لوگوں کی حفاظت اور ظالموں کو سزا دینے کے لئے اور ایمان و صداقت کو از سرِ نو قائم کرنے کے لئے مَیں عہد بہ عہد دنیا میں ظاہر ہوتا ہوں۔''

علامہ فیضی (اکبرآبادی) نے ان دونوں شلوکوں کا ترجمہ فارسی میں خوب کیا ہے...... میری نظموں کا پس منظر بھی یہی چیز ہے۔ اس وقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں لا مذہبی، ناخدا ترسی، ناراستی، اور مظلومیت بڑھتی جا رہی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اگر سری کرشن ایسے زمانے میں واقعی آجایا کرتے ہیں تو میری آواز اُن کے کانوں تک پہنچے اور وہ پھر ان بداعمالیوں کو دُور کرنے کے لئے تشریف لے آئیں۔''

علامہ سیماب نے تمہید کے طور پر سادہ نثر میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں ہے جس کو دُور کرنے کے لئے کسی قسم کی تشریح یا وضاحت کی ضرورت محسوس کی جائے۔ لفظ ''اوتار'' کا استعمال انہوں نے اہلِ ہند کے عقیدے کی مناسبت سے کیا ہے۔ یہ اُن کا عقیدہ نہیں تھا۔ کرشن سے اُن کی بے پناہ محبت و عقیدت کی بنیاد ایک تو یہ تھی کہ اُن کی ذات و شخصیت اور پیغام میں انہیں دوسرے پیغمبروں سے مماثلت نظر آئی اور دوسری یہ کہ سری کرشن کو انہوں نے سرچشمۂ ہدایت سے زیادہ سرچشمۂ محبت کی شکل میں دیکھا اور انہی کے ہو کر رہ گئے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں مولانا حسرت اور علامہ سیماب کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شری کرشن سے محبت و عقیدت کا جو مسلک اختیار کیا تھا، وہ اس مسلک کے مجتہد تھے۔ ان کے بارے میں نہ تو یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستانی عوام کو شری کرشن کے بارے میں جو کچھ کہتے یا جس قسم کی روایتیں بیان کرتے سُنا، اُن کو دوہرا دیا، نہ ہی یہ کہنا کہ شری کرشن سورداس اور میرابائی کی طرح اُن کے محبوب بھی تھے اور معبود بھی۔ حسرت و سیماب نے شری کرشن کو مقرب بارگاہ حق اور بافیض بندہ کی حیثیت سے دیکھا اور دنیا سے متعارف کرایا ہے۔

علامہ اقبال بھی انہی شخصیتوں میں ہیں جنہوں نے شری کرشن کو اُن عہد ساز روحانی اور علمی شخصیتوں میں شامل کیا ہے، جنہوں نے نہایت ''دلفریب پیرائے میں اپنے ملک وقوم کی فلسفیانہ روایات کی تنقید کی اور اس حقیقت کو آشکار کیا کہ ترک عمل سے مراد ترکِ کُل نہیں ہے کیونکہ عمل اقتضائے فطرت ہے اور اسی سے زندگی کا استحکام ہے۔ لیکن اقبال نے شری کرشن کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ نظم میں نہیں نثر میں ہے۔ اس لئے اُردو کی شعری روایات میں حسرت و سیماب دو ہی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے شری کرشن کو صاحبِ فیض شخصیت سمجھتے ہوئے اُن سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے باوجود اپنے ممدوح کو یا محبوب کو خدا نہیں مانا ہے۔

(ج)

شری کرشن اور اُن سے ہم رشتہ مقامات وافراد کو تلمیح کے بجائے علامت واستعارہ کے طور پر استعمال کی روایت بھی قدیم ہے۔ آبرو نے ''کرشن'' کے لغوی معنی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے اپنے ایک شعر میں معشوق کو شیام (کرشن) کہا ہے جس سے جُدا ہو کر وہ ایک پل بھی چین اور سکون سے نہیں گزار پاتے بلکہ بے چین رہتے ہیں پہلے مصرعے میں لفظ سانولا استعمال ہوا ہے جو کرشن کے ہم معنی ہے اور دوسرے مصرعہ میں ''راگ'' کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس سے بانسری کی وہ مدھر دھُن مراد ہے جس کو سُن کر گو پیاں ہوش وحواس کھو دیتی تھیں۔

جب درشن دے سانولا تب جا مجھے کلیان ہو
بھاؤ تا نہیں شیام بن مجھ کو کسی کا رنگ و راگ

محمد رفیع سودا نے معشوق کے حسن و جمال کو کرشن کنہیا سے تشبیہ دی ہے:

تیرے شب رنگ کے جلوے کے تئیں جو دیکھے
کہے وہ اُس کو کنہیا زرہ حسن و جمال

لیکن اس رنگ کے سب سے اہم شاعر جنہوں نے ''کرشن'' سے الوہی یا روحانی شخصیت مراد لینے کے بجائے ''حقیقت حق'' مراد لی۔ وہ صاحب سر شاہ محمد کاظم قلندر اور شاہ تراب علی قلندر ہیں۔ ان کا تمام تر کلام برج بھاشا میں ہے اور اُردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ اُن کا شمار بھی بھگتی کے رجحان ساز شاعروں میں ہونا چاہیے مگر بدقسمتی سے انہیں اس حد تک نظر انداز کیا گیا ہے کہ آج نہ تو ان کی تقلید واتباع کی کوشش ہو رہی ہے، نہ ہی ہندوستان کے شعری روایت میں یا ادبی تاریخ میں اُن کا کہیں تذکرہ کیا جاتا ہے...... صاحب سر شاہ محمد کاظم قلندر نے موسیقی کی دھنوں

میں اس انداز سے نغمہ سرائی کی ہے کہ صداقت خیال کے علاوہ سوتی اور حرفی ترتیب کے اثر سے بھی شعر میں روح پرور غنائی تاثیر پیدا ہوتی گئی ہے۔ شاعری کا موضوع عشق و معرفت اور پس منظر ''گوکل'' اور ''بندرابن'' کے سبزہ زار ہیں جہاں شیام یعنی شری کرشن کی شوخیوں پر گوپیاں رجھتی تھیں لیکن ان خالص ہندوستانی تلمیحوں، تشبیہوں اور اشاروں میں اس ازلی ابدی حقیقت کے انوار و تجلیات کی طرف اشارے ہیں جو سعادت مند روحوں اور عشق و معرفت کے متوالوں کو اپنی طرف راہ دیتی رہی ہیں............

شاہ محمد کاظم قلندرؒ کو بجا طور پر ''صاحب سر'' کہا گیا ہے۔ آپ نے راہِ سلوک میں بڑے سخت ریاضیات و مجاہدات کئے اور مرشد کی توجہ سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے۔ آپ کے کلام جو ''سانت رس'' (نغمات الاسرار) کے نام سے شائع ہو چکا ہے، سے ظاہر ہے کہ ہر شے حسن حقیقی کا پرتو ہے، شیشۂ دل پر محبت کی صیقل ہو چکی ہے۔ اپنی ذات ہستی حقیقی کا نقش ثانی بن گئی ہے۔ تصوف کے دقیق مسئلوں کو پانی کی طرح حل کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر وحدۃ الوجود کے مسئلے کو دیکھیے کہ کس دلنشیں انداز میں بیان فرما دیا ہے۔

گھر باہر اب وہی ہیں کاظم ہم ناہیں ہم ناہیں ناہیں
اپنے پیتم سنگ مل کے ہم ہوئے گئے وا کے رنگ ہم وا کے وہ ہمرے رنگ مل دوؤ بھئے ایکے رنگ

مظاہر کے الجھاؤ سے یکسو ہو کر ہی عاشق اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں خیر و شر ایک ہی تصویر کے دو رُخ دکھائی دیتے ہیں۔ یہی کیف و سرور کی آخری منزل ہے۔ جہاں پر فائز ہو کر، انسان، انسانِ کامل ہو جاتا ہے۔

کون کرے اب ہمرے تیرتھ کو تربینی کاشی جائے
ٹھور ٹھور درسن ہیں ہم کا اس بن آیو ڈھنگ

لسان الحق شاہ تراب علی قلندر کا برج بھاشا کا کلام بھی جس کا ایک حصہ ''امرت رس'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، سوز و مستی کے علاوہ شاعری کے فنی لسانی اور معنوی محاسن سے پُر ہے۔ موضوعِ شاعری عشق و محبت کی داستان اور پس منظر گوکل اور بندرابن کے سبزہ زار ہیں۔ شیام کی خوشیوں، اداؤں اور عشووں پر گوپیاں رجھی ہوئی ہیں، یہ سب لباسِ مجاز میں بیان حقیقت ہے کہ کس طرح جلوہ گاہ حق میں شان بے نیازی اپنے تمام کرشمہ و ادا کے حربے بروئے کار لا کر عشق کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ حسنِ حقیقی نے سازِ آرزو چھیڑ دیا ہے اور خود مصروفِ ادائے

بے نیاز ہے جبکہ عشق ہمہ تن نیاز ہو کر وقف خلش اور صرفِ تپش ہے۔

کھیل لے کبجا پیو سنگ ہوری پوری بھئی من انچھا توری
شیام کے نیناں لاگے ہیں تہہ سو سنمکھ آؤ نہ کر چت چوری
بہیاں پکڑ جھٹ چھین لے کامر بوردے رنگ ما پاگ بچھوری
کس موہن کا بسے ماکئے تیں ہاتھ ملت ہے رادھا گوری

ان اشعار میں روحانی کیفیت کی ترجمانی اور اظہار پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔کسی صاحب دل کی شرح کے بغیر وہ مفاہیم ذہن میں نہیں آسکتے ، جو عاشق صادق اور سالک حقیقی کی روحانی معراج کے ضامن ہیں......صاحب سر شاہ محمد کاظم قلندر اور شاہ تراب علی قلندر کی تمام تر شاعری علامتی ہے۔مثال کے طور پر پیش ہیں شاہ محمد کاظم قلندر کے یہ اشعار۔

کہنے کو اس صاحب دل شاعر نے صرف یہ کہا ہے کہ شری کرشن دلوں میں محبت کی چنگاری بھڑکا کر بندرابن سے دوارکا چلے گئے ہیں۔اس غم میں گوپیاں بے چین و مضطرب ہیں:

کہاں گئے برج لال کنہیا من موہن بنسی کے بجیّا
کہاں چھپی جائے موہنی صورت سگرے نگر کے من کے چھلیّا
جون کرت رہو کھیل لنجن ما کونے کنج چھپوائے دیّا
چھین چھین دودھ مٹکی پھوڑ پھوڑ برج اُجاڑ ناگا برج بسیّا

برج لال موہن، بنسی (بنسی والا) موہنی مورت جیسے الفاظ بھی وہی ہیں جو روزمرہ کے استعمال میں بھی آتے ہیں۔اور کرشن بھکت شاعروں نے بھی ان لفظوں سے اپنی بھکتی کی تصویر بنانے کی کوشش کی ہے۔مگر مندرجہ بالا اشعار میں ان کے معانی بدل گئے ہیں۔

......صوفیہ کے زیر اثر جدید دور کے کچھ شعراء نے بھی شری کرشن کے ذکر سے اپنی شعری کیفیات کو دوبالا کرنے کی کوشش کی ہے۔یعنی اُردو شاعری یا مسلمان شاعروں کو شری کرشن سے جو تعلق رہا ہے وہ اب بھی باقی ہے۔البتہ اس کی شکلیں بدل رہی ہیں۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے دوران اکبر (الہ آبادی) نے کہا تھا:

مدخولہ ٔ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کا بھی نام ہوتا گاندھی کی گوپیوں میں

اس شعر سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی ملازمت سے خوش نہیں تھے اور اُن تمام لوگوں کو رشک و

محبت سے دیکھتے تھے جو گاندھی جی کی تحریکِ آزادی میں شریک تھے۔ کرشن اور گوپیوں کا رشتہ عشق و محبت کا رشتہ تھا۔ اکبر نے ''کرشن'' اور گوپی'' جیسے لفظوں کو قومی پس منظر میں استعمال کر کے دونوں لفظوں کو جو اصل میں ہندوستان کی روحانی زندگی کا وسیع تر کنایہ ہیں ایک اور معنوی جہت عطا کی ہے۔ منیر نیازی نے خالص ہندوستانی اساطیر کے ذکر یا استعمال سے جو شعری کائنات تخلیق کی ہے اس میں ''کرشن'' اور '''رادھا'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اپنے ایک مجموعے ''تیز ہوا اور تنہا پھول'' کی ایک نظم ''پریم کہانی'' میں وہ ایک مدھوبن کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

اس بن میں اک بھولی رادھا　　شیام سے ملنے آتی تھی
جب اُس کو نہیں پاتی تھی　　تو رو رو نین گنواتی تھی

اس طرح ''آتما کا روگ'' میں وہ زمانے کی تباہ حالی اور ویرانی کا ذکر شیام اور رادھا کے حوالے سے کرتے ہیں:

کہیں سلونے شیام ہیں نہ گوپیوں کا پھاگ ہے
نہ پائلوں کا شور ہے نہ بانسری کا راگ ہے
بس اک اکیلی رادھیکا ہے اور دُکھ کی آگ ہے

ناصر شہزاد نے ''کرشن اور ''رادھا'' کو مزید معنوی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ان کے ایک شعر میں ان دونوں لفظوں کا استعمال زیادہ بہتر اور تخلیقی انداز میں ہوا ہے۔

کون اب گئیاں چرائے بجائے بنسی ندی کے گھاٹ پر
دفتر میں ہے کرشن، جھکی ہے چولہے پر رادھیکا

منیر نیازی اور ناصر شہزاد کے شعری مزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ نے جس شعری کائنات یا مزاج کی تخلیق میں رقت قلب صرف کی تھی، وہ رایئگاں نہیں گئی ہے۔ اس سے غیر صوفی شعراء بھی استفادہ کر رہے ہیں اور صوفیہ کی محبوب شعری علامت ''شری کرشن'' جدید تر شاعروں کے کلام میں جدید معنی میں استعمال ہو رہی ہے۔

(اقتباسات: صوفیہ کی شعری بصیرت میں شری کرشن از شمیم طارق)

☆☆☆

علی جواد زیدی

گیت گووند

جیسے عشق اور ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ویسے ہی ادب اور مذہب کا بھی۔ عشق اور مذہب دونوں ہی شاعری کے عظیم اور قدیم محرکات میں سے ہیں۔ ہر زبان میں ان دونوں موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اگر ایک طرف عشق نے جذباتِ عالیہ کی شکل اختیار کی تو دوسری طرف ہوس بھی تصویر کا دوسرا رُخ بن گئی۔ سنسکرت ادب بھی اس عام رجحان سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اس کے ادبی ذخائر دوسری زبانوں کے ادب سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح عقیدت مندی اور پرستش کے جذبات نے جہاں بیشتر زبانوں میں بے روح اور روایتی منقبت کی شکل میں شاعری کا ایک دفتر تیار کیا، وہاں انہیں جذبات کی تحریک سے بعض انتہائی فن کارانہ ادبی شہ پاروں کی تخلیق بھی ہوئی ہے۔ اس معاملے میں بھی سنسکرت کے اکتسابات کئی امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔

مذہب کی ابتدا شعورِ انسانی کے طلوع سے ہوئی اور متحیرانہ جستجو نے فلسفۂ مذہب کو جنم دیا۔ خوف و امید نے مل کر عقیدت کے مرکز بنائے۔ یہ عقیدت عقل سے بے نیاز تو نہ تھی لیکن جب یہ عقیدت صرف عقل کے سہارے...... ذات وصفات کے سارے بھید کھولنے سے عاجز رہی اور فلسفہ کی موشگافیاں ذہنی انتشار یا فرقہ پرستانہ رجحانات و مناقشات کا سبب بننے لگیں تو اربابِ سلوک نے ''حقیقت'' کو دل کے پیمانے میں اُتارنا چاہا۔ اور عقیدت عشق و محبت کے جذبے میں تبدیل ہونے لگی۔ اسی طرح ایک متصوفانہ تصور پیدا ہوا جس پر دل والوں نے عشق کی ساری رومانیت نچھاور کر دی اور فنا فی العشق کی منزل تک پہنچ گئے۔ اس والہیت کو متعارف اور اصطلاحوں میں ''عشقِ حقیقی'' کا نام دیا گیا۔ اور اسے حتیٰ الوسع عشق مجازی سے ممتاز رکھنے کی کوشش بھی کی گئی۔ عشق کی بنیاد ہی حسیّات پر ہے۔ اس لئے عشق بھی حسیاتی عناصر سے آزاد نہ رہ پایا۔

عشقِ حقیقی کو ہر مذہب نے اپنی فقہ، فلسفہ اور اخلاقیات کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اور کسی نہ کسی شکل میں یہ تصور ہر مذہب میں موجود ہے۔ اس لئے ہر زبان کے مذہبی ادب میں ایسی عقیدت مندانہ شاعری مل جاتی ہے۔ جس کے ڈانڈے عشق کی سرمدی کیفیات سے جا ملتے ہیں۔ ایسے لمحوں میں یہ کیفیتیں اکثر و بیشتر متخص ہو کر شخصی پرستش کے جذبات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں ایک نازک مقام بھی آتا ہے۔ ذاتی اور شخصی عشق کو بالکل ارضی اور جنسی ہونے سے کیسے بچایا جائے۔ اور پھر اس عقیدت غیر ارضی اور غیر جنسی عشق میں گرمی و حرارت کیسے لائی جائے؟ اس تضاد سے اکثر زبانوں کے شاعر کبھی کبھی دوچار ہوئے ہیں جس طرح ''یوسف و زلیخا'' کے افسانۂ عشق میں جامی جیسے عالم و زاہد کو اس کانٹوں بھری راہ پر برہنہ پا چلنا پڑا۔ اسی طرح رادھا اور کرشن کی داستان میں بھکتی اسکول کے اکثر ثقہ شعراء اس مرحلے سے دوچار ہوئے۔ ان تمام شعرائے نے اپنی ذاتی استعداد اور معتقدات کی روشنی میں اس تضاد کو حل کرنا چاہا۔

اس زمرہ کی شاعری کو جانچنے کے لئے پورے تہذیبی ماحول کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ صدیوں پہلے کے مذہبی یا اخلاقی رجحانات کو بیسویں صدی کے پیمانوں سے ناپنا اُس دور کے فنکاروں کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔ سماجی یا نفسیاتی تجزیہ کے نام پر بھی بعض اوقات ناانصافیاں کی جاتی ہیں۔ تجزیہ کرتے وقت بعض لوگ تعصّبات کی عینک نہیں اُتارتے۔ اس سے گتھیاں سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ جاتی ہیں۔ ان مسائل میں فکر انسانی کے ارتقا کے عمل کو سامنے رکھ کر ہی سماجی یا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہئیے، فکری ارتقا کا عمل سماجی یا تاریخی ارتقا کے عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ اور خود بھی اس عمل کو متاثر کرتا ہے لیکن کبھی کبھی عمومی شعور سماجی ارتقاء کا اور سماجی ارتقاء دانش ورانہ شعور کا فوری اور عملی طور پر ساتھ نہیں دیتا۔ یہ تضاد معاشروں کے ذہنی ارتقا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے سنسکرت کی اعتقادی اور عشقیہ شاعری کو اس تضاد کے پس منظر میں نہ کہ آج کے معیاروں پر کھنا ہوگا۔

سنسکرت میں خالص اعتقادی اور منقبتی شاعری بھی ہے۔ فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری بھی ہے۔ اور عشقیہ شاعری بھی۔ لیکن شاعری کے میدان میں پہنچ کر اعتقاد فلسفہ اور مذہب کے ڈانڈے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ عشق اور عقیدت کے مابین ایک واضح خطِ فاصل موجود

علی جواد زیدی

گیت گووند

جیسے عشق اور ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ویسے ہی ادب اور مذہب کا بھی۔ عشق اور مذہب دونوں ہی شاعری کے عظیم اور قدیم محرکات میں سے ہیں۔ ہر زبان میں ان دونوں موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اگر ایک طرف عشق نے جذباتِ عالیہ کی شکل اختیار کی تو دوسری طرف ہوس بھی تصویر کا دوسرا رُخ بن گئی۔ سنسکرت ادب بھی اس عام رجحان سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اس کے ادبی ذخائر دوسری زبانوں کے ادب سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح عقیدت مندی اور پرستش کے جذبات نے جہاں بیشتر زبانوں میں بے روح اور روایتی منقبت کی شکل میں شاعری کا ایک دفتر تیار کیا، وہاں انہیں جذبات کی تحریک سے بعض انتہائی فن کارانہ ادبی شہ پاروں کی تخلیق بھی ہوئی ہے۔ اس معاملے میں بھی سنسکرت کے اکتسابات کئی امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔

مذہب کی ابتدا شعورِ انسانی کے طلوع سے ہوئی اور متحیرانہ جستجو نے فلسفۂ مذہب کو جنم دیا۔ خوف و امید نے مل کر عقیدت کے مرکز بنائے۔ یہ عقیدت عقل سے بے نیاز تو نہ تھی لیکن جب یہ عقیدت صرف عقل کے سہارے...... ذات و صفات کے سارے بھید کھولنے سے عاجز رہی اور فلسفہ کی موشگافیاں ذہنی انتشار یا فرقہ پرستانہ رجحانات و مناقشات کا سبب بننے لگیں تو اربابِ سلوک نے ''حقیقت'' کو دل کے پیمانے میں اُتارنا چاہا۔ اور عقیدت عشق و محبت کے جذبے میں تبدیل ہونے لگی۔ اسی طرح ایک متصوفانہ تصور پیدا ہوا جس پر دل والوں نے عشق کی ساری رومانیت نچھاور کر دی اور فنا فی العشق کی منزل تک پہنچ گئے۔ اس والہیت کو متعارف اور اصطلاحوں میں ''عشقِ حقیقی'' کا نام دیا گیا۔ اور اسے حتیٰ الوسع عشق مجازی سے ممتاز رکھنے کی کوشش بھی کی گئی۔ عشق کی بنیاد ہی حسیات پر ہے۔ اس لئے عشق بھی حسیاتی عناصر سے آزاد نہ رہ پایا۔

عشقِ حقیقی کو ہر مذہب نے اپنی فقہ،فلسفہ اور اخلاقیات کے سانچے میں ڈھالا ہے۔اور کسی نہ کسی شکل میں یہ تصور ہر مذہب میں موجود ہے۔اس لئے ہر زبان کے مذہبی ادب میں ایسی عقیدت مندانہ شاعری مل جاتی ہے۔جس کے ڈانڈے عشق کی سرمدی کیفیات سے جا ملتے ہیں۔ایسے لمحوں میں یہ کیفیتیں اکثر و بیشتر متخص ہوکر شخصی پرستش کے جذبات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔یہاں ایک نازک مقام بھی آتا ہے۔ذاتی اور شخصی عشق کو بالکل ارضی اور جنسی ہونے سے کیسے بچایا جائے۔اور پھر اس عقیدت غیر ارضی اور غیر جنسی عشق میں گرمی وحرارت کیسے لائی جائے؟اس تضاد سے اکثر زبانوں کے شاعر کبھی کبھی دوچار ہوئے ہیں جس طرح ''یوسف وزلیخا'' کے افسانۂ عشق میں جامی جیسے عالم و زاہد کو اس کانٹوں بھری راہ پر برہنہ پا چلنا پڑا۔اسی طرح رادھااور کرشن کی داستان میں بھکتی اسکول کے اکثر ثقہ شعراء اس مرحلے سے دوچار ہوئے۔ان تمام شعرائے نے اپنی ذاتی استعداداور معتقدات کی روشنی میں اس تضاد کو حل کرنا چاہا۔

اس زمرہ کی شاعری کو جانچنے کے لئے پورے تہذیبی ماحول کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔صدیوں پہلے کے مذہبی یا اخلاقی رجحانات کو بیسویں صدی کے پیمانوں سے ناپنا اُس دور کے فنکاروں کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔سماجی یا نفسیاتی تجزیہ کے نام پر بھی بعض اوقات ناانصافیاں کی جاتی ہیں۔تجزیہ کرتے وقت بعض لوگ تعصّبات کی عینک نہیں اُتارتے۔اس سے گتھیاں سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ جاتی ہیں۔ان مسائل میں فکر انسانی کے ارتقا کے عمل کو سامنے رکھ کر ہی سماجی یا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہئیے،فکری ارتقا کا عمل سماجی یا تاریخی ارتقا کے عمل سے متاثر ہوتا ہے۔اور خود بھی اس عمل کو متاثر کرتا ہے لیکن کبھی کبھی عمومی شعور سماجی ارتقاء کا اور سماجی ارتقاء دانش ورانہ شعور کا فوری اور عملی طور پر ساتھ نہیں دیتا۔یہ تضاد معاشروں کے ذہنی ارتقا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس لئے سنسکرت کی اعتقادی اور عشقیہ شاعری کو اس تضاد کے پس منظر میں نہ کہ آج کے معیاروں پر کھنا ہوگا۔

سنسکرت میں خالص اعتقادی اور منقبتی شاعری بھی ہے۔فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری بھی ہے۔اور عشقیہ شاعری بھی۔لیکن شاعری کے میدان میں پہنچ کر اعتقاد فلسفہ اور مذہب کے ڈانڈے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔عشق اور عقیدت کے مابین ایک واضح خطِ فاضل موجود

ہے اور اسی طرح عقل محض اور عشق کے حدود بھی الگ الگ متعین ہیں ۔لیکن فارسی شاعری کی روایت کی طرح سنسکرت کی شاعری میں بھی مذہب، عشق اور عقل کے کچھ پہلو ایک دوسرے میں مدغم ہو جایا کرتے ہیں ۔''شرنگار'' (الفت) ''نیتی'' (حکمت وفلسفہ) اور ویراگیہ (ترک وتجرّد) کی روایتیں ایک دوسرے کے دوش بدوش چلتی رہی ہیں ۔ چنانچہ جناردن گوسوامی کی طرح بعض شعراء نے شرنگار اور ویراگیہ ''شتک'' (سواشعار کا مجموعہ) دونوں ہی لکھے ہیں ۔اور دھند دیو کی طرح بعض شاعروں نے ویراگیہ، نیتی اور شرنگار تینوں ہی موضوعات پر شتک لکھے ہیں ۔

یہ بات بھی دھیان رکھنے کی ہے کہ سنسکرت کی قدیم اعتقادی شاعری زیادہ تر بیانیہ یا اخلاقی اور فلسفیانہ ہے ۔دھیرے دھیرے اس قسم کی شاعری پر صرف بے پناہ جذباتی عقیدت ہی نہیں بلکہ عشقیہ عناصر کی بھی گہری چھاپ لگی ہوئی نظر آنے لگی ۔قدیم شاعروں کی سنجیدہ اور بلند آہنگ منقبتوں میں ذہنی تسکین کا سامان بھی تھا اور اخلاقی خلوص بھی ۔بھکتی تحریک تک پہنچتے پہنچتے یہ روایت مذہبی اور اخلاقی آرزوؤں اور انسانی اور ارضی تمناؤں کا روپ دھارن کر لیتی ہے ۔قدیم روایت کی خشک عالمانہ فضا اور ناصحانہ نظریاتی قطعیت ایک رومانوی لچک اور مثالیت پسندانہ حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔زورِ خطابت فقیہانہ اور حکیمانہ تعقل کے بجائے آرزو، استعجاب اور مسرت کی لذت بھری دنیا میں آنکھوں کے سامنے جگمگ کرنے لگتا ہے،ایسی شاعری حسیت اور لذتیت سے بالکل ہی دامن تو نہیں بچا سکتی لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ یہ شاعری ہر پھر کے عرفان ہی کے دائرے میں قدم رکھتی ہے ۔

بھکتی تحریک کے زیر اثر جن شعراء نے دیوی دیوتاؤں سے اظہارِ عقیدت کیا ہے انہوں نے مذہبی کتھاؤں کو ایک نئی معنویت عطا کی ہے ۔عشق کے جذبے کی پاکیزگی اور جسمانی حُسن کی جمالیاتی اثر انگیزی سے دیوی دیوتاؤں کے عشق کو بھی نوازا گیا ہے ۔نسوانی حُسن کے سراپا اور معاملاتِ عشق کے جسمانی پہلوؤں پر بھی زورِ قلم صرف کیا جانے لگا بلکہ لکشمن آچاریہ کی طرح بعض شعراء تو افراط وتفریط کا بھی شکار ہو گئے ۔ایسے منقبتی ،استوتروں پر، جن کے تحت دیوی اور دیوتا کو شخصی حُسن وعشق کے زاویۂ نظر سے دیکھا جانے لگا ہو۔ سنسکرت کے عشق کے استوتروں یا استوتر کاوّیوں کا اثر پڑنا لازمی تھا ۔جب ایسے منقبتی استوتر متواتر لکھے جانے لگے تو اُن کی زبان

اور ہئیت میں عام شعری روایت کی پابندی رہی۔ لیکن روح بدل گئی۔ مثلاً اصولی اعتبار سے جذبۂ عقیدت کو ''رَس'' نہیں مانا گیا ہے۔ لیکن اس دَور کی عقیدت دوست شاعری میں ''النکار'' اور ''کام شاستر'' کی روایات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا گیا۔ حکمت و فلسفہ گھاٹے میں رہے ہوں تو اور بات ہے لیکن ان اعتقادی نظموں میں شاعرانہ روح ضرور دوڑ گئی۔ دیوی دیوتاؤں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے فنی روایت پسندی کے پہلو بہ پہلو اکثر نظموں میں علو فطرت اور خلوص کا بھی اظہار ہوا ہے۔

بھگتی تحریک بھی مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی تھی، اس لئے بھگت شاعروں نے بہت سے دیوی دیوتاؤں کو موضوعِ سخن بنایا۔ پھر بھی سچ پوچھئے تو بھگت شاعروں کا عزیز ترین موضوع کرشن جی کی وہ ابتدائی رومانوی زندگی ہے جس کے خدو خال پہلے پہل ''پرانوں'' میں اُبھرے ہیں۔ قدیم رزمیہ میں واسدیو کرشن جی کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ تو پسِ پُشت جا پڑی اور ''شریمد بھاگوت'' کے افسانوں سے سرمدی کھلنڈرے پن کو اختیار کر لیا گیا۔ شعراء ''گیان اور کرم'' کا پرانا تصور بھول بیٹھے اور ''رَس'' ہی کو حصولِ نجات اور مسرت کا ذریعہ ماننے لگے۔ اربابِ نظر واقف ہیں کہ کرشن جی گوپیوں کی تفریح اور گر بڑا کے پُرعقیدت موضوع کو بھی کچھ شعراء نے قابلِ گرفت حد تک حسیاتی بنا دیا ہے۔ لیکن ان چند مستثنیات کو چھوڑ کر بھگتی کی شاعری ایک مخصوص مابعد الطبعیاتی پس منظر میں کی گئی ہے اور ''شرنگار رس'' اور ''کام شاستر'' کی روایتوں کی بھی مابعد الطبعیاتی تعبیر و تفسیر ممکن ہے۔ بھگت کی ہر تمنا کا مرکز کرشن جی کی ذات ہے جو اس کی ہر حسیاتی اور جذباتی خواہش کو پورا کر سکتے ہیں۔ جیسے ماں باپ بھائی بہن کی محبت میں صرف علوی عناصر دیکھے جاتے ہیں، ویسے ہی عشقِ حقیقی کے جسمانی مظاہرے میں بھی صرف علو کا احساس ہے، شاید جذباتیت اور عاشقانہ خود سپردگی کے قوی عناصر کی موجودگی کے باوجود یہ نظمیں عقیدت کے جذبے میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔ عشق کے جبلی جذبے کو خدمتِ مذہب کا ذریعہ بنانے والے شاعروں کا مقصد اتنا ہی تھا کہ جانے پہچانے محرکات عشق و مظاہر حسن کے سہارے بلند تر اور لطیف تر مسرت حاصل کی جا سکے۔

لیلا شک کی ''کرشن کرنا مرت'' اس طرز کی پہلی قابلِ ذکر تصنیف ہے۔ اس طرز کو اور بھی بہت سی نظموں اور تصنیفوں میں اپنایا گیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ''گیت گووند''

کی بلندیوں کونہیں چھو پائی۔داس گپتا اور ڈے کے قول کے مطابق دورِ وسطیٰ کے ہندوستان کے ادبی اور مذہبی محرکات کا سرچشمہ ''گیت گووند'' اور ''کرشن کرنامرت'' ہی ہیں۔

اگر چہ ''گیت گووند'' میں جے دیو نے منقبتی انداز بھی اپنایا ہے لیکن منقبتی استوتر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد بندرابن میں کرشن جی کی بہاریہ تفریحوں کے ایک عشقیہ پہلو پر رکھی گئی۔کرشن جی گوپیوں سے خوش اختلاطیاں کرر ہے ہیں اور رادھا جی روٹھ گئی ہیں۔رادھا کے یہاں آرزو اور رشک کی کشمکش ہے۔رادھا جی کی ایک سکھی بیچ میں پڑکر اس کشمکش کو دُور کرتی ہے۔کرشن جی رادھا جی کے پاس واپس آتے ہیں اور اظہارِ افسوس کر کے روٹھی رادھا کو مناتے ہیں اور پھر رادھا کو مسرت وصل سے شادکام کرتے ہیں۔جس طرح رادھا جی کی آرزوئے قربت بے حد عقیدت مندانہ ہے،اسی طرح کرشن جی کی عنایت میں بھی بھی سرمدی انداز ہیں۔اگر جے دیو اِس موضوع کے لئے صرف بیانیہ انداز اختیار کرتے تو عقیدت مندانہ فضا کے خلوص وتاثر کو باقی رکھنا مشکل ہو جاتا لیکن جگہ جگہ گیتوں کے تمہیدی جملوں یا تشریحی اشاروں میں منقبتی انداز اختیار کر کے انہوں نے سارے ماحول کو منقبتی بنادیا ہے۔

ظاہری لباس یقیناً اب بھی عاشقانہ ہی ہے۔لیکن یہ بات صاف عیاں ہے کہ تانا بانا عقیدت مندانہ ہے۔''بھگت مال'' میں جے دیو کی کرشن بھگتی کے بہت سے افسانے درج ہیں اور یقیناً ''گیت گووند'' اُن کی اس بھگتی کی آئینہ دار ہے۔اُن کا تو عقیدہ یہی تھا کہ بھگوان میں وہ تمام طاقتیں موجود ہیں جن کا تعلق انسانی خواہش،تمنا یا خوف سے ہے۔کیتھ نے بھی اس بنا پر جے دیو کی اس تصنیف کی گہری مذہبی روح کو تسلیم کیا ہے۔

اگر چہ ''گیت گووند'' ایک عقیدتمندانہ تصنیف ہے لیکن اپنی شاعرانہ خوبیوں کی بدولت اس نظم کا ادبی مرتبہ بھی بہت بلند تسلیم کیا گیا ہے۔خود جے دیو کو اپنی نظم کی معتقدانہ اور ادبی دونوں حیثیتوں کا پورا احساس ہے۔وہ کہتے ہیں:

> اگر آپ کے دلوں میں ہری کی یاد بسی ہوئی ہے۔اور اگر آپ ولاس کلاؤں کو سننے کے خواہشمند ہیں تو مدھر،کومل اور سندر پداولیوں (مسلسل نظم) پر مشتمل جے دیو کی نظم سنئے۔''

کبھی جے دیو نے اسے ''سکھ اور کلیان دینے والی تصنیف'' بتایا۔اور کبھی ''منگل کاری

اور منوہر گیت'' قرار دیا۔ کبھی اُس نے اپنے اشعار کا یہ مقصد بتایا ہے کہ اس سے ''پنیہ آتما بھگتوں کو آنند ملے'' اور کبھی یہ کہ ''علماء اس کو اپنے کلام کے لئے مشعلِ ہدایت بنالیں۔ اور شرنگار رس کی شاعری کے سلسلے میں ''گیت گووند'' سے رہنمائی حاصل کریں۔'' کبھی دعا کی ہے کہ جے دیو کا یہ گیت رس کے نباض افراد کو رَس کا آنند عطا کرے''

''گیت گووند'' کی ادبی اور مذہبی حیثیت آج تک مسلم ہے۔ اگرچہ جے دیو کی عشقیہ عقیدتمندی بعض فروعات میں ''بھاگوت'' کے مسلمات سے تال میل نہیں کھاتی لیکن چیتنیہ اسکول نے جے دیو کی ''گیت گووند'' کو بالکل اپنالیا ہے۔ بلکہ اسے ایک معتبر مذہبی تصنیف کی حیثیت سے بھی پیش کیا جاتا ہے۔ بھگتی تحریک کے دینیات اور شاستر کی باریکیاں سمجھانے کے لئے ''گیت گووند'' کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لیکن ایسی کھینچ تان جس سے اس نظم کی ادبی حیثیت کو مجروح ہونے کا خطرہ ہو، مناسب نہیں ہے۔ ''رس شاستر'' اور ویشنو فقہ کی تدوین بہت بعد میں ہوئی۔ جے دیو نے روپ گوسوامی کے اس ''شاستر'' کی تصنیف سے تقریباً تین صدی پہلے اپنے نغمے تخلیق کئے تھے۔ اس لئے جے دیو کی اس تصنیف کو خالص مذہبی تعبیر کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اس کے قبولِ عام اور اس کی مذہبی روح سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ صدیوں سے جے دیو کی جنم بھومی ''کندلی'' (کندویلو) میں ماگھ کے مہینے کے آخری دن ایک سالانہ میلہ لگتا ہے جہاں اُن کے گیت گائے جاتے ہیں۔ ۱۴۹۹ء میں راجہ رُودر پرتاپ دیو نے حکم دیا تھا کہ ویشنو مغنّی اور رقّاص صرف جے دیو کے گیت سیکھیں۔

قبولِ عام کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جے دیو کی ''گیت گووند'' کی کم از کم چالیس شرحیں لکھی گئیں اور دو درجن نظموں میں اس کا اتباع کیا گیا، بعضوں نے تو موضوع بدل کر رام اور سیتا، ہر اور پاروتی کے نغمے گائے لیکن ان میں سے کوئی بھی تخلیق جے دیو کی تصنیف کی طرح رواج نہ پاسکی۔ منظوم مجموعوں میں اس کے بڑے بڑے حصے نقل کئے گئے اور بنگال کے علاوہ میتھل اور اُڑیسہ والوں نے بھی اس تصنیف پر اپنا وطنی حق جتایا۔ لیکن جے دیو کی شہرت ہر علاقائی سرحد کو پار کرگئی۔

''گیت گووند'' کی ادبی حیثیت عظیم ہے۔ سنسکرت میں یہ ایک بالکل ہی اچھوتے انداز کی نظم ہے۔ افسوس ہے کہ کتنا ہی فنکارانہ ترجمہ کیوں نہ ہو، سنسکرت کی فنی عظمت کا احاطہ نہیں کر

پاتا۔ سنسکرت میں طویل بندشوں کی روایت ہے۔ لفظوں کو ملا کر ایسے چُست مرکبات بنا لئے جاتے ہیں جو کوزے میں دریا بند کر لیں۔ پھر لفظی صناعیوں کا قدم قدم پر اظہار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ترجمے میں سمویا نہیں جا سکتا۔ طویل بندشوں کی بدولت سنسکرت میں ایجاز و اختصار کے ادا کرنے کی سہولت بھی ہے۔ یہ باتیں انگریزی جیسی تربیت و ترقی یافتہ زبان کو بھی نصیب نہیں۔ لفظی ترجمہ شعوریت کو خاصا مجروح کر دیتا ہے۔ اور بہت آزاد ترجمہ اصل سے دُور جا پڑتا ہے۔ غیر ملکی زبانوں میں تو یہ کمی اور بھی محسوس ہوتی ہے۔ خاص کر ''گیت گووند'' جیسی تصنیف کے سلسلے میں مترجم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مصنف کے رجحانات اور احساسات سے نہ صرف یہ کہ کلی وقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کا مطالعہ ہمدردانہ بھی ہو۔ غیر زبانوں کے ادیبوں کے یہاں احساسات، جذبات اور ثقافت کی یہ ہم آہنگی نہیں ملتی، اسلئے بعض اوقات کئی ایسے پہلو اُجاگر ہوتے ہیں جو مصنف کے مقاصد سے بے آہنگ ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ترجمے میں مصنف کے بجائے مترجم جھلکنے لگے۔ منظوم ترجموں میں اس کا امکان زیادہ ہے۔ ''گیت گووند'' کے انگریزی ترجمہ میں کہیں کہیں یہ کیفیت نمایاں بھی ہوگئی ہے۔ ملکی ترجموں میں بھی کہیں کہیں منقبتی انداز زیادہ اُبھر آیا ہے۔ کسی حد تک یہ ناگزیر بھی ہے کیونکہ ترجمہ کرنے والا عموماً اس ادبی عظمت سے محروم بھی ہوتا ہے جو اصل مصنف کے حصہ میں آتی ہے۔

جیسا کہ مَیں ابھی عرض کر چکا ہوں اس میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن سے کوئی بھی مترجم دامن نہیں بچا سکتا۔ لیکن زبانوں کے اختلافات اور خصائص کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جس حد تک ترجمہ اصل کے قریب لایا گیا ہو۔ طرزِ اظہار کے اعتبار سے بھی اور خیالات و احساسات کے اعتبار سے بھی ہم اس حد تک اسے کامیاب سمجھیں گے۔ جناب منور لکھنوی کا یہ ترجمہ اس لحاظ سے اُردو کے بے حد کامیاب ترجموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔

منور صاحب نے بھگتی کے جذبے میں سرشار ہو کر یہ استادانہ ترجمہ کیا ہے اور شرنگار رس سے متعلق اشعار تک میں خلوص و عقیدت کی فضا کو برقرار رکھا گیا ہے۔ موقع اور محل کے اعتبار سے انہوں نے بحریں بدل دی ہیں مگر چستی بندش روانی اور سلاست کو کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ انہیں بھگتی اور جذباتی کے کئی نازک مقامات سے گزرنا پڑا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے راستہ بڑی زیرکی اور دیدہ وری سے طے کیا ہے۔ اگر ذرا قدم کو لغزش ہو جائے تو

جذباتِ عقیدت مجروح ہو جائیں۔اور اگر بیسویں صدی کی تشکیک میں الجھ کر کسی مقام سے رواروی میں گزر جائیں تو تصنیف کی روح کو صدمہ پہنچے۔انہوں نے اس کے ساتھ یہ التزام بھی رکھا ہے کہ ان کا یہ آزاد ترجمہ لفظی ترجمہ سے بہت دُور نہ جا پڑے۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے انہوں نے تشریح و تفصیل سے بھی کام لیا ہے۔بعض اوقات ضرورتِ شعری سے مجبور ہو کر بھی کچھ اضافے کئے ہیں،اس طرح منور صاحب کا ترجمہ اصل سے کچھ زیادہ ہی ضخیم ہو گیا ہے۔لیکن اس سے مفر بھی نہیں تھا۔ایک خوش فکر شاعر،صاحبِ نظر ادیب سے جس کامیاب ترجمے کی امید کی جا سکتی ہے،وہ ''سرمدی نغمے'' کا طرۂ امتیاز ہے۔

جناب بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے سنسکرت سے اُردو میں کئی ترجمے کئے ہیں۔ کالیداس اُن کا محبوب شاعر ہے اور منور نے اس کی کئی تصنیفوں کو اُردو کا لباس پہنایا ہے،اس لئے وہ راہ کے ہر نشیب و فراز سے واقف ہیں۔اس ترجمے میں بھی ان کی اس واقفیت کا قدم قدم پر ثبوت ملتا ہے۔اُردو میں ہندو دھرم اور اس کے مختلف فرقوں کا بہت سا ادب پہلے سے موجود ہے لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ اس کی خاطر خواہ اشاعت نہیں ہوتی۔بیشتر کتابیں اب نایاب ہیں،ان کی ازسرِ نو اشاعت کی ضرورت ہے اور سنسکرت ادب کے دوسرے جواہر پاروں کو بھی اُردو میں منتقل کرنے کی کوشش کو تیز تر کرنے کی حاجت ہے۔امید ہے کہ ہمت ور ادیب اس کام میں منور صاحب کا ہاتھ بٹائیں گے۔یہ تصنیف اگرچہ بھکتی کے جذبے سے متاثر ہے لیکن اس کی ادبی اہمیت بھی بہت بلند ہے۔اس لئے جو لوگ خالص ادبی نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ کریں گے،وہ بھی ضرور محظوظ ہوں گے۔رہا عقیدت اور بھکتی کا جذبہ تو میرا ذاتی خیال ہے کہ جن دلوں میں سچائی ہے،وہ حقیقت کے جلوے ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں۔اور بنی نوع انسان کے ہر طبقے کی عقیدت اور بھکتی سے خود بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔الوہیت ناقابلِ تقسیم ہے۔حقیقت جہاں اور جس روپ میں ہے،حقیقت ہے۔

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

مجھے یقین ہے کہ ''گیت گووند'' کا یہ لطیف ترجمہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

(نئی دہلی ۱۸/اپریل ۱۹۶۴ء۔دیباچہ گیت گووند یا سرمدی نغمے از منور لکھنوی)

☆☆☆

گیت گووند کا پہلا سرگ (ابتدائیہ)

کسی جنگل میں ایک بار کہیں
محوِ نظّارۂ بہار کہیں

رادھکا کرشن جلوہ گستر تھے
صورتِ مہر و مہ منوّر تھے

اِک سکھی بھی شریکِ خلوت تھی
راز دارِ غمِ محبت تھی

اُس نے امرت بھری زباں کھولی
ہو کے رادھا سے گل فشاں، بولی

آسماں پر گھر آئے ہیں بادل
دُور و نزدیک چھائے ہیں بادل

رونما ڈال ڈال سے ہر سمت
ہے اندھیرا تمال سے ہر سمت

پیڑ یہ اس قدر ہیں چھتنارے
روح لرزاں ہے خوف کے مارے

گم نظر سے ہے اُس کی ہریالی
ہوگئی ہے زمین بھی کالی

نمکیں جیسے کوئی چہرا ہو
جس سے حُسنِ ادا ٹپکتا ہو

کرشن سیدھے ہیں بھولے بھالے ہیں
اپنے انداز میں نرالے ہیں

جائیں گے گھر تو سہم جائیں گے
کیا اکیلے قدم اُٹھائیں گے

تُم چلی جاؤ اُن کے ساتھ ذرا
تھام لو راستے میں ہاتھ ذرا

اُن کے گھر جاکے ان کو پہنچا دو
رہِ تنہا میں ساتھ ان کا دو

یہی رادھا سے نند نے بھی کہا
مرد دانش پسند نے بھی کہا

نند کی بھی صلاح یہ سُن کر
پھول گلزارِ پند کے چُن کر

رادھکا کرشن چل دیئے دونوں
دل کفِ دست میں لئے دونوں

کھیلتے مالتے چھل کرتے
مستیوں کو ادل بدل کرتے

جا رہے تھے کنارِ جمنا میں
محویت تھی بہار جمنا میں

لپٹی آپس میں دو یہ بیلیں تھیں
اور بھی کھیل تھے کلیلیں تھیں

گرمیاں تھیں حرارتیں تھیں بہت
شوخیاں تھیں شرارتیں تھیں بہت

رنگ رلیوں کا تھا عجب عالم
من کی چھلیوں کا تھا عجب عالم

مستیاں اور بھی چڑھی تھیں کچھ
شوخیاں اور بھی بڑھیں تھیں کچھ

(گیت گووند ابتدائیہ صفحہ ۱۔۲)

آٹھواں سرگ

پہلا سلسلہ (۸)

معصوم نو رسوں کو ستانے سے کام ہے
مظلوم بے کسوں کو رُلانے سے کام ہے
بن بن میں آپ گھوم رہے ہیں اسی لئے
مستی میں آپ جھوم رہے ہیں اسی لئے
کیوں عورتوں کی جان کے لیوا ہوئے ہیں آپ
کتنوں کی وجہ خونِ تمنا ہوئے ہیں آپ
مشہور ہے یہ ذکر جہانِ جمال میں
ہے پوتنا گواہ لڑکپن کے حال میں

(۹)

جے دیو جی کا یہ سخنِ لازوال ہے
اس آئینے میں عکسِ فراق و وصال ہے
نالے ہیں اس میں اِک دلِ ہجراں نصیب کے
محروم ہے جو قرب سے اپنے حبیب کے
ایک ایک بات اس میں ہے منظوم کام کی
امرت میں بھی مٹھاس نہیں اس کلام کی
چت چور ہیں جو کرشن یہ اُن کا چرتر ہے
یہ شبد من ہرن ہے یہ بانی پوتر ہے
شیریں ہے یہ بیاں یہ کہانی عزیز ہے
اے اہلِ دل یہ آپ کے سننے کی چیز ہے
اس سے زیادہ قیمتی نسخہ کوئی نہیں
یہ نعمتِ عظیم تو جنت میں بھی نہیں

(گیت گووند صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲)

بارہواں سرگ

دوسر سلسلہ (۱)

کرشن رادھے تھے ہم کنار اُس وقت ‏ دونوں تھے اپنے پردہ دار اُس وقت
اِک طرف ناز اِک طرف تھا نیاز ‏ ہوگیا چھیڑ چھاڑ کا آغاز
خوب تھیں حُسن و عشق کی گھاتیں ‏ تھیں محبت کی پیار کی باتیں
وا تھا دونوں کا حلقۂ آغوش ‏ تھا نہ باقی کسی بھی بات کا ہوش
جو ذرا بھی پلک جھپک جاتی ‏ سینۂ شوق میں کھٹک جاتی
دل میں ہیجاں بپا جو ہوتا تھا ‏ رویاں رویاں کھڑا جو ہوتا تھا
وہ بھی اُس وقت کچھ اکھرتا تھا ‏ شاق طرفین کو گزرتا تھا
رندوش بادہ کش تھیں دو روحیں ‏ لب بہ لب بوسہ چش تھیں دو روحیں
ہار کا تھا نہ ذکر جیت کا تھا ‏ سلسلہ بند بات چیت کا تھا
وہ جو تھیں داؤں پیچ کی گھاتیں ‏ وہ جو تھیں چھیڑ چھاڑ کی باتیں
اُن سے حاصل خوشی جو ہوتی تھی ‏ شامل خامشی جو ہوتی تھی

دونوں اس کی طرف نہ تھے مائل
وہ بھی تھی ایک پردۂ حائل

(گیت گووند صفحہ ۱۷۵)

سرگ بارہواں سلسلہ ۲

اے کرشن نند کے دلارے میرے پرانوں سے بڑھ کے پیارے
آنکھیں میری ہیں دل کی تصویر ان سے چلتے ہیں کام کے تیر
کاجل ان میں لگا ہے ایسے یک جا بھنورے سیاہ جیسے
چوما انہیں آپ کے لبوں نے کاجل میرا پچھ گیا ہے ان سے

یہ داغِ سیہ مٹایئے آپ
کاجل پھر سے لگایئے آپ

☆☆☆

منور لکھنوی

درگا سپت شتی

درگا سپت شتی ہندو مذہب کا ایک نہایت مقدس اور پُر اسرار طور پر اہم اور پُر تاثیر صحیفہ ہے جو نہ صرف شکتی مذہب کے ماننے والوں میں بکمال عقیدت سے پڑھا جاتا ہے بلکہ ہندو مذہب کے دوسرے اسکولوں میں بھی نہایت ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ صحیفہ زبانِ سنسکرت میں ہے۔ اور اس کے تراجم ہندی نثر اور نظم دونوں میں ہو چکے ہیں۔ بعض ہندو شعراء نے اس کے کچھ حصص وقتاً فوقتاً اُردو میں بھی نظم فرمائے ہیں۔ میرے والد بزرگوار مرحوم ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد اُفق لکھنوی نے بھی ''درگا درشن'' کے نام سے ایک طویل مسدس قلمبند فرمایا تھا۔ اُن کے ماموں اور اُستاد منشی شنکر دیال فرحت لکھنوی نے بھی ''شکت چالیسی'' وغیرہ ایسی استتیں لکھ کر دیوی جی کی لیلائیں نظم میں تصنیف فرمائی ہیں۔

میرا یہ آزاد ترجمہ ۱۹۴۶ء میں شروع ہوا تھا اور صرف چند ادھیائے ۱۹۵۳ء تک مکمل ہوئے تھے۔ جب اس کا ذکر میرے دوست مسٹر گن بیر کشور ماتھر سے آیا تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اسے مکمل کر دوں۔ مسٹر گن بیر کشور ماتھر شکتی مت کے ایک پُر خلوص علمبردار اور دیوی جی کے بڑے بھگت ہیں۔ غالباً جب تک دلّی میں رہتے ہیں۔ بیشتر ہر اتوار کو سات میل کا پا پیادہ سفر کر کے کالکا جی جاتے ہیں اور ان کے درشنوں سے روحانی مسرت حاصل کرتے ہیں، اب یہ ترجمہ انہیں کے مصارف سے شائع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ میرے دیگر تراجم و تصانیف کی طرح یہ بھی مقبول خاص و عام ہوگا۔ (بشیشور پرشاد منور لکھنوی)

بندنا

مہا درگا کے گیت گانے لگا ہوں ‏ ‏ مہا دیوی سے بر پانے لگا ہوں
بہت مایا کے چکر نے نچایا ‏ ‏ مگر اب ہوش میں آنے لگا ہوں
اسے سمجھیں گے امرت دیوتا بھی ‏ ‏ قلم سے وہ رَس برسانے لگا ہوں
کھِلا کر بھگوتی پریم کا پھول ‏ ‏ دماغ و دل کو مہکانے لگا ہوں
نہ جانے کب سے دل الجھا تھا جس میں ‏ ‏ اب اُس نتھی کو سلجھانے لگا ہوں
بھلا بیٹھا تھا اِک مدت سے جس کو ‏ ‏ وہ شکتی کام میں لانے لگا ہوں

مجھے اپنی شرن کا دے کے انعام
بنادیں گی جگت مایا میرے کام

انہیں کے دم سے یارائے بیاں ہے ‏ ‏ دہن میں مارکنڈے کی زباں ہے
رہوں اس فخر سے کس طرح محروم ‏ ‏ رقم کرتا ہوں درگا پاٹھ منظوم
نہیں باتیں مری زنہار فرضی ‏ ‏ مہا مایا کی ہے ایسی ہی مرضی
وہی دیں گے طبیعت کو روانی ‏ ‏ وہی بخشیں گی ہمت کو جوانی
انہیں کی مورتی پیشِ نظر ہے ‏ ‏ انہیں کا روپ دل میں جلوہ گر ہے
جلالی دبدبہ بھی دیکھتا ہوں ‏ ‏ جمالی طنطنہ بھی دیکھتا ہوں
مہا مایا کی مایا ہے نرالی ‏ ‏ کبھی ہیں درگا کبھی ہیں کالی
کبھی ہیں سرسوتی کے روپ میں آپ ‏ ‏ کبھی ہیں لکشمی کے روپ میں آپ
کبھی رکھتی ہیں برمھانی کا قالب ‏ ‏ ادا کرتی ہیں قدرت کے مطالب
کبھی بن کے ہمالہ کی کماری ‏ ‏ سدا شِو سے جتی کی ہو کے پیاری
شوا کے نام سے ہوتی ہیں مشہور ‏ ‏ کیا کرتی ہیں سب پر بارشِ نور
وہی سیتا دُلاری رام کی ہیں ‏ ‏ وہی شیاما سلونے شیام کی ہیں

بغیر اُن کے نہیں ممکن کوئی کام
انہیں میرا ہزاروں بار پرنام

☆☆☆

وویکانند

ماتا کے چرنوں میں

جمال و نورِ مجسم، جلال کی دیوی
مَیں دیکھتا ہوں کہ تیرے پوتر ہاتھوں سے
غم و نشاط کی لہریں مدام اُٹھتی ہیں
انہی کے دم سے روانی ہے بحرِ ہستی میں
مَیں دیکھتا ہوں کہ تو کار سازِ عالم ہے
''ترے ہی دم سے زمانے میں خیر و برکت ہے''
یہ راز آج زمانے پہ فاش کرتا ہوں
''کہ تو ہے مادرِ ہیتی کہ تو ہے جگ ماتا''

رواں دواں ہیں ترے دم سے بحرِ ہستی میں
یہ نور و حُسن کی پریاں یہ زیست کی موجیں
ترے ذرا سے اشارے سے یہ حسیں لہریں
بگڑ کے جوشِ تلاطم کا روپ بھرتی ہیں
مَیں سوچتا ہوں کہ آخر یہ سلسلہ کیا ہے؟
مَیں پوچھتا ہوں بتادے مجھے جگت ماتا
کہ تیری سعی مُسلسل کا مدعا کیا ہے؟
یہ تو جو صبح و مسا کام کرتی رہتی ہے
یہ تیرا کام کہ دم بھر کو نہیں رُکتا
تو کائنات کے بگڑے ہوئے توازن کو
بحال پھر سے کیا چاہتی ہے کیا ماتا؟

سُروں سے نغمۂ ہستی کے دُور کر کے خلل
تو چاہتی ہے کہ پیدا ہو پھر ہم آہنگی
ترے ہی ہاتھوں سے تشکیلِ وقت ہوتی ہے
ترے ہی بس میں ہیں ماضی و حال و مستقبل.

جو ہو چکا وہ ہوا حکم سے ترے اور اب
جو ہورہا ہے اشارے سے ہورہا ہے ترے
ترے خیال میں قائم ہے نقشِ مستقبل
"جو رفتہ رفتہ اُترتا ہے تری نظروں سے"
حسیں شہود کی نیرنگیوں کے پردہ پر

ترے ہی دستِ مقدس سے سب کو ملتا ہے
یہ ناپ تول کے اعمالِ نیک و بد کا صلہ
تُو ہی کرم کے سلاسل میں باندھ دیتی ہے
ہر ایک جیو کو، آنکھوں پہ باندھ کر پٹّی
"تُو ہی نجات دہندہ ہے سارے عالم کی"
ترا ہی بچہ ہوں مَیں تیرے پاس آیا ہوں
مجھے سعادت و برکت کا دان دے ماتا
یہ کائنات تماشا ہے حُسنِ فطرت کا
یہ کیا ظہور ہے ایسی ازل کی طاقت کا
نہ جو ہوئی کبھی پیدا نہ جو مرے گی کبھی

قضا کا کھیل ہے اِک یہ تمام دنیا کیا؟

''نہیں کسی کو بھی انجام کی خبر جس کے''

مَیں دیکھتا ہوں کہ تو ہے وہ قوتِ مطلق

کہ جس کے آگے کوئی سر اُٹھا نہیں سکتا

تری رضا ہے محرک تمام فطرت کی

ترے اشارے پہ چلتی ہے کائنات تمام

جنہیں سمجھتے ہیں قدرت کے ہم اٹل قانون

وہ سب ہیں تیری رضا ہی کی مختلف شکلیں

ترے ہی دم سے جہانِ شہود قائم ہے

مَیں ہو چکا ہوں حقیقت سے تیری اب واقف

مَیں سب کو چھوڑ کے تیری شرن میں آیا ہوں

مجھے شرن میں تجھے اپنی لینا ہی ہوگا

ترے جلال کا مظہر ہیں طاقتیں ساری

انہیں کے دم سے ہے قائم نظام دنیا کا

وہ طاقتیں کہ نہیں جن کی انتہا کوئی

جو کائنات کے اس بیقراں سمندر میں

ہیں مد و جزرِ حیات و ممات کی خالق

ڈبو رہی ہیں جو وحدت کو رنگِ کثرت میں

جو لازوال حقیقت کو بے ثباتی کا

لباس دے کر تغیر پذیر کرتی ہیں

جو وقت آنے پہ کثرت کی تند لہروں کو
سمیٹ لیتی ہیں دامن میں پھر سے وحدت کے
مَیں دیکھتا ہوں کہ سب طاقتیں یہ تیری ہیں
نہیں ہے تیرے سوا اور کوئی جگ ماتا
ترے ہی چرنوں میں آتے ہیں سب شرن لینے
مجھے بھی تیرے سوا آسرا کسی کا نہیں
مجھے شرن میں تجھے اپنی لینا ہی ہوگا

تری نظر میں برابر ہیں دوست اور دشمن
ترا کرم ہے امیر و غریب پر یکساں
حیات و موت ترے لطف ہی کے دو رُخ ہیں
اِدھر ہیں زندگیِ لازوال کے انوار
اُدھر ڈراؤنے تاریک موت کے سائے
حیات و موت سے بالا ہے تو جگت ماتا
"ہے خندہ ریز تُو ہی دونوں کے پسِ پردہ"
مری دعا ہے یہی، آرزو یہی ہے مری
ہمیشہ تُو رہے آنکھوں کے سامنے میری
ترے جمال کا میری نظر میں نُور رہے
ملے شگفتگی مجھ کو ترے تبسم سے
تری عنایت و شفقت کی ہو نظر مجھ پر
مَیں ترے چرنوں میں آیا ہوں تیرا بالک ہوں

تُو میری ماں ہے محبت پہ تیری حق ہے مرا

سمجھ تو سکتا نہیں مَیں تری حقیقت کو
کہاں تُو اور کہاں میری قوتِ ادراک
سمائے ذرے میں کس طرح وسعتِ افلاک
شعور و عقل کے تُو دائرے سے باہر ہے
تری صفات کا مَیں لاکھ لاکھ ذکر کروں
تجھے بیان کے بندھن میں لا نہیں سکتا
مرا دماغ، مری عقل ہے بہت محدود
مگر یہ بات مرے اختیار میں ہے ضرور
جھکا کے سر تیرے چرنوں میں لوں شرن تیری
یہی وہ پاک و مبارک چرن ہیں جن کا خیال
ہمیشہ کرتے رہے دیوی دیوتا سارے
انہیں کو پا کے ہی مٹتا ہے دل کا خوف و ہراس
مَیں آج تیرے ہی چرنوں میں سر جھکاتا ہوں
جنم سے تُو نے ہی ماتا دکھائی راہ مجھے
قدم قدم پہ سنبھالا پکڑ کے ہاتھ مرا
کبھی جو دل مرا گھبرا کے کچھ ہوا مایوس
امید تُو نے بندھائی تھی کامیابی کی
سفر کٹھن تھا بڑی مشکلیں تھیں راہوں میں
مگر کچھ ایسا تھا جادو تری محبت کا
کہ مشکلاتِ سفر کو بنا دیا آساں

ہزار شکر کہ تیری مدد سے اے ماتا
کمالِ زیست کی منزل پہ آگیا ہوں مَیں

دل و دماغ کو بخشی ہیں وسعتیں تو نے
حدودِ عقل و خرد کو مٹا دیا تُو نے
ترے ہی فیض سے ماتا مجھے ہوا حاصل
شعورِ وحدت ہستی،خودی کا وہ احساس
کہ جس کو پاکے نہیں اور کچھ مجھے پانا
بس اب تو ایک تُو ہی تُو ہے اور کوئی نہیں
ترا ہی جلوہ نظر میں،ترا ہی دل میں خیال
جو کام کرنا ہے مجھ کو وہ سارا نرپھل ہو
نہیں رہی مجھے اس کی ذرا بھی اب پروا
کہ اس سے نکلیں نتیجے بڑے بڑے جگ میں
یہ کام تیرا ہے تیرے ہی حسبِ منشا ہو
عطا کیا ہے جو مجھ کو شرف یہ خدمت کا
یہی ہے آخری انعام میری محنت کا
بس اب تو ایک یہی التجا ہے اے ماتا
سدا ملی رہے نعمت مجھے یہ خدمت کی
مَیں تیرے چرنوں کی دولت سے مالا مال رہوں

(ترانۂ حق۔منظوماتِ وویکانند کا منظوم ترجمہ از دھرم سروپ)

گل صد رنگ حصہ دوم یعنی بھرتری ہری شتک

کے شرنگار شتک اور ویراگ شتک کا منظوم اُردو ترجمہ

از

ساحرؔ سنامی

بھرتری راج رشی نور و ضیا کے مینار
غور سے تیرے سب اقوال پڑھے ہیں مَیں نے
تیرے ہی گلشنِ رنگیں کے حسیں گوشوں سے
نذر کرنے کے لئے پھول چُنے ہیں مَیں نے

دو زبانوں میں بڑے غور بڑے فکر کے ساتھ
تیرے اقوال کو سو بار پڑھا ہے مَیں نے
اُن کی گہرائی میں اُترا ہوں سہارا لے کر
پھر کہیں جا کے انہیں نظم کیا ہے مَیں نے

اس پہ بھی مجھ کو ہے اقرار کھلے لفظوں میں
تیری پرواز کے انداز کو مَیں پا نہ سکا
ہاں مگر کوئی کمی میری عقیدت میں نہیں
بخش دے کاش تیری روح میری سہو و خطا
بخش دے تو میرے اندازِ سخن کو اعجاز
بھر دے اس دولتِ نایاب سے دامن میرا
جس طرح ہوگئے جاوید سب اشلوک ترے
مہکے ایسے ہی ہر اِک دَور میں گلشن میرا

(گل صد رنگ صفحہ ۱۵۔۱۸)

شرنگار شتک کے چند اشلوک

(شلوک۔۱)

کامدیو آراستہ ہے پھولوں کے ہتھیار سے
اس کی ہیں چالاکیاں باہر حدِ اظہار سے
اس کا سارے دیوتاؤں کے گلے میں طوق ہے
صنفِ نازک کی غلامی کا انہیں بھی شوق ہے
برہما وِشنو اور شو بھی ہیں اسی کے زیرِ دام
ایسے ذیشان کامدیو کو بار بار اپنا سلام

(شلوک۔۲)

وہ تبسم زیرِ لب وہ شرم سے رُخ پھیرنا
وہ نگاہِ مست کے حلقے میں سب کو گھیرنا
اپنی سوتن کی جلن اظہار صد انداز و ناز
ان اداؤں میں نہاں عورت کی فطرت کا ہے راز

(شلوک۔۱۱)

کامدیو بے شک ہے عورت کا غلام جاں نثار
اس کی آنکھوں کے اشارے کا ہے وہ طاعت گزار
جس طرف اُس کا اشارہ اپنے رُخ کو پھیر لے
اُس بشر کو کامدیو چاروں طرف سے گھیر لے

(شلوک۔۱۳)

اے کہ پھولوں سے بھی نازک ہے ترا جسمِ حسیں
اور ابرو کی کماں، تیری ہے ایسی نازنیں
تیر جس کے دل میں گو پاتے نہیں کوئی سبیل
چھیدتے ہیں پھر بھی دل کو تیرے اوصافِ جمیل

(شلوک۔۱۹)

عمر داناؤں کی اس دنیائے دوں میں بے گماں
دو طریقوں سے بسر ہوتی ہے رہ کر شادماں
معرفت کی یا وہ پیتے ہیں شرابِ خوشگوار
یا مئے وصلِ حسیناں پیتے ہیں وہ بار بار
سخت سینہ مہ جبینوں کا انہیں رکھتا ہے شاد
بھول کر بھی وہ کبھی کرتے نہیں شِو جی کو یاد

(شلوک۔۲۰)

کس قدر ہے دل فریب و دل رُبا و دل نشیں
وہ گلِ اندام و حسیں و نازنیں و مہ جبیں
روئے زیبا جس کا ہو پُر نور مثلِ مہر و ماہ
اور ناگن کی طرح پُر پیچ ہو زلفِ سیاہ
جس کے دستِ نازنیں کومل کنول معلوم ہوں
اور پسینے کے بھی قطرے گنگا جل معلوم ہوں

(برسات شلوک۔۴۱)

نازنینوں کے ادا و ناز سے سرشار رُت
جوشِ شہوانی کو اُکساتی ہوئی مے بار رُت
پھولوں کی خوشبو کو چاروں سمت پھیلاتی ہوئی
بادلوں کی چھاتیوں سے دودھ برساتی ہوئی
ایسی رُت ہے جس سے دل میں پیدا ہوتی ہے اُمنگ

(شلوک ۴۵)

وہ سیہ راتیں وہ ساون کے مہینے کی گھٹا
اور رہ رہ کر فضا میں بجلیوں کا کوندنا
ایسی حالت میں کوئی دیکھے پری زادوں کا حال
شوہروں کی یاد میں بیٹھی ہیں جو ہو کر نڈھال

پیکرِ رنج و الم اُن کو بناتی ہے یہ رُت
درد و غم دے کر جدائی کا ستاتی ہے یہ رُت

(شلوک ۵۱)

خواہشاتِ نفس اور لذاتِ شہوت بے گماں
ہوتی ہے ذوقِ عبادت کے لئے نقصاں رساں
گو بظاہر ہجو کرتے ہیں سب ان لذات کا
اور کہتے ہیں انہیں جڑ ساری ممنوعات کا
پھر بھی ہے ان لذّتوں میں کچھ نہ کچھ ایسا اثر
اچھے اچھے عابدوں کے دل بھی کھنچتے ہیں اِدھر

(شلوک ۸۵)

جسم عورت اصل میں دشوار ہے اِک رہ گزر
چھاتیوں کے پربتوں سے ہوگئی ہے سخت تر
اس رہِ پُر خوف میں اے دل نہ رکھنا پاؤں بھی
کام دیو اِک اِک قدم پر کر رہا ہے رہ زنی
اِک پھن دار اور کج رفتار لمبا کالا سانپ
دیکھ کر جس کو کلیجہ آدمی کا جائے کانپ
اس کا ڈسنا اس سے بہتر ہے کہ کوئی مہ جبیں
اپنے کالے گیسوؤں سے کاٹ لے دل پر کہیں
سانپ کے کاٹے کا منتر تو بہت آسان ہے
زُلف کی ناگن کا ڈسنا موت کا سامان ہے

ویراگ شتک

(شلوک ۔۷)

عمر گھٹتی رہتی ہے دن رات از روئے حساب
اس پہ بھی رہتا ہے انساں زندگی بھر محوِ خواب
پھنس کے کاروبارِ دنیا میں پتہ چلتا نہیں

بیتتے ہیں عمر کے دن کس طرح اے ہم نشیں
دیکھ کر بچپن جوانی پیری و مرگِ انام
خوف و عبرت کو کوئی لاتا نہیں ہے لب پہ نام
الغرض دنیا کی اُلفت اور غفلت ہے وہ مے
جس کو پی کر ہوش میں آنا بہت دشوار ہے

(شلوک۱۴)

جھریاں چہرے پہ بالوں میں سفیدی آگئی
جسم ڈھیلا ہوگیا اعضا پہ پیری چھا گئی
پھر بھی دنیا کی ہوس دل میں جواں بن کر رہی
پیر ہم ہوتے گئے یہ تازہ تر ہوتی گئی

(شلوک۔۱۷)

گیان حاصل ہو تو دل سے دُور رہتی ہے ہوس
اور بڑھتی ہے ہوس چلتا ہے جب شہوت کا بس
کون کر سکتا ہے اس ظالم ہوس کا سامنا
دیوتاؤں کو بھی ہے دشوار دل کا تھامنا
آدمی کیا دیوتا اِندر نہ وِشیوں سے بچا
ہے ہوس کے ہاتھ سے بے گیان وہ حیران سا

(شلوک۔۲۵)

سینکڑوں راجے مہاراجے یہاں سے چل دئے
اس زمیں کو ملکیت اپنی جو تھے سمجھے ہوئے
فائدہ اس سے نہ اصلا(ہرگز) کچھ انہیں حاصل ہوا
جائے حیرت ہے کہ ان میں بھی ہے دارائی کی لے
چھوٹا سا ٹکڑا زمیں کا بھی میسر جن کو ہے

(شلوک۔۲۶)

ہے زمیں مٹی کا ڈھیلا کچھ نہیں اس کے سوا

اس کو حاصل کرنے کو راجاؤں نے کیا کچھ کیا
سینکڑوں جنگ اس زمیں کے واسطے باہم لڑے
پھر کہیں جا کر بہ مشکل اس پہ وہ قابض ہوئے
جائے حیرت ہے کہ ایسے لالچی کم ظرف کو
سب سمجھتے ہیں سخی کہتے ہیں کچھ خیرات دو
ان سے رکھتے ہیں تمنا دولتِ دنیا کی لوگ
ایسے لوگوں پر ہے لعنت جن کو چمٹا ہے یہ روگ

(شلوک۔۳۴)

تندرستی میں علالت کا لگا رہتا ہے ڈر
عیش و عشرت میں بشر کو رنج و غم کا ہے خطر
بیش ہو دولت تو پھر راجا کا ڈر بھی ساتھ ہے
جو غلامی ہو تو مالک کا خطر بھی ساتھ ہے
جنگ میں اغیار کی ہیبت کا خطرہ دم بہ دم
خانداں میں بے پڑھی عورت کا خطرہ دم بہ دم
فکر ہے حفظِ مراتب کی جو ہو عزت نصیب
خوف ہے تہمت کا ہو جو علم کی دولت نصیب
زندگی جب تک ہے دامنگیر ہے مرنے کا ڈر
سانس سُکھ کی لے نہیں سکتا کسی صورت بشر
اِک فقط بھگوان کی پوجا ہے دنیا میں وہ کام
آدمی کو جس سے بے خوفی کا ملتا ہے پیام

(شلوک۔۳۶)

پائی تھی جن کی بدولت کائناتِ زندگی
اُن کو دنیا سے گئے اب ایک مدت ہوگئی
جن کے سائے میں ہوئے ہیں ہم جواں وہ چل بسے
اب ہمارے دہر سے جانے کے دن آنے لگے

ہے ہماری زندگی دنیا میں اِک ایسا شجر
تیز رو دریا کے تٹ پر جو کھڑا ہے بے خبر
جس کی ہر جڑ کھوکھلی ہوکر زمیں سے ہو جُدا
دیکھ کر جس کو کہیں یہ اب گرا یہ اب گرا
(شلوک۔۴۲)

آرزو وہ بحر ہے مقصد کا پانی جس میں ہے
حرص کی پُر شور لہروں کی روانی جس میں ہے
ہیں محبت اس کے ناکے عشق برہا اس کا دَر
اور مکروہات دنیا اس کے آبی جانور
ہیں بھنور خود مطلبی کے اس میں منہ کھولے ہوئے
آفتیں ہیں سینکڑوں سر پر چھُری تولے ہوئے
ہیں بڑے افکار ہی اس کے کنارے دہر میں
پار وہ ہو اس سے جو ہمت نہ ہارے دہر میں
بُردبار و مستقل انسان اسے کرتے ہیں پار
جس کو کہتا ہے زمانہ بحرِ ناپیدا کنار
(شلوک۔۵۵)

خواہشاتِ نفس امارہ کو اے دل چھوڑ دے
رنج وغم جو ہیں مسلط سب کے سب مٹ جائیں گے
گامزن اس پر ہو کہتے ہیں جسے راہِ نجات
صبر کا دامن پکڑ لے ترک کردے خواہشات
(شلوک۔٦٠)

شاستر ہم کو بتاتے ہیں یہی راہِ نجات
قتل ہو انساں کے ہاتھوں سے نہ کوئی ذی حیات
دوسروں کا مال ہتھیانے سے نفرت چاہیے
راست گفتاری کی حق گوئی کی عادت چاہیے

جس قدر توفیق ہو کرتے رہو خیرات بھی
غیر عورت کے سنو ہرگز نہ تم حالات بھی
خواہشاتِ نفس کے تالے کو توڑا چاہئے
اور ادب ہر وقت اپنے سے بڑوں کا چاہئے
ہر کسی پر رحم کھانا بھی ہے اِک کارِ ثواب
بس یہی اعمال دنیا میں کریں گے کامیاب
(شلوک۔۷۶)

اپنا بازو جن کا تکیہ اور بستر ہے زمیں
ہے ہوا پنکھا جنہیں چھت ہے جنہیں چرخِ بریں
چاند ہے جن کے لئے اِک خوشنما روشن چراغ
کچھ نہیں جن کی نظر میں امتیازِ باغ و راغ
صبر سے ہوتے ہیں وہ راجاؤں سے افضل کہیں
جو جہاں میں خواہشاتِ نفس کے قیدی نہیں
(شلوک۔۷۹)

زندگی پانی کی موجوں کی طرح ہے بے قرار
حُسن، صورت، نوجوانی ہیں بہت نا پائیدار
مال و دولت کو بقا ہے صرف چند ایام تک
دینوی لذّات ہیں بجلی کی صورت اِک جھلک
پیاری بیوی سے گلے ملنا ہے تھوڑی دیر کا
اُن کے دھوکے میں پھنسا رہنا ہے بالکل ناروا
جو سمندر پار کرنا چاہو مکروہات کا
برہم کی الفت میں کردو اپنی ہستی کو فنا
(شلوک۔۹۲)

سیج ہے جن کی چٹانیں، ہیں گپھائیں جن کا گھر
چھال ہے جنگلی درختوں کی لباسِ جسم و سر

اور جنگل کے ہرن ہیں جن کے ہمدم آشنا
صرف پھل پھول اور ٹھنڈا پانی ہے جن کی غذا
ودیا روپی جو عورت ہے جنہیں اس کی چاہ
جانتے ہیں ان کو ہم پرماتما بے اشتباہ
خدمتِ خلقِ خدا کرکے ہیں فارغ دہر سے
اور وہ محفوظ ہیں رنج و الم کی لہر سے
(شلوک۔۱۰۵)

عمرِ انسانی کا اندازہ ہے معمولاً یہی
ہو زیادہ سے زیادہ بھی تو ہے سو سال تک
اس میں آدھی عمر کٹ جاتی ہے سو کر خواب میں
پھر رہے باقی پچاس ایسے برس جن میں جئیں
ان کو بھی پھر تین حصوں میں کریں تقسیم ہم
ایک بچپن، اِک جوانی،ایک پیری،سب اہم
طفلی و پیری ہیں دونوں عمر کے ایسے مقام
ہوگیا اِک کھیل میں اور اِک ضعیفی میں تمام
اور اگر دیکھیں جوانی کو تو اُس کا ہے یہ حال
ہے کبھی فرقت کا غم تو ہے کبھی غم کا ملال
خدمتِ اغیار میں، غم میں، خوشی میں،فکر میں
رائیگاں جاتے ہیں دن ایسے ہی فکر و ذِکر میں
فائدہ ہوتا ہے تو نقصان اس کے ساتھ ہے
الغرض ہر بات کا ارمان اس کے ساتھ ہے
دن خوشی کے کچھ نہیں دیکھیں جو از روئے حساب
زندگی انسان کی دراصل ہے اِک موجِ آب
اس میں ممکن ہی نہیں راحت میسر ہو کبھی
یا سکونِ قلب کی دولت میسر ہو کبھی

(شلوک۱۰۶)

جو ہیں سچے برہم گیانی اُن کے ہیں کیسے اصول
جانتے ہیں کپڑا عورت مال و زر سب کو فضول
ترک کردیتے ہیں وہ سامان سارے عیش کے
بےتعلق بے غرض رہتے ہیں وہ ہر اک چیز سے
اور اِک ہم ہیں کہ یہ نعمت ہمارے قلب کو
پہلے حاصل تھی نہ اب ہے اور آئندہ نہ ہو
کیونکہ جو کچھ اپنی قسمت سے میسر ہے ہمیں
چاہتے یہ ہیں کہ کچھ اس سے سوا حاصل کریں

(شلوک۔۱۱۰)

عبرت و افسوس کے قابل ہے حالِ زندگی
بچے سے بڑھ کر جواں ہوتا ہے ہر اِک آدمی
صاحبِ زر ہے کبھی نادار و مفلس ہے کبھی
بوالہوس، عیاش، زانی ہے تو بے حس ہے کبھی
بوڑھا ہوجاتا ہے ،ہوجاتے ہیں بال اُس کے سفید
زندگی وٗ موت میں رہتا نہیں ہے کوئی بھید
الغرض نٹ کی طرح ہر دم بدل کر تازہ روپ
موت کے پردے میں جا چھپتا ہے کرکے دوڑ دھوپ

(گلِ صدرنگ حصہ دوم از ساحر سنامی)

☆☆☆

منور لکھنوی

نغمۂ قلندری

(اودھوت' از شنکر آچاریہ کا ترجمہ)

شام الم کا منظر، صبحِ طرب کا منظر
دل چسپ کس قدر ہے یہ روز وشب کا منظر
اِک رنگِ عارضی ہے جو رنگ ہے جہاں کا
عالم بہار کا ہے، نقشہ بھی خزاں کا
برباد جنسِ ہستی فسق و فجور میں ہے
کتنی سیاہ مستی تجھ بے شعور میں ہے
دنیا کی تیرے سر میں پھر بھی ہوا بھری ہے
دنیا سے پھر بھی تجھ کو امید بہتری ہے
گوبند کا بھجن کر، گوبند کا بھجن کر
ناداں! عقیل بن کر، گوبند کا بھجن کر

آنکھیں کھلی نہ تیری گنگا میں کیا نہایا
باقی ہے میل من میں کچھ بھی ڈھلی نہ کایا
انجام بُرت کا یا خیرات کا نتیجہ
ہے تیرے سامنے اب ہر بات کا نتیجہ
ظلمت دماغ و دل کی کافور اگر نہ ہوگی
عرفان و آگہی کی پیدا نظر نہ ہوگی
جینے کا لطف تجھ کو کیا خاک آسکے گا
سو جنم لے کے بھی تو مکتی نہ پا سکے گا
گوبند کا بھجن کر، گوبند کا بھجن کر
ناداں! عقیل بن کر، گوبند کا بھجن کر

سوامی دیانند کی تصنیف

ستیارتھ پرکاش

کے اقتباسات

جب مَیں نے یہ کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' تصنیف کی تھی۔اُس وقت اور اس سے پیشتر سنسکرت میں گفتگو کرنے اور درس و تدریس میں سنسکرت ہی بولنے اور وطن مالوف کی زبان گجراتی ہونے کی وجہ سے مجھے آریہ بھاشا کی خاص مہارت نہ تھی۔اس لئے عبارت میں غلطیاں رہ گئی تھیں۔اب اس زبان کے لکھنے اور بولنے کی مشق ہوگئی ہے۔اس لئے اس کتاب کو آریہ بھاشا کے قواعدِ صرف ونحو کے مطابق اصلاح کرکے دوسری بار طبع کرایا ہے۔اس میں کہیں کہیں الفاظ،فقرات اور عبارت کی ترکیب میں تبدیلی کی گئی ہے۔ایسا کرنا واجب تھا کیونکہ اس کے بغیر محاورے کی تصحیح ہونا محال تھا۔تاہم مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔البتہ کچھ خاص مضامین ایزاد ضرور کئے گئے ہیں اور جو کہیں کہیں طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں،اُن کی بھی اصلاح کردی گئی ہے......

تصنیف ھذا کا مُدعا :اس کتاب کی تصنیف سے میرا سب سے بڑا مدعا 'ستیہ ارتھ' یعنی امورِ حقہ کا پرکاش یعنی اظہارِ حق ہے۔اسے حق اور جو باطل ہے اُسے باطل ظاہر کرنا میرے نزدیک ستیارتھ پرکاش یعنی اظہارِ حق ہے۔اس کا نام حق نہیں کہ حق کے نام پر باطل اور باطل کے نام پر حق کا اظہار کیا جائے۔برخلاف اس کے جو بات جیسی ہے،اُسے ویسا ہی کہنا،لکھنا اور تسلیم کرنا اقرارِ حق کہلاتا ہے۔جو آدمی متعصب ہوتا ہے اُس کا رجحان اپنی ناحق بات کو بھی حق اور فریقِ مخالف کی حق بات کو بھی ناحق ثابت کرنے میں ہوتا ہے۔اس لئے اس کی رسائی عقائدِ حقہ تک نہیں ہوسکتی ،پس علماء حقیقت شعار کا(جنہیں اصطلاح میں آپت یعنی ثقات کہتے ہیں)سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ تقریر و تحریر کے ذریعے عوام الناس کے سامنے حق و باطل کی صحیح صحیح تصویر پیش کردیں تاکہ وہ خود اپنے نفع نقصان سے آگاہ ہوکر حق کو قبول اور باطل کو ترک کرسکیں۔اور ہمیشہ راحت و آرام میں رہیں۔انسان کا ضمیر حق و باطل میں تمیز کرسکتا ہے۔مگر مطلب برآری،ہٹ دھرمی،ضد اور جہالت وغیرہ عیوب کے باعث حق کو ترک کرکے باطل کی

طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں نہ تو کوئی ایسی بات آنے پائی ہے اور نہ اس سے کسی کی دلآزاری اور نقصان رسانی مقصود ہے۔ برخلاف اس کے اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی اور بہبودی ہو۔ اور سب حق و باطل کی ماہیت سے آگاہ ہو کر حق کو اختیار کریں۔ اور باطل کو ترک کر دیں کیونکہ تلقین حق کے سوا بنی نوع انسان کی ترقی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اس کتاب میں کہیں سہواً یا اصلاح اور طباعت میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو توجہ دلائے جانے پر مناسب تصحیح کر دی جاویگی لیکن اگر کوئی تعصب کی وجہ سے بیجا تعرض یا بحث و مباحثہ کرے گا تو اُس کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا۔ البتہ جو شخص خیر خواہیِ عوام کے خیال سے کوئی بات ظاہر کرے گا تو صحیح ثابت ہونے پر اُس کی رائے قبول کر لی جائے گی۔

علماء کا فرض: موجودزمانے میں ہر ایک مذہب میں علماء وفضلاء بکثرت موجود ہیں مگر وہ تعصب سے بالاتر ہو کر عالمگیر سچائیوں یعنی ایسی باتوں کو جو سب کے نزدیک حق اور سب کے لئے یکساں مفید ہیں، اختیار کریں۔ اور جو امور ایک دوسرے کی مخالفت کا باعث ہیں، انہیں ترک کر کے آپس میں محبت کا سلوک کریں اور کرائیں، تو اہلِ عالم کی کامل بہبودی ہو۔ علماء کی مخالفت سے عوام میں باہمی مخالفت کی ترقی (اضافہ) ہوتی ہے جس سے طرح طرح کی تکالیف کی ایزادی اور راحت و آرام کی کمی ہو جاتی ہے۔ اس خرابی نے جو خود غرض لوگوں کو پسند ہے، تمام عالم کو بحرِ مصائب میں ڈبو دیا ہے جو اہلِ علم خلائقِ عامہ کی بہبودی کو مدِ نظر رکھ کر شاغل بکار ہوتا ہے۔ خود غرض لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر مختلف طریقوں سے اُس کی مزاحمت کرتے ہیں لیکن جیسے اپنشد میں کہا گیا ہے۔

सत्यमेव जयते नानृतं सत्येन पन्था विततो देवयानः ।

''ہمیشہ حق کی فتح اور باطل کی شکست ہوتی ہے۔ علماء کرام کا راستہ اظہارِ حق کے ذریعے وسیع ہوتا جاتا ہے۔''

علماء حقیقت شعار اس یقینِ واثق کا سہارا لے کر نہ تو رفاہِ عام کے کاموں سے دل برداشتہ ہوتے ہیں اور نہ اظہارِ حق سے پیچھے ہٹتے ہیں۔ گیتا کا یہ قول برحق ہے کہ:

यत्तदग्रे बिषमिव परिणामेऽमृतोपमम् ।

''جو دو دیا اور دھرم، علم اور دین کی ترقی کے کام ہیں اُن کا آغاز زہر اور انجام امرت کے ہم پایہ ہوتا ہے۔''

انہی باتوں کو مدِ نظر رکھ کر مَیں نے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ ناظرین اور سامعین کمال التفات سے اول اس کے حقیقی مطالب کو سمجھیں۔ اس کے بعد جیسا چاہیں عمل کریں۔ اس کتاب میں یہ امر مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ جو جو باتیں تمام مذاہب میں سچی ہیں اور جن کے متعلق کوئی اختلاف نہیں قبول کر کے مختلف فرقوں میں جو امورِ باطلہ ہیں، اُن کی تردید کر دی گئی ہے۔ اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان فرقوں کی ظاہرہ اور پوشیدہ سب بُری باتوں کو علماء اور جہلاء سب کے سامنے طشت از بام کر دیا جائے تاکہ باہم تبادلۂ خیالات ہو کر آپس میں محبت پیدا ہو اور سب ایک راہِ حق پر آ جائیں

مصنف کی غیر طرفداری :اگرچہ میری پیدائش ملک آریاورت میں ہوئی ہے اور مَیں اس ملک کا باشندہ ہوں تاہم جیسے اس مُلک کے مختلف فرقوں کی جھوٹی باتوں کی طرفداری نہیں کرتا بلکہ انہیں جوں کا توں ظاہر کر دیتا ہوں ایسے ہی غیر ممالک کے باشندوں اور دیگر مذاہب کی ترقی کرنے والوں کے ساتھ بھی غیر طرفداری کا سلوک روا رکھتا ہوں۔ انسانی بہبودی کے متعلق میرا جو سلوک اپنے ہموطنوں سے ہے وہی دیگر ممالک کے باشندوں سے (ہے)۔ شریف انسانوں کے لئے یہی رویہ مناسب ہے۔ اگر مَیں بھی کسی خاص فرقے کی طرفداری کرتا تو جیسے آج کل سب اپنے اپنے فرقے اور عقائد کی تعریف، تائید اور اشاعت کرتے ہیں اور دیگر فرقوں اور اُن کے عقائد کی مذمت، مضرت کے درپے ہوتے ہیں، ویسے ہی مَیں بھی ہوتا۔ مگر ایسا طرزِ عمل انسانیت سے بعید ہے۔ طاقتور حیوان کمزور حیوانوں کو ستاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی قالبِ انسانی میں آ کر بھی ویسا ہی وطیرہ اختیار کرے تو وہ سیرۃ انسان نہیں بلکہ بمنزلہ حیوان ہے۔ برخلاف اس کے جو طاقتور ہو کر کمزور کی حفاظت کرتا ہے، وہی انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ اور جو خود غرضی میں پھنس کر دوسروں کا نقصان کرتا رہتا ہے، وہ گویا حیوان ہی نہیں، حیوان سے بھی بدتر ہے۔

ہندوستانی فرقوں پر تبصرہ :آریاورت کے (فرقوں اور اُن کے عقائد) پر بالخصوص پہلے گیارہ بابوں میں روشنی ڈالی گئی۔ ان ابواب میں جو عقائد حقہ بیان کئے گئے، اُن کی بنیاد وید کے احکامات ہیں، اس لئے وہ مجھے کلیتہً قبول ہیں۔ اس کے برعکس پُران، تنتر وغیرہ کتب جدیدہ کے جن بدعتی اقوال کی تردید کی گئی ہے، وہ قابلِ ترک ہیں۔

منکرانِ وید، چارواک بودھ اور جین: بارھویں باب میں فرقہ

'چارواک' کا ذکر ہے۔اگر چہ اس وقت یہ فرقہ نہایت خستگی اور زوال کی حالت میں ہے اور پرمیشور (خداتعالےٰ) کی ہستی سے انکار کرنے وغیرہ امور میں اس کا بودھ اور جین مت سے اتفاق ہے۔تو بھی چونکہ دہریت میں یہ فرقہ اور سب کا پیشوا ہے،اس لئے اس کی اشاعت کا انسداد ضروری ہے۔کیونکہ اگر بطلان کا انسداد نہ کیا جائے تو دنیا میں انواع واقسام کی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔چارواک،بودھ اور جین،ان تینوں متوں کا مختصر ذکر بارھویں سملاس میں کیا گیا ہے۔ بعض امور میں تو بودھوں اور جینیوں کی چارواک مت کے ساتھ مطابقت ہے۔اور چند ایک امور میں مختلف ہے۔اس لئے جینیوں کا شمار بطور ایک الگ فرقہ کے ہوتا ہے۔یہ اختلافات بارھویں باب میں بیان کردیے گئے۔ناظرین ان کا مطالعہ کرکے مناسب رائے قائم کریں۔ان اختلافات کے علاوہ بودھوں اور جینیوں کے دیگر عقائد کا تذکرہ بھی اس باب میں کیا گیا ہے۔بودھوں کے عقائد اُن کی پرانی کتب "دیپ ونش" وغیرہ اور "بودھ درشن سنگرہ" اور ""سرو درشن سنگرہ" میں مذکور ہیں۔ان کتب سے یہاں نقل کیا گیا۔اور جینیوں کے مسلّمات مندرجہ ذیل کتب میں مذکور ہیں:

چار مول سوتر جیسے (۱) آویشک سوتر (۲) وشیش آویشک سوتر (۳) دش ویکالک سوتر (۴) پاکشک سوتر۔ **گیارہ انگ** جیسے (۱) آچاریہ انگ سوتر (۲) سگڈانگ سوتر (۳) ٹھاٹانگ سوتر (۴) سموایا یانگ سوتر (۵) بھگوتی سوتر (۶) گیاتا دھرم کتھا سوتر (۷) اُپاسک دشا سوتر (۸) انت گڑ دشا سوتر (۹) انوترووائی سوتر (۱۰) وِپاک سوتر (۱۱) پرشن ویاکرن سوتر۔ **بارہ اُپانگ**۔جیسے (۱) اُپوائی سوتر (۲) رائپ سینی سوتر (۳) جیوا بھگم سوتر (۴) پنوتا سوتر (۵) دیپ پنتی سوتر (۶) چند پنتی سوتر (۷) سور پنتی سوتر (۸) نری یاولی سوتر (۹) کپیا سوتر (۱۰) کپ بڑیسیا سوتر (۱۱) پوتپیا سوتر (۱۲) پُپیہ چولیا سوتر **پانچ کلپ سوتر** جیسے (۱) اُترادھین سوتر (۲) نشیتھ سوتر (۳) کلپ سوتر (۴) دیویار سوتر (۵) جیت کلپ سوتر **چھید** (۱) مہانشیتھ برہد واچنا سوتر (۲) مہانشیتھ لگھوا واچنا سوتر (۳) مدھیم واچنا سوتر (۴) پنڈ نرگتی سوتر (۵) ادھگ نر گتی سوتر (۶) پریو شنٹا سوتر۔ **دس پینا سوتر**۔جیسے (۷) چتسرن سوتر (۲) پچ کھان سوتر (۳) تندل ویالک سوتر (۴) بھگتی پریگیان سوتر (۵) مہا پرتیا کھیان سوتر (۶) چندا وجیہ سوتر (۷) گنئی وجیہ سوتر (۸) مرن سمادھی سوتر (۹) دیویندر ستمن سوتر اور (۱۰) سنسار سوتر اور نندی سوتر یوگا دھار سوتر بھی مستند مانتے ہیں۔پانچ پنچانگ جیسے مذکرہ بالا سب کتب کی (۱) ٹیکا (۲) نرکتی (۳) چرنی

(۴) بھاشیہ یہ چار اقسام شرح۔اور مذکورہ بالا تمام متن (اصل کتب) یہ سب مل کر پانچ انگ یعنی (یعنی جین لٹریچر کے پانچ حصے) کہلاتے ہیں۔ڈھونڈھیا فرقہ کتب شرح کا معتقد نہیں ہے۔مندرجہ بالا کتب ایسی ہیں جو جینیوں کے نزدیک مستند ہیں۔اس فرقے کی تنقید بالتخصیص بارھویں باب میں کی گئی ہے،ناظرین وہاں ملاحظہ فرمائیں

جینیوں کی کتب میں تکرار مضامین یعنی ایک ایک بات کو بار بار دہرانے کا نقص بے شمار مقامات پر پایا جاتا ہے۔ان کی یہ بھی عادت ہے کہ اگر ان کی کوئی مذہبی کتاب کسی غیر مذہب والے کے ہاتھ لگ گئی ہو یا طبع ہو چکی ہو۔تو بعض لوگ اسے غیر مستند قرار دے دیتے ہیں لیکن ان کا یہ عذر قابلِ پذیرائی نہیں کیونکہ جو کتاب ایک کے نزدیک مستند ہے اور دوسرے کے نزدیک غیر مستند، وہ تمام فرقہ جین کی نظر سے غیر مستند نہیں ہوسکتی۔البتہ جس کتاب کو نہ کوئی جینی اب مستند مانتا ہو اور نہ بھی پہلے کسی نے اس کا استناد کیا ہو، اُسے بطور سند پیش نہیں کیا جا سکتا۔لیکن ایسی کتاب ایک بھی نہیں ہے جو کسی جینی کی نظر میں مستند نہ ہو۔جس کتاب کو جو شخص مستند کرتا ہو۔اس کی تنقید کا مخاطب بھی وہی ہے۔ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو یوں تو کسی کتاب کے معتقد ہوتے ہیں لیکن مجلسوں اور مباحثوں میں اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جینی لوگ اپنی مذہبی کتب کو چھپا کر رکھتے ہیں، غیر مذاہب کے لوگوں کو وہ اپنی کتب مقدسہ نہ دیتے ہیں، نہ سُناتے ہیں۔اور نہ پڑھنے دیتے اور نہ پڑھاتے ہیں۔کیونکہ ان کی کتب میں ایسی غیر ممکن باتوں کی بھرمار ہے کہ جن کی وجہ سے (مخالفین) کے روبرو انہیں خواہ مخواہ لاجواب ہونا پڑتا ہے۔ردِ باطل کا اصلی جواب ترکِ باطل ہے۔

عیسائیت اور اسلام: تیرھویں باب میں مذہب عیسوی پر تبصرہ کیا ہے عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے اس کی خاص تفصیل تیرھویں باب میں ملاحظہ کیجیے، چودھویں باب میں مذہبِ اسلام کا ذکرِ خیر ہے۔اہلِ اسلام اپنے عقائد کی بنیاد قرآن مانتے ہیں۔چودھویں باب میں ان عقائد پر بالتخصیص روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے بعد ویدک عقائد کا بیان کیا گیا ہے۔

مصنف کی منشاء: جو شخص اس کتاب کا مطالعہ مصنف کی منشا کے برعکس کسی اور غرض سے کرے گا، اُس پر اس کے مطالب کا ظاہر ہونا محال ہے کیونکہ مفہوم کلام سے آگاہ ہونے

کے لئے چار چیزوں کا خاص خیال رکھنا شرط ہے۔ جو شخص ان چار باتوں کو مدِ نظر رکھ کر کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، اُس پر اِس کتاب کا مفہوم کماحقہ منکشف ہو جاتا ہے۔

(۱) آ کانکشا: یعنی اجزائے کلام کا ایک دوسرے کے بغیر غیر مکمل رہنا (مثلاً فاعل فعل کے بغیر اور فعل فاعل کے بغیر نامکمل ہے۔

(۲) یوگیتا: یعنی اہلیت اشیاء۔ مثلاً پانی سینچنے کی اہلیت رکھتا ہو (اگر کوئی کہے آگ سینچتی ہے تو فقرہ مہمل ہوگا)

(۳) آستی: الحاق الفاظ یعنی باہم مربوط الفاظ کو ایک دوسرے کے نزدیک لکھنا اور بولنا۔

(۴) تات پر یہ یعنی مفہوم متکلم: کلام کے معنی متکلم کے مفہوم کے مطابق کرنے چاہئیں۔ اکثر ہٹ دھرمی اور ضدی لوگ ایسے ہیں کہ متکلم کے منشاء کے خلاف فرضی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ فرقہ وارانہ مذاہب میں یہ نقص بالخصوص پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فرقہ بندی کی ضد کی وجہ سے ان لوگوں کی عقل تاریکی میں مبتلا ہو کر زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جیسے پُرانوں، جینیوں کی مذہبی کتب، بائبل اور قرآن کو شروع سے ہی بُری نظر سے نہ دیکھ کر ان کی خوبیوں کو تسلیم اور نقائص کو ترک کرتا ہوں۔ اور تمام بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے کوشاں ہوں۔ یہی وطیرہ سب کو اختیار کرنا چاہیے۔ مَیں نے ان تمام مذاہب کے چند چیدہ چیدہ نقائص ظاہر کئے ہیں تاکہ بنی نوع انسان حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ اور حق کو قبول اور باطل کو رد کرنے کے قابل ہو۔ بنی نوع انسان کو جو دراصل ایک ہے، غلط راستوں پر ڈال کر اُن کے دلوں میں اختلاف پیدا کرنا اور باہمی مخالفت کے ذریعے جنگ وجدل کی بنیاد ڈالنا علماء کرام کی فطرت سے بعید ہے۔

(ممکن ہے) جہلاء اس کتاب کے مطالعہ سے برعکس نتائج ہی اخذ کریں۔

علماء کرام ضرور صحیح مطالب پر پہنچیں گے۔ مَیں نے اپنی محنت کا ثمر یہی سمجھ کر اپنے دل کا مدعا نیک نہاد اصحاب کے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ جہاں اس کتاب کا خود مطالعہ کریں وہاں دوسروں کو بھی

مطالعہ کرنے کی ترغیب دے کر میری محنت کو بارآور کریں۔تعصب سے بالاتر ہوکر حقیقت کا اظہار کرنا جیسے میرا فرضِ اولیں ہے ویسے ہی تمام اوالعزم حضرات کا۔

(سچدانند سوسروپ) ہست بالذات۔مدر بالذات۔مسرور بالذات پرمیشور جو تمام عالم کی جان ہے۔وہ (انتریامی) منضبط باطن ہمارے اس پاک ارادے کو وسعت اور استقلال (کی دولت) عطا کرے۔

عاقلاں را اشارہ کافی است

مقام راناجی کا اودے پور (سوامی) دیا نند سرسوتی

بھادر پد،شکل پکش سمت ۱۹۳۹ء

....

تربیت اولاد

تین ادیب :شت پتھ براہمن کا یہ قول برحق ہے۔کہ جس شخص کو تین ادیبانِ کامل یعنی ایک ماں،دوسرا باپ اور تیسرا اُستاد میسر ہوں،وہی علم سے (کماحقہ) بہرہ ور ہوسکتا ہے۔مبارک ہے وہ خاندان اور خوش نصیب ہے وہ اولاد جس کے ماں باپ،ذی علم اور احکامِ الٰہی کے پابند ہوں۔اولاد کو جس قدر تلقینِ حق اور دیگر فیض ماں سے حاصل ہوتے ہیں،اُتنے کسی اور سے نہیں۔درحقیقت ماں کے برابر اولاد کا کوئی اور خیر اندیش اور محبّ ہو ہی نہیں سکتا۔''ماتری مان'' یعنی والدہ کے وجود سے فیضیاب وہ شخص ہے جس کی ماں برگزیدہ اور اور احکامِ الٰہی کی دلدادہ ہو۔مبارک ہے وہ ماں جو وقتِ حمل سے لے کر تعلیم کے ختم ہونے تک بچوں کو اخلاقِ حمیدہ کی تلقین کرتی رہتی ہے۔

استقرارِ حمل:والدین کے لئے لازم ہے کہ استقرارِحمل سے پیشتر،دورانِ حمل میں اور اس کے بعد منشّیات مثلاً شراب اور بدبودار خشک اور مُضر اشیاء سے پرہیز کریں اور جن اشیائے

خوردنی سے طمانیتِ قلب، صحت، طاقتِ ذہن، ہمت، نیک سیرتی اور شائستگی کی ترقی ہو مثلاً گھی، دودھ، میٹھی چیزیں، وغیرہ اُن کا استعمال کریں تا کہ رَج اور بیرج (دونوں کے مادۂ تولید) کے تمام نقائص دُور ہو کر اُن میں نہایت عمدہ خواص پیدا ہوں۔ جیسے شاستروں میں رِتو کمن یعنی مناسب وقت پر مجامعت کی ہدایت کی گئی ہے کہ حیض کے نمودار ہونے کے پانچویں دن سے لے کر سولہویں دن تک ان بارہ دنوں میں بھی گیارھویں اور تیرھویں رات کو چھوڑ کر باقی دس راتیں استقرارِ حمل کے لئے موزوں ہیں، اسی طرح عمل کریں۔ حیض کے نمودار ہونے سے سولہویں رات کے بعد جب تک دوبارہ استقرارِ حمل کا وقت جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے، نہ آئے، تب تک اور حمل ہو جانے کی صورت میں ایک برس تک صحبت نہ کریں۔ (اگر ماں خود دودھ پلائے تو دودھ پلانے تک صحبت منع ہے) صحبت اسی وقت کریں جب زوجین تندرست ہوں۔ ایک دوسرے سے خوش و خُرم ہوں۔ اور کسی قسم کا غم نہ ہو۔ لباس اور خوراک کے متعلق جو ہدایات چرک اور سُشرت میں کی گئی ہیں۔ اور باہمی خوشی حاصل کرنے کا جو اسلوب منوسمرتی میں بیان کیا گیا ہے، اُس کے مطابق عمل کریں۔ استقرارِ حمل کے بعد عورت کو خوراک اور پوشاک کے بارے میں غایت درجہ احتیاط عمل میں لانی چاہیے۔ عورت ایک برس تک مرد سے ہم بستر نہ ہو اور جب تک بچہ پیدا نہ ہو، انہی اشیاء کا استعمال کرے جو عقل، طاقت، حُسن، صحت اور طمانیت وغیرہ اوصاف پیدا کرنے والی ہیں۔

ولادت اور اس کے بعد: جب بچہ پیدا ہو تب اُسے خوشبودار پانی سے نہلانا چاہیے۔ اور نالی کاٹ کر اور خوشبودار گھی وغیرہ کا ہون کر کے زچہ کے غسل اور خوراک کا مناسب انتظام کرنا چاہیے تا کہ زچہ اور بچہ کا جسم بتدریج تندرست اور طاقتور ہوتا جائے۔ بچہ کی ماں یا دایہ ایسی خوراک استعمال کرے جس سے دودھ میں عمدہ خواص پیدا ہوں۔ زچہ کا دودھ چھ دن تک بچے کو پلانا چاہیے بعدازاں دایہ پلایا کرے (جب چرک اور سشرت نے کتابیں تصنیف کیں ان دنوں دایہ رکھنے کا رواج تھا)۔ دایہ کو بچے کے والدین کھانے پینے کی نہایت عمدہ اشیاء دیا کریں۔ اگر کوئی صاحب غریب ہوں اور دایہ نہ رکھ سکیں تو ایسی ادویات جو ذہن، ہمت اور صحت کو بڑھانے والی ہوں اول پانی میں بھگو رکھیں، پھر جوش دے کر چھان لیں اور اُس چھانے ہوئے پانی کو گائے یا بکری کے دودھ میں ہموزن ملا کر بچے کو پلائیں۔ پیدائش کے بعد زچہ اور بچہ کو کسی ایسی جگہ رکھیں جہاں کی ہوا صاف ہو، وہاں خوشبودار اور خوشنما اشیاء مہیا کر دی جائیں۔ (نشکرمن سنسکار یعنی گھر سے باہر

نکلنے کی رسم کے بعد) ایسے مقامات کی سیر کرانا مناسب ہے جہاں کی ہوا صاف ہو۔ جہاں دایہ، گائے اور بکری وغیرہ کا دودھ میسر نہ ہو سکے، وہاں جیسا مناسب سمجھیں، عمل کریں، چونکہ بچے کا جسم زچہ کے اجزا سے ترکیب پاتا ہے اور بچہ جننے والی عورت کمزور ہو جاتی ہے، اس لئے زچہ دودھ نہ پلائے۔ دودھ کی بندش کے لئے پستان کے منہ پر ایسی دوا لگائیں جس سے دودھ نکلنا بند ہو جائے۔ ایسا عمل کرنے سے عورت دوسرے مہینے پھر طاقتِ شباب حاصل کر لیتی ہے۔ اس اثنا میں مرد مجرد رہ کر ضبطِ نفس سے کام لے۔ جو عورت مرد اِن ہدایات پر عمل کریں گے، اُن کی تمام اولاد اعلیٰ، طاقتور، ذی ہمت، طویل الحیات اور احکامِ دینی کی پابند ہوگی۔ عورت رحم کا انقباض اور تزکیہ کرے اور مرد ضبطِ نفس کا پابند رہے۔ اس حالت میں آئندہ جس قدر اولاد ہوگی، افضل ہوگی۔ بچوں کی ماں ہمیشہ ایسی ہدایت کرے کہ وہ مہذب ہوں اور کسی عضو سے مذموم حرکت نہ کر پائیں۔

تلفظ کی تعلیم: جب بچہ بولنے لگے تو اس کی ماں ایسی تدابیر اختیار کرے جن سے بچے کی زبان ملائم اور تلفظ صاف ہو۔ ہر ایک حرف کے مخرج کا اور زبان ہونٹ وغیرہ اعضا کی موزوں حرکت کا پورا خیال رکھیں۔ مثلاً پ کا مخرج ہونٹ اور موزوں حرکت ہونٹوں کا ملنا ہے۔ ہریسو، دِیر، گھر اور پلٹ کے تلفظ کا صحیح انداز سکھاویں۔ لہجہ شیریں، سنجیدہ اور دلفریب ہو۔ حروف اعراب، الفاظ، فقرات، تراکیب، وقفہ جات سب الگ الگ سنائی دیں۔

آداب اور اخلاق کی تعلیم: جب بچہ کچھ کچھ بولنے اور کہی ہوئی بات سمجھنے لگے تو ماں شیریں کلامی اور آدابِ محفل کی تعلیم دے۔ مثلاً بڑے، چھوٹے، قابلِ تعظیم بزرگ، ماں باپ، راجہ اور عالم وغیرہ سے بات چیت اور برتاؤ کے آداب اور اُن کی صحبت میں نشست و برخاست کے قوائد سکھائے تاکہ بچے کی کوئی حرکت ناشائستہ نہ ہو۔ اور اس کی ہر جگہ عزت ہو۔ ایسی کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ اولاد ضبطِ نفس، حصولِ علم اور نیک لوگوں کی صحبت کا شائق ہو۔ اور بے ہودہ کھیلنے، رونے، ہنسنے، لڑنے اور اعتدال سے زائد خوشی اور غم، طمع، حسد اور عداوت وغیرہ سے باز رہے۔ چونکہ عضوِ تناسل کے چھونے اور ملنے سے طاقت مردمی کی کمی، نامردی اور ہاتھ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اسے نہ چھوئے۔ ہمیشہ طرزِ عمل ایسا رکھے جس سے راست گوئی، شجاعت، استقلال اور خندہ پیشانی سے رہنے کی عادت ہو۔

حروف سکھانا اور منتر وغیرہ یاد کرانا: جب لڑکا یا لڑکی پانچ برس کی

ہو، اُسے دیوناگری حروف کی مشق کرائیں۔ دیگر ممالک کی زبانوں کے حروف کی بھی (حسبِ موقع) تعلیم دیں۔ بعدازاں یسے منتر، شلوک، سُوتر اور عبارات، نظم ونثر مع معانی یاد کرائیں جن میں اخلاقِ حسنہ، علومِ دینی ودینوی اور ذاتِ الہٰی کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں اور جن سے ماں باپ، اُستاد، علماء، مہمان، بادشاہ، رعایا، اہلِ خانداان، بھائی بہن اور خدمتگار وغیرہ سے سلوک کرنے کی تعلیم ملے۔ تاکہ لڑکا یا لڑکی کسی بدمعاش کے بہکانے میں نہ آئے۔ اور جو جو باتیں علوم دینی ودینوی کے برخلاف ہوں اور جن سے اوہام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اُن کے متعلق بھی مناسب تلقین کریں تاکہ بھوت پریت وغیرہ اوہامِ باطلہ کا معتقد نہ ہو۔

بھوت پریت وغیرہ: منوسمرتی ۵۔۶۵ میں لکھا ہے۔ اُستاد کے انتقال ہوجانے پر جو شاگرد لاش کا (جسے اصطلاح میں پریت کہتے ہیں) سنسکار کرتا ہے وہ اور لاش اُٹھانے والے دسویں دن پاک ہوجاتے ہیں۔ (اس شلوک میں لفظ ''پریت'' لاش کے لئے استعمال ہوا ہے) جب وہ لاش جلائی جاچکتی ہے، تب اُسے بھوت کہتے ہیں۔ ''بھوت'' کے معنی ہیں ماضی یعنی 'ہوچکا'۔ جو اشخاص پیدا ہوکر زمانہ حال میں موجود نہیں رہے وہ اب زمانۂ ماضی کے ہو چکے۔ اصطلاح میں انہیں ''بھوت'' کہا جائے گا۔ برہما سے لے کر آج تک کے علماء کا یہ مسلّمہ چلا آیا ہے۔ برخلاف اس کے جو شخص صحبتِ بد اور شبہاتِ ضعیفہ اور اثراتِ ذمیمہ کا شکار ہوتا ہے، اُسے اپنے دل کے شکوک اور خوف وخطر بھوت پریت، ڈاکنی، شاکنی وغیرہ اوہام کی صورت میں ستاتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی جاندار مرتا ہے تب اس کی روح پرمیشور کے حکم سے اپنے اچھے بُرے اعمال کا ثمرہ رنج وراحت کی شکل میں حاصل کرنے کے لئے دوسرا قالب اختیار کرتی ہے۔ کیا کوئی شخص پرمیشور کے اس ازلی وابدی قانون کو توڑ سکتا ہے؟ جاہل لوگ علمِ طب اور علم طبیعات سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے سرسام وغیرہ عوارضِ جسمانی اور خفقان وغیرہ امراضِ قلبی کا نام بھوت پریت وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔ ان امراض کا علاج پرہیز اور استعمالِ ادویہ کے ذریعے کرنے کی بجائے بدمعاش، مکار، جاہلِ مطلق، بداخلاق، خودغرض، بھنگی، چمار، شودر، ملیچھ وغیرہ تک کے معتقد ہوکر انواع واقسام کے مکروفریب میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور جھوٹھا کھاتے اور ڈورا دھاگہ وغیرہ جھوٹے منتر جنتر باندھتے اور بندھواتے پھرتے ہیں۔ جہاں اپنی دولت برباد اور اولاد کو تباہ کرتے ہیں۔ وہاں امراض وغیرہ تکالیف کی ایزادی کا موجب بنتے ہیں، جب یہ آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے اُن بداندیش، بدکردار اور خودغرض اشخاص کے پاس جا کر پوچھتے

ہیں۔ ''مہاراج! اس لڑکے، لڑکی، مرد یا عورت کا کیا ہوگیا ہے'' تب وہ کہتے ہیں اس کے جسم میں ایک بڑا بھوت، بھیرو، شیتلا وغیرہ دیوی داخل ہوگئی ہے، جب تک تم اس کے دفعیہ کی تدبیر نہیں کروگے، یہ دُور نہیں ہوں گے۔ ممکن ہے یہ جان تک لے لیں۔ اگر تم اس قدر ملیدہ یا اس قدر بھینٹ دے دو تو ہم منتر (جپ) پُرشچیرن (وِرد) وغیرہ سے جھاڑ کر انہیں نکال دیں گے۔ اِس پر وہ کور چشم اور اُن کے رشتہ دار کہتے ہیں۔ مہاراج چاہے ہمارا سب کچھ چلا جائے اس کو تندرست کر دیجئے۔ اس سے ان بدمعاشوں کی بن آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں اچھا لاؤ اتنا سامان، اتنی نذر، دیوتا کا نذرانہ، ان ستاروں کی بھینٹ، یہ کہہ کر مردنگ، ڈھول اور تھال لے لیتے ہیں اور اس کے سامنے گاتے بجاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مکار پاگل کی شکل اختیار کر کے ناچتا، کودتا اور کہتا ہے۔ مَیں اس کی جان ہی لے لوں گا۔ یہ سُن کر وہ کور باطن اس بھنگی چمار وغیرہ خسیس شخص کے پاؤں پڑ کر کہتے ہیں۔ آپ جو چاہے لے لیں مگر اس کو بچا دیں۔ تب وہ بد باطن کہتا ہے۔ مَیں ہنومان ہوں۔ لاؤ پکی مٹھائی، تیل، سیندو، سوامن کا اروٹ اور لال لنگوٹ۔ مَیں دیوی یا بھیرو ہوں۔ لاؤ پانچ بوتل شراب، بیس مُرغی، پانچ بکرے، مٹھائی اور کپڑے۔ جب وہ کہتے ہیں جو چاہو سولو۔ تب وہ پاگل خوب ناچنے، کودنے لگتا ہے لیکن اگر کوئی دانشمند اس کی نذر پانچ جوتے، ڈنڈے یا طمانچے اور لاتیں کر دے تو اس کے ہنومان، دیوی اور بھیرو جھٹ خوش ہو کر بھاگ جاتے ہیں کیونکہ یہ سب اس کا فقط دولت وغیرہ لوٹنے کا بہانہ ہے۔

پھلت جیوتش (نجوم): اور جب کسی گرہوں (نحس وغیر نحس تاروں) کے شکار، گرہ (نحوست) مجسم منجم نما شخص کے پاس جا کر کوئی کہتا ہے۔ مہاراج! اس کو کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے اس پر سورج وغیرہ سخت گرہ (نحس تارے) چڑھے ہوئے ہیں۔ اگر تم ان کو ہٹانے کے لئے شانتی پاٹھ پوجا، دان وغیرہ کراؤ تو اس کو آرام ہو جائے گا ورنہ وہ بہت تکلیف اُٹھائے گا اور عجب نہیں کہ مر جائے۔

محقق:۔ کہیے جوتشی جی! جیسے یہ زمین غیر مدرک ہے ایسے ہی آفتاب وغیرہ اجرام بھی غیر مدرک ہیں۔ حرارت اور روشنی کے علاوہ یہ کچھ نہیں دے سکتے، بھلا آپ ہی بتایئے۔ کیا یہ مدرک ہیں کہ ناراض ہو کر تکلیف دیں اور خوش ہو کر یا ناراض ہو کر تکلیف دیں اور خوش ہو کر راحت؟

جوتشی:۔ دنیا میں جو یہ راجا پرجا دکھی سُکھی ہو رہے ہیں کیا یہ گرہوں (تاروں) کا اثر نہیں ہے؟

محقق:۔ نہیں۔ یہ نیک و بداعمال کا ثمرہ ہے۔

جوتش۔گنت اور پھلت: جوتشی:۔تو کیا علمِ نجوم باطل ہے۔؟
محقق:۔اس میں جو علمِ ہندسہ، علمِ جبر و مقابلہ اور علمِ مساعت ہے وہ سب صحیح اور برحق ہے لیکن جو یہ ''پھل''یعنی''اثر'' کا شعبدہ ہے وہ باطل ہے۔
جوتشی:۔یہ جو جنم پتر (زائچہ) بنایا جاتا ہے، کیا وہ فضول ہے؟
محقق:۔اس کا نام جنم پتر نہیں شوک پتر یعنی ماتم نامہ رکھنا چاہیے کیونکہ اولاد کی پیدائش کو تو سب کو خوشی ہوتی ہے۔ لیکن وہ خوشی تبھی تک رہتی ہے جب تک جنم پتر تیار ہو کر گرہوں کا اثر نہ سُن لیا جاوے، جب پروہت (مُلا) نجومی جنم پتر بنانے کا ذکر کرتا ہے تو بچے کے ماں باپ اُس سے کہتے ہیں۔مہاراج بہت اچھا جنم پتر تیار کیجیے۔اگر باپ دولتمند ہو تو پروہت لال پیلی لکیروں سے رنگا ہوا اور غریب ہو تو سادہ جنم پتر سنانے کو آتا ہے۔ماں باپ جوتشی سے کہتے ہیں۔اس کا جنم پتر اچھا تو ہے؟ جوتشی کہتا ہے جو ہے، وہ سنا دیتا ہوں۔اس کے جنم گرہ یعنی پیدائش کے تارے اور رفیق تارے بھی بہت اچھے ہیں۔اس کا پھل یعنی اثر یہ ہوگا کہ یہ دولتمند اور معزز ہوگا، جس مجلس میں بیٹھے گا سب پر اُس کا رعب طاری ہو جائے گا۔یہ تندرست رہے گا اور راج دربار میں عزت پائے گا۔''اس قسم کی باتیں سُن کر بچے کے ماں باپ اور اُس کے ساتھی کہتے ہیں۔واہ واہ جوتشی جی آپ بہت اچھے ہیں'' جوتشی جی سمجھتے ہیں کہ ان باتوں سے کام نہیں چلے گا تب وہ کہہ اُٹھتے ہیں۔''یہ تارے تو موافق ہیں مگر فلاں تارے ناموافق ہیں۔فلاں فلاں تارے کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے آٹھویں سال اس کا انتقال ہو جائے۔یہ بات سُن کر ماں باپ بیٹے کی پیدائش کی خوشی تو بھول جاتے ہیں اور یکا یک بحرِ غم میں غرق ہو کر جوتشی جی سے کہتے ہیں۔مہاراج اب ہم کیا کریں؟ جوتشی جی کہتے ہیں اُپاؤ (تدبیر) کرو۔خانہ دار کہتا ہے۔کیا اُپاؤ (تدبیر) کریں۔جوتشی جی تجویز کرنے لگتے ہیں''ایسا ایسا دان (نذر پیش) کرو۔گرہ (تارے) کے منتر جاپ (ورد) کراؤ اور ہمیشہ براہمنوں کو بھوجن (ضیافت) کراؤ، تب ممکن ہے کہ نوگرہ (نو موثر تاروں) کی زحمت دُور ہو جائے۔''ممکن اس لئے کہتے ہیں کہ اگر مر جائے گا تو کہہ دیں گے کہ پرمیشور پر کسی کا اختیار نہیں، تم نے بہتیری جدوجہد کرائی اور ہم نے بہتیری جدوجہد کی مگر اُس کے اعمال ہی ایسے تھے۔لیکن اگر بچ جائے تو کہتے ہیں''دیکھو منتر دیوتا اور براہمنوں کی کرامات۔تمہارے لڑکے کو بچا دیا۔'' ایسے موقعوں پر مناسب تو یہ ہے کہ اگر جپ پاٹھ (وِرد و قرأت) کا کچھ فائدہ نہ ہو تو ان بدمعاشوں سے دُگنے تگنے روپے لئے جائیں اور اگر بچ جائے تو بھی لئے جائیں جیسے خود جوتشی نے کہا تھا کہ

اس کے اعمال اور پرمیشور کا قانون کوئی بدل نہیں سکتا۔ اسی طرح خانہ دار کو بھی کہنا چاہیے کہ ''یہ اعمال اور پرمیشور کے قانون کی بدولت بچا ہے۔ تمہاری بدولت نہیں'' ان دو جماعات (بھوت ناتھ اور جوتشی) کے علاوہ تیسری جماعت گرو (پیر) وغیرہ کی ہے جو دان پُن (خیرات) کرا کر اپنے آپ لے لیتے ہیں۔ اُن کو بھی وہی جواب دینا چاہیے جو جوتشیوں کو۔

منتر جنتر وغیرہ :اب رہ گئے شیتلا اور منتر تنتر جنتر وغیرہ۔ یہ بھی اسی قسم کا دام فریب ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اگر ہم منتر پڑھ کر، ڈورا یا جنتر بنا دیں تو ہمارے دیوتا اور پیر اس منتر جنتر کی برکت سے تمہیں آفات سے بچا دیں گے۔ ان کو بھی یہی جواب دینا چاہیے کہ کیا تم موت، پرمیشور کے قانون اور اعمال کے نتائج کو بھی ٹال سکتے ہو؟ تمہارے اس جنتر کے باوجود بھی تو بے شمار لڑکوں کی موت ہو جاتی ہے اور تو اور، تمہارے اپنے گھروں میں بچوں کی اموات ہوتی رہتی ہیں۔ یہی نہیں ایک قدم آگے۔ کیا تم خود موت سے بچ سکو گے؟ اس حجت کے مقابلے میں وہ بد باطن کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں ہماری دال نہیں گلے گی۔ ان سب اوہام باطلہ کو ترک کر کے احکام الٰہیٰ کے پابند (رہو)۔ ملک اور قوم کے محسن، بے مکر و ریا، سب کو علوم حقہ کی تلقین کرنے والے علماء کامل کا دل سے شکر گزار ہو کر ان کے احسانات سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سبکدوشی کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ جس رفاہِ عام کے کام میں وہ مصروف رہتے ہیں، اُس کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا جائے۔ جو لوگ (رسائن) کیمیا گری (مارن) قتل، (موہن) تالیفِ قلب (اُچاٹن) تحویلِ قلب اور (وشی کرن) تسخیر وغیرہ ساحرانہ شعبدوں کے کرنے والے ہیں انہیں غایت درجے کا خسیس سمجھنا چاہیے۔ ان اوہام باطلہ کے متعلق بچوں کے دلوں میں عالمِ طفلی سے ہی صحیح اثرات ثبت کر دیں۔ تا کہ وہ کسی کے دام فریب میں پھنس کر مبتلاِ رنج والم نہ ہوں۔

ضبطِ نفس کی تعلیم :(مناسب وقت پر) یہ بات بھی اُن کے ذہن نشین کر دینی چاہیے کہ طاقتِ مردمی (ویریہ۔رج) کی حفاظت سے سُکھ اور اس کے برباد کرنے سے دُکھ ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو۔ جس کے جسم میں طاقتِ مردمی محفوظ رہتی ہے۔ اُس کی صحت، عقل، قوت اور ہمت میں ترقی ہوتی جاتی ہے جس کا نتیجہ راحت ہوتا۔ طاقتِ مردمی کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ برہمچاری عشقیہ اذکار، عشقیہ خیال، عشقیہ نظر، عیاشوں کی صحبت، عورت کے ساتھ تخلیئے میں بیٹھنے، بات چیت کرنے اور اُسے چھونے وغیرہ سے پرہیز کریں۔ اور اعلیٰ قسم کی تعلیم و تربیت کے

حصول میں مصروف رہیں۔ جس کے جسم میں طاقتِ مردی نہیں ہوتی، وہ نامرد نحوست کا مارا، مرض جریان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور کمزور، بے رعب، بے عقل، بے حوصلہ، بے ہمت، بے صبر، بے طاقت اور بے قوت ہو کر بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر تم اس وقت اعلیٰ تعلیم و تربیت کے حصول اور قوتِ مردی کی حفاظت سے غفلت کرو گے تو پھر اس زندگی میں یہ بیش بہا موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ جب تک ہم خانہ داری کے فرائض ادا کرنے والے جیتے ہیں، تبھی تک تم تحصیلِ علم اور تقویتِ جسم میں مصروف رہ سکتے ہو۔ ''ہیجو دیگر'' ہدایات بھی ماں باپ کرتے رہیں۔ اُوپر جو ''ماتری مان اور پتری مان'' یعنی ماں باپ کے وجود سے فیضیاب'' ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ وقتِ پیدائش سے لے کر پانچ برس کی عمر تک ماں، چھٹے سال سے آٹھویں سال تک باپ بچوں کی تربیت کرے۔

مدرسے میں: نویں برس کے شروع میں دوِج یعنی دوبارہ پیدا شدہ (براہمن کھتری اور ویش) اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو یگیو پویت (جنئیو) پہنا کر آچاریہ کُل میں یعنی جہاں کامل عالم اور عالمہ تعلیم و تربیت کرنے والے ہوں، بھیج دیں۔ اور شودر وغیرہ جماعات کے لوگ بغیر یگیو پویت پہنائے اپنی اولاد کو تحصیلِ علم کے لئے گورو کُل مذکور میں داخل کر دیں۔ انہی اشخاص کی اولاد مہذب، مودب اور ذی علم ہوتی ہے۔ تعلیم کے معاملے میں بچوں کو لاڈ چاؤ نہیں کرتے۔ بلکہ مناسب تنبیہ اور سرزنش سے کام لیتے ہیں چنانچہ ''مہابھاشیہ'' میں لکھا ہے

> ''جو ماں باپ اور اُستاد لڑکوں اور لڑکیوں کو تنبیہ کرتے ہیں وہ گویا اپنے ہاتھوں سے انہیں آبِ حیات کے گھونٹ پلا رہے ہوتے ہیں اور جو لاڈ چاؤ کرتے ہیں وہ گویا زہر دے کر انہیں اپنے ہاتھوں ہلاک کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ لاڈ چاؤ سے اولاد اور شاگردوں میں عیوب پیدا ہوتے ہیں اور تنبیہ اور سرزنش سے اوصافِ حُسنہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ (۸۔۱۔۱۸)

اولاد اور طلباء کو چاہیے کہ تنبیہ سے ہمیشہ خوش اور لاڈ چاؤ سے ناخوش رہا کریں لیکن ماں باپ اور اُستاد حسد اور دشمنی سے تنبیہ اور سرزنش نہ کریں بلکہ اُوپر سے رعب اور اندر سے نظرِ شفقت رکھیں، جیسے دیگر امور کی تعلیم دیں ویسے ہی چوری، زنا کاری، کاہلی، غفلت استعمالِ منشیات، دروغ گوئی، ایذا رسانی، تند خوئی، حسد، عداوت دلبستگی وغیرہ عیوب کو ترک اور اخلاقِ حُسنہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہیں، جس شخص نے کسی کے سامنے ایک بار بھی چوری، زنا کاری، دروغ گوئی

وغیرہ افعال کا ارتکاب کیا ہے، اُس کی نظر میں اُس کی عزت مرتے دم تک نہیں ہوتی۔ وعدہ شکنی سے جس قدر نقصان پہنچتا ہے، اُتنا کسی اور چیز سے نہیں۔ اس لئے جس سے وعدہ کریں، اُس کا ایفا کما حقہ کریں جیسے کسی نے کسی سے کہا۔ ''مَیں فلاں وقت تم سے ملوں گا یا تم فلاں وقت مجھ سے ملنا یا مَیں تمہیں فلاں وقت پر فلاں چیز دوں گا'' اسے چاہیے کہ اس وعدہ کا پوری طرح ایفا کرے۔ نہیں تو اس پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ حاصل کلام یہ کہ سب کو ہمیشہ سچ بولنا اور اپنے قول کا پکا ہونا چاہیے، غرور نہیں کرنا چاہیے، مکر وفریب اور احسان ناشناسی سے جب اپنا ہی دل تکلیف محسوس کرتا ہے تو پھر دوسروں کی تکلیف کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ مکر وفریب کے معنی یہ ہیں کہ باطن میں کچھ اور ہو اور ظاہر میں کچھ اور۔ نیز یہ کہ دوسروں کو دھوکے میں ڈال کر اُن کے نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی اغراض کی تکمیل کرنا۔ احسان ناشناسی کے معنی ہیں کسی کے کئے ہوئے احسان کو تسلیم نہ کرنا (ان عیوب سے پرہیز کرے) غصہ اور درشت کلامی وغیرہ معائب کو ترک کر کے سنجیدہ اور شیریں الفاظ میں گفتگو کرے۔ اور بے ہودہ بکواس نہ کرے۔ جتنا بولنا ضروری ہو اس سے زیادہ یا کم نہ بولے۔ بزرگوں کی تعظیم کرے، اُن کے سامنے کھڑا ہو جائے، اُن کا استقبال کرے اور انہیں اُونچی جگہ پر بٹھائے۔ انہیں پہلے 'نمستے کرے اُن کے سامنے اُونچی نشست گاہ پر نہ بیٹھے۔ مجلس میں جس مقام کے لائق ہو، اُسی پر بیٹھے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اُٹھا دے۔ دشمنی کسی سے نہ کرے۔ باتوفیق ہو کر خوبیوں کا اختیار اور برائیوں کو ترک کرتا جائے۔ نیکوں کی صحبت اختیار کرے اور بُرے آدمیوں سے بچے۔ اپنے ماں باپ اور اُستاد کی دل وجان اور زر ومال وغیرہ افضل ترین اشیا سے نہایت خلوص سے خدمت کرے۔

> ''ماں باپ اور اُستاد ہمیشہ اپنی اولاد اور طلباء کو تلقینِ حق کریں مثلاً
> انہیں کہیں کہ جو جو ہمارے نیک افعال ہیں، اُن کی تقلید کرو۔ اور
> جو جو بُرے اعمال ہیں اُن سے باز رہو۔ (تیرسیہ اُپنشد ے۔۱۱)

عام اخلاق: مختصر یہ کہ جس بات کو حق سمجھیں، اُسی کا اظہار اور اشاعت کریں۔ لڑکے کسی ریاکار، بداعمال کے معتقد نہ ہوں اور جس نیک کام کا حکم ماں باپ اور اُستاد دیں اس کی کما حقہ تکمیل کریں، ماں باپ نے علوم دینی و دینوی اور اخلاقِ حسنہ کے متعلق جو شلوک نگھنٹو، نِرکت، اشٹا دھیائی یا دیگر سُوتر یا وید منتر حفظ کرائے ہوں، معلمین اُن کے مطالب دوبارہ ذہن نشین کراویں۔ پرمیشور (کے اوصاف) کا جو بیان باب اول میں کیا گیا اس کے مطابق اعتقاد رکھ کر

تقربِ الٰہی کی کوشش کریں۔خوراک،لباس اور عام طرزِ عمل ایسا اختیار کریں اور طلباء کو کرائیں جس سے صحت،علم اور طاقت کی ترقی ہو۔یعنی جتنی بھوک ہو اُس سے کم کھائیں۔شراب اور گوشت وغیرہ کے استعمال سے پرہیز کریں۔جس پانی کی گہرائی معلوم نہ ہو،اس میں داخل نہ ہوں تاکہ آبی جانور یا دیگر اسباب ہلاکت و مصیبت سے خطرے کا امکان نہ رہے۔جسے تیرنا نہ آتا ہو اس کے ڈوب جانے کا بھی اندیشہ ہے۔اس لئے منو نے کہا ہے کہ جس پانی کی گہرائی کا علم نہ ہو اس میں داخل ہو کر غسل وغیرہ نہ کریں۔منو نے کہا ہے:

نظر نیچی رکھ کر اُونچے نیچے مقام کو دیکھتا ہوا چلے۔پانی کپڑے سے چھان کر پیئے۔کلام کا تزکیہ راستی سے کر کے بولے،عمل کرنے سے پہلے غور و خوض کرے۔لفظی ترجمہ: رفتار کا تزکیہ نظر سے،پانی کا کپڑے سے،کلام کا راستی سے اور عمل کا غور و خوض سے کرے۔تب بالترتیب چلے۔پانی پیئے ، بولے اور کام کرے۔

چانکیہ نیتی ادھیائے ۲ شلوک ۱۱ میں لکھا ہے:

''وہ ماں باپ اپنی اولاد کے پورے دشمن ہیں جنہوں نے اُن کے لئے تعلیم کا انتظام نہیں کیا۔علماء کی مجلس میں ایسے اطفال ذلیل اور رسوا ہوتے ہیں جیسے ہنسوں کے صف میں بگلا۔''

ماں باپ کا سب سے بڑا فرض،سب سے بڑا دین جو اُن کی نیک نامی اور شہرت کا موجب ہو سکتا ہے،یہی ہے کہ اپنی اولاد کو دل و جاں اور صرفِ زر سے علم و دین سے بہرہ ور اور اعلیٰ تہذیب اور تربیت سے مستفیض کریں......امید ہے اہلِ دانش و حکمت اس سے کافی و وافی فائدہ اُٹھائیں گے۔

(ستیارتھ پرکاش باب دوم از دیانند سرسوتی)

☆☆☆

مہابھارت: ایک عظیم رزمیہ

مہابھارت ہندو دھرم کا ایک معروف رزمیہ ہے جو اُس دور کے مشہور رشی ویدویاس جی کی تصنیف مانی جاتی ہے مگر کچھ محققین کا کہنا ہے کہ مہابھارت کسی ایک شخص کی تصنیف نہیں بلکہ تقریباً آٹھ نو سو سال تک مختلف علماء اس رزمیہ میں شلوکوں کا اضافہ کرتے رہے جس سے اس کے شلوکوں کی تعداد بڑھ کر ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس کے مصنفین میں ویشمپائن اور سوتی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے بنیادی اور اصلی مصنف ویدویاس ہی مانے جاتے ہیں۔

مہابھارت کی جنگ کے وقوعہ پذیر ہونے کا زمانہ کون سے تھا؟ اس کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں مگر عام خیال کے مطابق یہ جنگ ۳۰۸۰ ق۔م میں لڑی گئی تھی اور مہابھارت ۴۰۰ عیسوی تک اپنی موجودہ شکل میں معرضِ وجود میں آچکی تھی۔ مہابھارت کی مختصر کہانی یوں ہے۔

مہابھارت کا قصہ کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ہونے والی جنگ اور اُن کے خاندان سے متعلق ہے۔ اس خاندان کا تعلق سمراٹ بھرت کے خاندان سے تھا۔ راجہ شانتنو بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا صرف ایک ہی بیٹا دیودت تھا۔ راجہ اپنی رانی گنگا کی وفات ہو جانے سے اس کے غم میں ہمیشہ اُداس اُداس رہتے تھے۔ اسی دوران ایک دن انہوں نے جمنا ندی پر ایک مچھوارے کی بیٹی ستیہ وتی کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس سے شادی کیلئے تڑپنے لگے لیکن مچھوارا اپنی بیٹی کی شادی اُن سے کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ جب راجہ کے بیٹے دیودت کو معلوم ہوا کہ اس کے والد ستیہ وتی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود مچھوارے کے پاس پہنچے اور شادی سے انکار کرنے کی وجہ پوچھی۔ اس پر مچھوارے نے کہا کہ مَیں اس شادی کے اس لئے خلاف ہوں کیونکہ راج سنگھاسن تو آپ کو ملے گا اور میری بیٹی کی اولاد تو اس کی حقدار نہیں ہو سکتی اور مَیں چاہتا ہوں کہ راج گدی میرے نواسے کو ملے۔ اس پر دیودت نے عہد کیا کہ وہ نہ تو خود راجہ بنیں گے اور نہ ہی زندگی بھر شادی کریں گے تاکہ اُن کی اولاد ہی نہ ہو پائے۔ اُن کے اس عہد کی وجہ سے ہی اُن

کا لقب بھیشم مشہور ہو گیا۔ دیودت کی یقین دہانی کے بعد ستیہ وتی کی راجہ شانتنو سے شادی ہو گئی جس کی اس شادی سے پیشتر پراشر رشی سے ویدویاس پیدا ہو چکے تھے۔شادی کے بعد ستیہ وتی کے ہاں دو بیٹے چترانگد اور وچتر ویریہ پیدا ہوئے جن میں سے اول الذکر کا انتقال اس کی نوعمری میں ہی ہو گیا۔ بعد میں وچتر ویریہ کے جوان ہونے پر اس کی شادی کاشی کے راجہ کی بیٹیوں امبکا اور امبالکا سے کر دی گئی جنہیں بھیشم (دیودت) اغوا کر کے کاشی سے لائے تھے۔لیکن امبکا اور امبالکا کی تیسری بہن امبا نے جنہیں ان دونوں کے ساتھ بھیشم اغوا کر کے لائے تھے، وچتر ویریہ کے بجائے بھیشم سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا مگر بھیشم نے شادی نہ کرنے کا عہد کی وجہ سے اس کی شادی کی تجویز ٹھکرا دی، تب امبا نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کی قسم کھانے کے ساتھ ہی خودکشی کر لی۔ اور پھر اگلے جنم میں اس نے شاکھنڈی کے روپ میں جنم لیا اور مہابھارت کی جنگ میں بھیشم کی موت کا کارن بنی۔

بعد ازاں تقدیر کا کھیل دیکھئے وچتر ویریہ لاولد مر گیا اور راج گدی کا واحد وارث دیودت یعنی بھیشم ہی رہ گئے۔اب کوئی چارہ نہ دیکھ کر ستیہ وتی نے بھیشم سے راج سنگھاسن پر بیٹھنے کے لئے کہا مگر انہوں نے کسی طرح بھی اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے وعدے پر اٹل رہے۔تب ستیہ وتی نے اپنے پہلے بیٹے ویدویاس سے راج پاٹھ سنبھالنے کو کہا مگر اس نے موہ مایا میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔اس پر ستیہ وتی نے تجویز رکھی کہ وہ اپنے بھائی کی دونوں بیواؤں امبکا اور امبالکا سے مباشرت کرے تاکہ ان کا ونش آگے بھی چلتا رہا۔اس پر ویدویاس راضی ہو گئے اور چونکہ وہ بہت ہی بڑی روحانی قوت کے مالک تھے اور انہیں برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔لہذا ان دونوں رانیوں کو ایک سال تک برت رکھ کر خود کو پاک صاف کرنے کی تلقین کی گئی۔اس کے بعد مباشرت کے لئے امبکا کو ویدویاس جی کے پاس بھیجا گیا۔وہ ویدویاس کے روحانی طاقت سے گھبرا کر خوف و ہراس سے پیلی پڑ گئی جس کے نتیجے میں اس کے ہاں پیلا بیٹا ہوا جس کا نام پانڈو رکھا گیا۔پھر امبالکا کو ویاس کے پاس بھیجا گیا تو وہ بھی اُن کے روحانی قوت کو برداشت نہ کر سکی اور اس نے ملاقات کے دوران آنکھیں بند کر لیں جس کے کارن اس کے گھر نابینا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام دھرت راشٹر رکھا گیا۔مایوس ہو کر ستیہ وتی نے امبکا کو دوبارہ ویاس جی کے پاس بھیجنا چاہا مگر

اس نے خود جانے کے بجائے اپنی خادمہ کو ہار سنگھار کرا کے اُن کے پاس بھیج دیا جس نے بے خوف ہو کر خوشی خوشی اُن کے ساتھ مباشرت کی۔ جس کی بدولت اُس کے بطن سے ایک بڑا ذی علم اور دانشور بچہ پیدا ہوا جو بعد ازاں وِدر کے نام سے مشہور ہوا اور جس کا مہابھارت میں ایک اہم کردار رہا تھا۔

پانڈو اور دھرت راشٹر کے جوان ہونے پر اُن کی شادیاں کر دی گئیں۔ دھرت راشٹر کی شادی گاندھار کے راجہ کی بیٹی گاندھاری سے کی گئی جس سے اُس کے ہاں ایک سو بیٹے پیدا ہوئے جن میں دریودھن سب سے بڑا تھا۔ دوسرے بیٹے پانڈو کی دو بیویاں تھیں کنتی اور مادوی۔ کنتی سے تین بیٹے یدھشٹر، ارجن اور بھیم پیدا ہوئے اور مادوی سے نکل اور سہدیو۔ چونکہ نابینا ہونے کی وجہ سے دھرت راشٹر کو بڑا ہونے کے باوجود راجہ نہیں بنایا جا سکتا تھا لہذا اس کے چھوٹے بھائی پانڈو کو راج گدی پر بٹھا دیا گیا۔ مگر جب اچانک پانڈو کی وفات ہوگئی اور اس کے پانچوں بیٹے نابالغ رہ گئے تو ان کے جوان ہونے تک دھرت راشٹر کو راج گدی سنبھالنے کے لئے کہا گیا۔

پانڈو کا بیٹا یدھشٹر سب بھائیوں سے بڑے ہونے کے علاوہ بڑی اعلیٰ صفات کا مالک بھی تھا اس لئے اسے سلطنت کا ولی عہد مقرر کر دیا گیا مگر دریودھن کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ پانڈوؤں کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ یہاں تک کہ اُس نے دھوکے سے انہیں لاکھ کے محل میں جلانے کی کوشش کی لیکن اسے مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور پانڈو صحیح سلامت بچ گئے اور برسوں جنگلوں میں چھپتے چھپاتے رہے۔ اسی دوران پانچال دیس کے راجہ درپد نے اپنی بیٹی دروپدی کے سوئمبر کا اعلان کیا اور اس موقع پر پانڈو بھی بھیس بدل کر وہاں پہنچ گئے اور وہاں ارجن نے مچھلی کی آنکھ میں نشانہ لگا کر سوئمبر میں دروپدی کو جیت لیا اور اس سے شادی کر لی۔ بعد ازاں بن باس سے لوٹنے پر دھرت راشٹر نے ان کا راج انہیں سونپ دیا اور پانڈوؤں نے اندر پرست نگر کی بنیاد ڈالی جو ایک بے مثال شہر تھا۔ دریودھن نے جب یہ نگر دیکھا تو اس نے ان کے راج کو ہتھیانے کے لئے ایک سازش رچی اور جوئے میں یدھشٹر سے اس کا سارا راج پاٹھ، چاروں بھائی حتا کہ دروپدی کو بھی جیت لیا۔ تب پانڈوؤں کو بارہ سال کا بن باس اور ایک سال اگیات واس میں رہنے کی صورت میں راج واپس کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ مذکورہ سال جنگلوں

میں مصائب اُٹھانے کے بعد جب پانڈو واپس آئے اور اپنا راج مانگا تو دُریودھن نے راج واپس کرنے سے صاف انکار کردیا۔

اس تنازعے کو شری کرشن نے ثالث بن کر سلجھانے کی کوشش کی تاکہ جنگ وجدل کی صورت میں خون خرابہ نہ ہو۔ پانڈو تو صرف پانچ گاؤں لینے پر بھی راضی ہو گئے مگر متکبر اور حریص دریودھن نے ایک سوئی کی نوک برابر جگہ دینے سے بھی انکار کردیا اور جنگ کا راستہ اپنایا۔

تب مجبوراً کورکشیتر کے میدان میں دونوں میں جنگ شروع ہوئی جس میں بڑے بڑے راجاؤں نے حصہ لیا۔ کوروؤں اور پانڈوؤں کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے شری کرشن نے غیر جانبداری رہنے اور ساتھ ہی جنگ میں ہتھیار نہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا دریودھن نے اُن سے اُن کی فوج مانگ لی اور کرشن ارجن کے سارتھی بن گئے۔ اس جنگ میں کوروؤں کی طرف سے گیارہ اکشوہنی فوج اور پانڈوؤں کی طرف سے سات اکشوہنی فوج نے حصہ لیا۔ اٹھارہ دن کی خونریز جنگ میں ساری فوج کے ساتھ ہی بڑے بڑے سپہ سالار بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔ بھیشم پتامہ، درون آچاریہ، مہارتھی کرن، ابھمنیو، دریودھن، سب اس جنگ میں ختم ہو گئے۔ جنگ میں شکست اور بیٹوں کی موت کے بعد دھرت راشٹر نے راج پاٹھ یدھشٹر کے حوالے کردیا۔ اور خود گاندھاری اور کنتی کے ساتھ جنگلوں میں چلے گئے جہاں کچھ مدت بعد آگ لگنے سے تینوں کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے بعد یدھشٹر نے کوئی ۳۶ سال تک راج کیا۔ پھر ایک دن انہیں ارجن کے دوارکا سے لوٹنے پر معلوم ہوا کہ شری کرشن ایک دوپہر کو جنگل میں آرام کر رہے تھے کہ اُن کے پاؤں میں منی کی چمک سے ایک بھیل کو ہرن کی آنکھ کا گمان ہوا اور اس نے تیر چلادیا جس سے شری کرشن اس دنیا سے سدھار گئے۔ یدھشٹر یہ خبر سُن کر بہت رنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے راج پاٹھ ارجن کے پوتے (ابھمنیو کے بیٹے) پریکشت کو سونپ کر اپنے بھائیوں اور دروپدی کے ساتھ سورگ جانے کے لئے ہمالہ کی جانب کا سفر اختیار کیا جہاں برف اور شدید ٹھنڈک سے ارجن، بھیم، نکل سہدیو اور دروپدی کی موت واقع ہوگئی۔ اور صرف یدھشٹر اور اُن کے ہمراہ آیا ہوا ایک کالا کتا ہی جنت کے دروازے تک پہنچ سکے۔ ☆☆☆

اُردو میں مہابھارت سے متعلق کچھ کتابیں

کتاب	مصنف	سنہ	صفحات	مطبع / کتب خانہ
آریہ سنگیت مہابھارت	جسونت سنگھ ورماٹوہانوی	۔	۵۰۸	خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC 62145
ارجن پرتگیا المعروف ویرابھمنیو	منشی ریاض الدین احمد	۔	۱۱۰	جے ایس سنت سنگھ لاہور/ہندوستانی اکادمی الہ آباد نمبر ۵۳۹
اسرار معرفت ترجمہ سریمد بھگوت گیتاجی	قاضی محمد نیر القریشی	۔	ـ	لیکسٹن پرنٹنگ الیکٹرک ورکس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر HL8372
اصلی مہابھارت	لالہ دولت رائے	۱۹۰۳ء	۱۱۶	اسلامیہ سٹیم پرنٹنگ ورکس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24126
بچوں کے لئے مہابھارت	شیوناتھ رائے کوشل	۔	۱۶۶	گردھر اسٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24248
بھیشم پرب مہابھارت	جوالا پرساد بھارگو	ـ	۷۲۲	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24266
بھیم سین	دیوان کاہن چند	۱۹۱۲ء	۴۴	راجپوت پرنٹنگ پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۹۸
جنگِ مہابھارت	موہن لال	ـ	۴۱۴	چاند بک ڈپو دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC23975
جیون چرتر دروناچاریہ	پنڈی داس	ـ	۵۹	لکشمی اسٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC34436
دروپدی لیلا	بابو رام شرما	۱۸۹۶ء	۲۶	مطبع نارائن بھاسکر چندوسی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC96536
سری رام کرت مہابھارت (۳)	منشی سری رام	۱۹۱۷ء	۳۱۱	منشی نول کشور لکھنؤ/ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کتاب نمبر ۲۶۸۰
سری رام کرت مہابھارت (۴)	منشی سری رام	۱۹۱۸ء	۳۱۱	منشی نول کشور لکھنؤ/ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کتاب نمبر ۲۶۷۳
سمپورن مہابھارت باتصویر	پنڈت جے گوپال ودیارتھی	۱۹۶۰ء	۲۸۸	دیہاتی پستک بھنڈار دہلی
شری ملک مہابھارت	ملک نرنجن داس	ـ	۱۸۰	منظور عام الیکٹرک پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC 24140
مکمل واقعات مہابھارت بطرز ناول	ٹھاکر سکھرام داس چوہان	۱۹۰۴ء	۲۹۰	مطبع آفتاب پنجاب لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC7927
مہابھارت	پارس	ـ	۱۶۰	ہندوستانی اکادمی الہ آباد کتاب نمبر ۲۶۹
مہابھارت	سی پی کھٹاو	۱۸۶۷ء	۱۱۲	ـ/لائبریری، بھارتی بھون، الہ آباد نمبر ۹ ۱۴/۱۱
مہابھارت (منظوم)	جلال افسر سنبھلی	۱۹۸۹ء	۴۴	خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ ACC66103
مہابھارت	دوارکا پرشاد اُفق	ـ	۹۱۰	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC4255
مہابھارت	بابو سکھ دیال سنگھ شوق	۱۸۹۰ء	۲۳۶	مفید عام پریس لاہور/لائبریری بھارتی بھون الہ آباد ۱۱/۶۱
مہابھارت	بابو شیو برت ورمن	۱۹۰۷ء	۵۹۱	رفاہ عام سٹیم پریس لاہور/لائبریری بھارتی بھون الہ آباد نمبر ۹/۲۳
مہابھارت	طوطا رام	۱۸۷۴ء	۳۰۲	منشی نول کشور لکھنؤ/لائبریری الہ آباد یونیورسٹی کتاب نمبر ۱۳/۲۵۰

مہابھارت	لال چند فلک	۱۹۰۳ء	۲۲۴	ویاس پستکالیہ لاہور رہندوستانی اکادمی الہ آباد کتاب نمبر ۳۰۲۶
مہابھارت آدی پرب (۱)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۲ء	۲۲۹	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC16735/28557
مہابھارت بن پرب (۳)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۲ء	۱۲۴	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC28557/16753
مہابھارت بیراٹ پرب (۵)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۶ء	۳۵	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC16735/28557
مہابھارت سبھا پرب (۲)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۲ء	۶۰	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC16753/28557
مہابھارت سرگاروہن پرب (۶)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۷ء	۵	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC16735/28557
مہابھارت شیلی پرب	جوالا پرساد بھارگو	-	۵۶۴	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC24270
مہابھارت کتھن مالا	عبدالعزیز خالد	۱۹۸۵ء	۳۶۰	مقبول اکیڈمی لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC 94673
مہابھارت موسل پرب (۴)	کنور درگا پرساد	۱۹۰۲ء	۱۴	نوین پریس سندیلہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC16735/28557
مہابھارت ڈرامہ	جسونت سنگھ ٹوہانوی	-	-	-
ویرابھمنیو	پنڈت لوک ناتھ	-	۶۴	راجپال اینڈ سنز لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC24315

☆☆☆

اُردو میں ہندو دھرم کی کچھ کتابیں

آتم اناتم وویک شری رام گیتا ویدانت بودھ	بخشی نرشنگداس لو	-	-	کوہ نور پریس الہ آباد رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۵۶۷۔مذہب
آتم بودھ	بخشی نرسنگھ داس لو	-	-	کوہ نور پریس الہ آباد رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۵۶۷۔مذہب
آتم ساکھشات کار	سوامی شنکر آچاریہ	-	-	رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۵۰۴۵
آتم گیان (علم الروح۔۱)	ویر بھان چاولہ	-	-	محبوب المطابع دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۶۹۔مذہب
آتم ویدک مالا	سوامی آتمانند گیری	-	۳۱	آریہ سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۸۱
آریاؤں کا برتاؤ	معین الدین احمد	-	-	رجامعہ ملیہ دہلی ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۵۸۱۔مذہب
آریوں کا طریقۂ جنگ	غازی محمود دھرمپال		-	الامان پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۳۶۸۔مذہب
آریہ ابھیونہ	میلارام بیدی	-	۲۲	جمال پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۶۸

آریہ اُدیش رتن مالا	رادھے کشن مہتہ	-	-	-
آریہ دھرم	مرزا غلام احمد قادیانی	-	-	رمفید عام پریس سیالکوٹ رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۴۳۱-مذہب
آریہ سماج اور اس کی ضرورت	پنڈت شانتی پرکاش	-	۴۸	آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۱۶
آریہ سماج کی تاریخ	لالہ لاجپت رائے	۱۹۷۷ء	۲۵۲	ترقی اردو بورڈ نئی دہلی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۵۶/یو-۲۵۰
آریہ گائین پستک (۳)	برج لال عاجز لاہوری	-	۲۳۴	کپور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۰۷ دسنہ
آریہ مسافر	وزیر چند	-	-	ویدک دھرم، جالندھر رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۱۰۲۵-مذہب
آزاد دھارمک سائنس اور ویدک دھرم	لالہ اندر سین	۱۹۳۰ء	۳۳۶	لکشمی آرٹ پرنٹنگ پریس امبالہ ررضا لائبریری رامپور نمبر ۶۷ ہندومت اردو
آنند امرت برشنی	سوامی آنند گری	-	۹۶	ایجاد کشن آگرہ رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۴۲/یو-۲۵۰
آنند ساگر (ہندو فلسفہ)	منشی گردھاری لال	۱۸۷۸ء	۲۲۲	مطبع دلشاد جہاں میرٹھ ررضا لائبریری رامپور کتاب نمبر ۱ ہندومت اردو
آنند ساگر	ہر بھگوان داس چوپڑہ	-	-	رفاہ عام پریس لاہور ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۷۶-مذہب
آنند سندیش رآنند سمر وور	بے انت آنند	-	-	کھنہ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۹۸-مذہب
آنند گائتری کتھا	شری آنند سوامی	۱۹۷۰ء	۸۱	ایڈیٹر روزانہ ملاپ، دہلی ررضا لائبریری رامپور نمبر ۱۶ ہندومت اُردو رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۴۶۶-مذہب
آئین مذہب ہندو (معروف بہ مخزن برمیہ گیان)	منشی جے دیال سنگھ	۱۸۸۷ء	۱۲۸	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۸۲۷، ایچ ایل
آئینۂ آشرم	گور چرن لال سوسن	۱۹۲۲ء	۸۴	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۹۵
آئینۂ افعال دیانند (۱)	پنڈت جینی جیالال	۱۹۲۵ء	۲۰۸	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۵۹
آئینۂ ہمدردی	پارس داس	۱۹۱۶ء	۱۰۰	لکشمی پریس چاندنی چوک دہلی ررضا لائبریری رامپور نمبر ۲۹ ہندومت اردو
آئینۂ تصوف معروف بہ روح	کالکا پرساد	۱۸۶۷ء	۶۵	مطبع شمس المطابع جہان آباد ررضا لائبریری رام پور ۲ ہندومت اردو
آئینہ سناتن دھرم	پنڈت رلیارام شرما	-	۱۰۰	سناتن دھرم پریس امرتسر ررضا لائبریری رامپور نمبر ۵۳ ہندومت اردو
اُپدیش منجری	مہاتما منشی رام	۱۸۹۸ء	۱۷۶	آریہ پستکالیہ انارکلی لاہور الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۵۱/یو-۲۵۰
اُپنشد جلد اول دوم سوم	سورج نرائن مہر	-	-	سادھو پریس دہلی ہر دیال پبلک لائبریری نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳ مذہب
اتہاس (آریہ ورت کی تاریخ)	رام سنگھ	۱۹۲۰ء	۲۳۲	پرکاش سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۸۳

ادب وتاریخ (منظوم کرشن کتھا)	نفیس خلیسی	۔	۹۵	برق پریس امرتسر رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۶۶۴۸
ادویت آنند یا سچدانند پرکاش ۔		۱۹۷۱ء	۲۳۱	دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۸۵
ادویت آنند سچدانند پرکاش	نامعلوم	۔	۔	کانگریس پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۸۔مذہب
اُردو میں ہندو دھرم	اجے مالوی	۲۰۰۰ء	۶۷۷	محقق ۸۷۲۱/ا/ا۔ مالوی نگر، الٰہ آباد۔۳ رنصرت پبلشرز امین آباد لکھنو
اردو پنچ وشی	منشی سورج نرائن	۔	۔	سادھو پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۵۔تصوف
استتی سری پرماتما سوامی	ننھے لال عاجز	۱۹۲۶	۸	نامی پریس لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC ۳۱۹۱۳
اسرارِ معرفت	سوامی باوالال دیال	۔	۱۳۶	یونین پرنٹنگ پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۲۸۹
اسلام کے علاوہ مذہب کی ترویج میں اُردو کا حصہ	محمد عزیز	۱۹۵۵ء	۳۷۵	انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ رسنٹرل لائبریری الٰہ آباد 294.3Mah/9
اشٹانگ یوگ	سورج نرائن مہر	۔	۔	سادھو پریس، دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۱۴۔مذہب
اصول دھرم شاستر (۱) ۔		۱۸۷۷ء	۳۱۱	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۲۶
اصول دھرم شاستر (۲) ۔		۱۸۷۷ء	۲۸۸	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۲۷
اصول دھرم شاستر	رائے بہادر جے سی گھیوش	۱۹۲۳	۷۷	دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ر رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۱ ہندومت اُردو
اصول دھرم شاستر	ملناش	۔	۔	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۲۰۷۸
اصول فلسفہ ہنود	پی ٹی سرینواسا اینگار	۱۹۳۲ء	۲۱۳	دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ر رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۰ ہندومت اردو
اصول وطریق تہنیت (۱) ۔		۔	۲۷۸	رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۶۴۶
اقوام الہند	کشوری لال	۔	۵۶	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۹۸۸۸
الکھ پرکاش (داراشکوہ)	کنہیا لال الکھدھاری ۔		۔	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۰۲۴۰ رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۲۲۔مذہب
الہام جدید (۱)	مہر چند کپور مان	۱۹۴۹ء	۱۱۶	سکہ لیتھو پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۹۱
الہندو (حصہ سوم)	مرزا محمد کاظم	۱۸۶۷ء	۵۹۲	مطبع گلزار احمدی مرادآباد رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۵۸۰۳
امرت بانی ارتھات امرشی کی کہانی	بابورام گپتا	۔	۱۵۰	گورونانک پریس لدھیانہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۶۹
امرت ساگر	پنڈت پیارے لال	۔	۴۹۴	خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۴۸۱۸
امرت سرور (ہندو فلسفہ) ۔		۔	۲۰۴	اوم پبلی کیشن لیگ، لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۸۶
امرت سرور (ہندو فلسفہ)	بھاگ مل سائینی	۔	۷۸۴	جیون سدھار پبلی کیشنز بجنور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۷

امرت کنڈ	کانشی رام چاولہ	۱۹۴۷ء	۲۵۶	گرونانک پریس لدھیانہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۷۶۶
امرت اور زندگی	بھولا ناتھ کپورتھلوی	۱۹۵۲ء	۱۱۲	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۴۶۰
امن کا شہزادہ رشی دیانند	آشفتہ امرتسری	۔	۴۰	آریہ سٹیم پریس لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۱۳۲ ہندومت اردو
اِندر جال	منشی سوامی دیال	۱۸۸۸ء	۱۷۶	منشی نول کشور کانپور رخدابخش لائبریری پٹنہ ۲۸۸۵۔ایچ ایل
اِندر دیوتا کا کھلا چٹھا	موہن لال بھٹناگر	۔	۳۰	۔رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۷۸۰
اندھا اور جھوٹا ایمان	امر سنگھ	۱۹۱۷ء	۸	یونین سٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۴۵۴
انسانی زندگی کا مقصد.....	سوامی آنند ساگر جی	۱۹۶۵ء	۲۸	ویدانت پرچار سوسائٹی جموں رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۷۷۲
انوپم جیوتی	شری منگت رام جی	۱۹۶۳ء	۴۸	سنگت سمتا وادے سمتا یوگی آشرم انبالہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۷۷۷
اوم اوم اوم	دیوان چند	۱۸۸۱ء	۴۵	گیان پریس گوجرانوالہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۱۲
اوم نارائن (پہلا حصہ)	دیوان چند	۔	۳۰	گیان پریس گوجرانوالہ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۶۱۴۸
اے انسان جاگ	سوامی پرمانند	۔	۲۶۲	شریمتی ستیش کھورانہ جالندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۹۹۶
ایشور پوجا	شہزادہ رام	۱۹۱۰ء	۱۲۲	آریہ سٹیم پریس لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۱۰۵ ہندومت اردو
باری تعالیٰ (ہندو فلسفہ)	گنگا پرشاد اوپادھیائے	۔	۲۱۸	آریہ پرتی ندھی سبھا حیدرآباد رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۰۳۰۴
بالک اوستھا (منظوم)	فاضل کاشمیری	۱۹۹۴ء	۹۴	بروکاس پریس سرینگر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۴۴
بانس بھکشن نشیدہ حصہ دوم	بابو مانک چند	۔	۔	افضل المطابع، دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۷ مذہب
بانی سار (منظوم ہندو فلسفہ)	بھائی نند و سنگھ	۔	۳۶۸	رادھا سوامی بک ڈپو لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۲۱
بچوں کے لئے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی	پروفیسر رام سروپ کوشل	۱۹۲۸ء	۱۴۳	مقبول عام پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۶۹
براہمنوں کا عروج و زوال	پنڈت ودیا رتن پراشر	۱۹۱۳ء	۳۲	براہمن سٹیل پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۴۷
براہمنوں کے پراچین عروج پر ایک نظر	پربھو دیال	۱۹۱۳ء	۱۶	براہمن سٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۴۷
براہمنوں کے سدھار سے ہی سب کا ادھار ہوگا	پنڈت نردیو شاستری	۱۹۱۳	۱۲	براہمن سٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۴۷
برکشوں میں جیو ہوراس پر شاسترارتھ	بابو رام دیال	۱۹۱۱ء	۸۰	سٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۱۰۰
برہم بھجناولی (۱)	پنڈت دیوکی نند	۱۹۱۲ء	۴۴	امپریل نیٹو پریس دہلی رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۳۸۴
برہمچریہ پر میرے تجربات	مہاتما گاندھی	۱۹۳۳ء	۹۶	نرائن داس سہگل اینڈ سنز لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۹۸ ہندومت اردو

برہمن بھٹ جاتی انویشن	دیودت شرما	-	-	چندر گپت پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۱۳ ۔ مذہب
برہمنوں کا کرتویہ	پنڈت ٹھاکر دت	۱۹۰۹ء	۳۶	برہمن سٹیم پریس لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۴۷
برہم ودیا کا انجکشن	بھاگ مل سائینی	۱۹۴۴ء	۳۶۸	رسالہ اوم لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۰۲۴
برہم یاترا	سوامی بھولا ناتھ سرنا	۱۹۶۵ء	۲۴۰	بی سنز پبلیکیشنز کپورتھلہ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۱۵
برہماوپاسنا	کیسب چندر مکھرجی	۱۸۶۱ء	۲۹	مطبع ماہ پرتو بریلی / رضا لائبریری رام پور نمبر ۳ ہندو مت اردو
بشن سہسر نام سٹیک	منشی بلدیو داس کایستھ	۱۸۸۲ء	۱۰۱	منشی نول کشور لکھنؤ / بھارتی بھون لائبریری الہ آباد کتاب نمبر ۹/۲۳
بشن سہسر نام	شام سندر لال	-	۳۰	گیان پریس گوجرانوالہ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۱۱
بشواسی بنئے	گردھر رائے بشواسی	۱۹۵۴ء	۴۸	یونین پرنٹنگ پریس دہلی / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۱۹
بکرماجیت اعظم	منشی رگھبیر سنگھ	۱۹۱۵ء	۵۶	سیوک سٹیم پریس لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۳۱۸ ایچ ایل
بگیان سُدھا	منشی جگموہن لال	-	۵۰	گیان پریس گوجرانوالہ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۰۶۴
بمل بلاس حصہ چہارم بھگتی یوگ	جگل کشور بمل	-	-	امپریل پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری نمبر ۲۶ ۔ مذہب
بواہ آدرش	ماسٹر آتما رام	۱۹۰۳ء	۳۱۲	نول کشور پریس لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۴۰
بواہ بچار	دولی چند	۱۹۰۱ء	۳۹	نجومی پریس رائے بریلی / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۳۶
بہار بندرابن	رائے بندرابن	۱۸۹۷ء	۳۳۰	منشی نول کشور لکھنؤ / رضا لائبریری رامپور نمبر ۳۰ ہندو مت اردو
بھجناولی	عاصی سعید	-	-	فیضی الیکٹرک پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۱۰۱۸ ۔ مذہب
بھجن پستک	فقیر چند آریہ	-	۱۶	- / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۹۹۳
بھجن سنگرہ	-	۱۹۱۷ء	۱۸۲	سٹیم پریس لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۹۴۵۷
بھجن گیان پرکاش	ماتا پرشاد	-	-	دلی پرنٹنگ پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری نمبر ۲۱ ۔ مذہب
بھجن مالا	سورج نرائن مہر	-	-	سادھو پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۵۶ ۔ مذہب
بھجن مکتاولی	منشی کیول کرشن	۱۹۰۱ء	۱۷۴	شریمتی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۸۹
بھرتری ہری شتک (فلسفہ)	لالہ لال چند	-	۱۴۴	لالہ شبداس تاجر کتب لاہور / رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۲۷ ہندو مت اردو
بہشت (ہندو فلسفہ)	بینی پرساد سنگھ	۱۹۴۵ء	۱۹۴	- / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۴۳
بھگت پرہلاد	ایم۔ جی۔ رانگلیکر	-	۴۵	نیشنل پرنٹنگ ورکس دہلی / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۴۱۰

بھگت درشن (ہندو فلسفہ)	شری بابو لال	۱۹۶۹ء	۵۷۸	دھرم پرچار منڈل امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۹۰
بھگت کی بھاونا (منظوم)	ست پال بھاردواج	ـ	ـ	چوپڑہ پریس جالندھر/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۱۰۰۰۔ مذہب
بھگت مال (گیتا پُران کا بیان)	منشی تلسی رام	۱۹۰۲	۴۷۶	منشی نول کشور کانپور/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۱۰
بھگت سورداس (ڈرامہ)	آغا حشر کاشمیری	ـ	۹۶	آزاد بک ڈپو، امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۸۸
بھگتی درپن	لالہ لبھو رام	۱۹۷۵ء	۲۵۸	بھاردواج دھرم ارتھ ٹرسٹ جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۱۸۸۹
بھگتی درپن	ورہسپتی پنڈت	ـ	ـ	مرکنٹائل پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۹۸۹۔ مذہب
بھگتی درشن	گنگا درشن	ـ	۹۴	ـ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۱۹
بھگتی ساگر (منظوم)	چرن داس	۱۹۰۱ء	۱۲۹	ہیرالال پریس جے پور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۷۹۹
بھگتی یوگ از وویکانند	شیوبرت لال ورمن ترجمہ	ـ	ـ	مرکنٹائل پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۳۸۔ مذہب
بھگوان چندرکا	بھگوان پرساد	ـ	۹۶	آرائین ورما اینڈ برادران پریس لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۹۴۹
بھگوت پریم کی امر کہانی	شری دلا یارام	۱۹۷۴ء	۱۰۰	جمال پرنٹنگ پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۱۷
بھگوت ونے (منظوم)	منشی منگلی لال	۱۹۳۴ء	۱۶	نظامی پریس بدایوں/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۳۷
بھولی بسری کہانیاں بھارت	ابن حنیف	۱۹۹۲ء	۶۸۸	کیمن بکس، گل گشت ملتان/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۱۰۹۰
بھیروں چالیسا	منشی بہاری لال	ـ	۷	بہار اودھ لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۹۴۱
بیج منتر یعنی رموزِ حقیقت	نرنجن داس ناگپال	ـ	ـ	دلی پرنٹنگ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۳۹۔ تصوف
بینتی اور پرارتھنا کے شبد	لیکھراج پوری	ـ	ـ	یونیورسل پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۱۸۳۱۔ مذہب
پتنجل یوگ	سوامی بھولا ناتھ سرنا	۱۹۶۵ء	۱۸۴	بی سنز پبلیکیشنز کپورتھلہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۴۰۱
پربھو درشن	دوارکا داس اگروال	ـ	ـ	موہن پریس جالندھر/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۵۶۔ مذہب
پرلوک باسی (۴)	منشی رام جی	۱۹۳۳ء	۱۶۵	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۷۷
پرماتما کے درشن	سوامی سرودانند	ـ	ـ	درگا آرٹ پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۹۰۔ مذہب
پرمانند پرکاش	سوامی آنندگری	ـ	۴۶۴	مطبع ایجاد کشن آگرہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۰۲۹۴
پرم ہنس سوامی رام تیرتھ اور ان کی تعلیم	رام چندر بھاردواج	ـ	۳۴۴	سناتن دھرم پستک بھنڈار لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۶۳
پرہلاد بھگت (۱)	پروفیسر راما نند شرما	ـ	۱۸	بھارت پرنٹنگ پریس مظفر نگر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۷۲

پریم پشپانجلی (بھجن)	پریمی جی	۱۹۲۸ء	۱۶۰	چاند بک ڈپو، دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۷۵
پریم ترنگ یعنی شری کرشن چالیسا	پنڈت راج نرائن ارماں	۱۹۲۶ء	۱۵	گردھر اسٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۹۳۶۰
پریم ساگر (کرشن کتھا)	لالہ سوامی داس	۱۸۹۱ء	۲۲۶	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL۲۸۳۶
پریم ساگر (سری کرشن کتھا)	فرحتؔ	۱۸۶۳ء	۵۹	مطبع ثمر ہند رخدا بخش لائبریری پٹنہ
پریم ساگر	سری للولاک جی	۱۹۷۲ء	۲۳۲	منشی نول کشور لکھنؤ رلائبریری الہ آباد یونیورسٹی کتاب نمبر ار یو۔۲۹۴
پریم ساگر حصہ دوم	۔	۔	۔	موہن پریس جالندھر رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۱۵۷۔ مذہب
پشپانجلی (بھجن)	۔	۱۹۲۸	۲۲۴	گیلانی پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۷۵
پنتھ سندیش	شیو برت لال ورمن	۔	۱۸۶	۔ ررضا لائبریری رامپور نمبر ۴۶ ہندومت اردو
پنچ پاتر	منشی کھنولال طائب لکھنوی	۱۹۱۹ء	۔	مطبع بہار اودھ لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۲۸
پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کا جیون چرتر	پنڈت سرب دیال	۱۹۰۳ء	۹۲	عام سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۰۷۸
پنڈت لیکھرام جی کا جیون چرتر	شیام لال جی	۱۹۱۴	۶۸	آریہ سٹیم پریس جالندھر رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۸۰
پورن دھرم	نرمل چند	۔	۔	مرکنٹایل پریس لاہور رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۱۶۔ مذہب
پورن کمبھ	رانی چند	۱۹۷۶ء	۳۳۵	نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۲۲ ر یو۔۸۸۰
پہلاد چرتر (پرہلاد کتھا)	پنڈت رام بھروس	۔	۱۰	۔ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۰۵
پہلاد چرتر (پرہلاد کتھا)	گردھاری لال	۱۹۷۱ء	۴۲	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۰۶
پوتھی ترتھ مال	گردھاری پرشاد بنسی	۱۸۸۸ء	۸۵	نظم اخبار پریس لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۸۳
پوتھی رکمنی منگل	چھدمی لال	۱۸۹۸ء	۳۷	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۸۹۹
پوتھی سداما چرتر بھاکھا	منشی کھتر لال نائب	۱۹۱۰ء	۱۶	بہار اودھ لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۹۳۹
پورن کرشن چرتر	بابو لال چند جی دھنتا	۔	۴۵۲	دھرم پرچار منڈل امرتسر رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۴۰
پیام حقیقت (نظم)	مہاراج ببر	۱۹۵۷ء	۹۷	جید پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۳۸۱
پیام راحت (امر کتھا)	بھاگ مل سینی	۔	۔	ہانڈہ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۹۴۔ مذہب
پیام ساوتری (مثنوی)	جگر بریلوی	۱۹۵۴ء	۱۰۶	راجہ رام کمار پریس لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۳۸۸
پیام محبت (مذہبی فلسفہ)	سوامی بھولا ناتھ جی	۱۹۳۱ء	۱۶۰	منشی نول کشور لکھنؤ ررضا لائبریری رامپور نمبر ۶۱ ہندومت اردو

تاریخ ہند المعروف ہندوؤں کی تاریخ وشنو		-	۱۲۸	یونین سٹیم پریس، لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۸۶
پرمارتھی ساکھیاں	باباساون سنگھ جی	-	-	ریکھا پرنٹرز نئی دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۰۔ مذہب
پریم ساگر (بھاگوت کا دسم سکند)	منشی دیال سوامی	-	-	نولکشور پریس لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۴۔ مذہب
تاریخ ہندی فلسفی (۱)	ایس این داس گپتا	۱۹۸۳ء	۵۷۴	ترقی اردو بیورو نئی دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۱۱۴
تحفہ آریہ سماج (۱)	شیخ عبدالعزیز المعروف جگدیہ پرشاد ورما		۱۰۰	قاسمی پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۹۶
تحفہ آریہ سماج (۲)	شیخ عبدالعزیز المعروف جگدیہ پرشاد ورما		۲۹۰	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۰۸
تحفہ آریہ سماج المعروف آریہ سماج کی پول	شیخ عبدالعزیز	۱۹۰۶ء	۳۲۶	قاسمی پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۴۹۸۲
تحفۂ درویش (۱)	منشی گھاسی رام	۱۹۶۷ء	۲۵۶	سیدکا پریس مرادآباد/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۸۰
تحفۂ درویش (۲)	منشی گھاسی رام	۱۹۶۷ء	۲۵۰	منشی نول کشور لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۹۵
تحقیق دھرم (مذہبی فلسفہ)	بابو جگناتھ	۱۹۲۸ء	۲۱۵	رام پریس میرٹھ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۱۱۸۸۹
تحقیق دھرم (۱)	جگناتھ پرشاد	-	۳۰۶	رام پریس میرٹھ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۰۳۹
تحقیق دھرم (۲)	جگناتھ پرشاد	-	۲۴۰	رام پریس میرٹھ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۰۴۰
				/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۹۱۔ مذہب
ترانۂ حق (منظوماتِ دویکانند)	دھرم سروپ	۱۹۶۶ء	۱۵۹	راما کرشنا مشن، نئی دہلی
ترانہ دیانند	جگناتھ داس	-	۴۴	سدرشن پریس مرادآباد/رضا لائبریری ارامپور نمبر ۲۲ ہندومت اُردو
ترپن	مولوی شیخ ولی محمد	۱۸۸۹ء	۸	مصدر البرکات الہ آباد/بھارتی بھون لائبریری، الہ آباد نمبر ۹/۳۲
ترجمہ آتم تتو بودھ	ٹھاکر لال سنگھ	-	۸	گورونانک پریس لدھیانہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۱۸
ترجمہ جاگولک اسرتی	آتما ٹھاکر لال سنگھ	-	۱۷۸	گیان پریس گوجرانوالہ/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۲۴ ہندومت اردو
ترجمہ جوگ بششت جلد اول	سادھورام پرسادنجی	۱۸۹۰ء	۵۷۳	منشی نول کشور لکھنؤ/بھارتی بھون الہ آباد لائبریری ۱/۹
				مطبع نامی لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۹۴۳۔ مذہب
ترجمہ جوگ بششت	سادھورام پرسادنجی	-	-	مطبع نامی لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۹۴۵۔ مذہب
ترجمہ جوگ بششٹھ	لالہ سوامی دیال	۱۹۲۵ء	۵۷۴	منشی نول کشور لکھنؤ/رضا لائبریری رام پور کتاب نمبر ۱۶ ہندومت اُردو
ترجمہ جوگ بششت، جلد دوم	پنڈت پیارے لال	-	-	نول کشور پریس لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۱۹۔ مذہب
ترکِ وید بزم	عبدالعزیز المعروف جگدمبا پرشاد	۱۹۰۵ء	۱۲۶	قاضی پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ۶۴۳۳۔ ایچ ایل

تشریح سیر معرفت	کنہیالال	-	-	دلی پرنٹنگ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۵۲۔تصوف
(تعلیم ستیارتھ پرکاش کا اصلی فوٹو المعروف دیانندی تعلیم)	ہرچند سنگھ	۱۹۱۰ء	۲۰۲	آریہ سٹیم پریس لاہور/رضا لائبریری رام پور نمبر ۳۵ ہندومت اردو
تلاشِ حق	رام چرن لال	-	۲۶۸	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۹۰۲
تلسی داس دوہاولی	تلسی داس	-	۴۸	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۹۶۷
تناسخ چکر اور سوامی دیانند		-	-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۹۷۔ایچ ایل
تنقید دماغ احمدیہ بجواب	آنندی لال	۱۸۸۷ء	۱۲۰	مطبع دویار علمی وردش میرٹھ/رضا لائبریری رام پور نمبر ۸۴ ہندومت اردو
تحفۂ حق در سرمہ چشم آریہ				
تہذیب المز اریانیوگ فلاسفی	لکشمن	-	۲۱۰	آریہ ساہتیہ پستکالیہ لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر ۹۲ ہندومت اردو
تیاگ مورتی پنڈت مہرچند جی	رام چندر شرما	۱۹۴۸ء	۸۶	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۲۴۵
جدید ہندوستان میں ذات پات	شہباز حسین	۱۹۷۴ء	۲۰۸	نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۶/یو۔۳۰۱
جگت سمرتی	لالہ سری رام	-	-	آتم پرکاش، مراد آباد/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۶۔مذہب
جگت کلیان (ہندو فلسفہ)	پنڈت فقیر چند جی	۱۹۵۷ء	۲۰۸	شیوساہتیہ پرکاش منڈل حیدرآباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۹۷۷
جگت گورو	ڈاکٹر رام چندر منی	۱۹۳۵ء	۳۶۷	جامع پریس دہلی/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۱۳
جگت نیستار (ہندو فلسفہ)	پرم دیال بابا فقیر	۱۹۵۹ء	۱۶۲	شیوساہتیہ پرکاش منڈل حیدرآباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۰۷۳
جگجیت پراگیہ	باوا نگینہ	-	-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۵۶
جوگ بششٹ برنان	منشی کنہیالال الکھدھاری	۱۸۸۷ء	۱۸۸	مفید عام پریس لاہور/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۸/یو۔۲۵۰
جوگ بششٹ	سید ابوظفر زیدی	۱۹۹۴ء	۳۳	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۰۶۲۲۳
جوگ بششٹ	تاراچند	-	-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۹۰۳۱
جوگ واشسشٹ عطر اور جواہر	بابو شیو برت لال ورمن۔		۳۷۶	گردھر سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۲۰۸۵
جوگ بششٹ	ہنومان پرشاد (کاتب)		-	ہردیال پبلک لائبریری دہلی۔قلمی نسخہ ۳۲۹پ
جوہرِ تہذیب	وزیر چند	۱۹۰۵ء	۸۴	ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۰۶۸
جوہرِ وحدت	امبا پرشاد۔	-	-	دیال پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۴۸۔تصوف
جوہر یوگ	چندرا ناتھ	-	-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۰۲۲۷

جیوتی بھنڈار یا لالہ شورو رشن (۱)	موتی رام	۱۹۱۶ء	۷۴	آریہ سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۷۲
جیون پتھ دھرنک یا دھرم کی زندگی کا رستہ	امر سنگھ	۱۹۳۷ء	۱۶۰	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۲۰۳۰۶
جیون چرتر سوامی رام تیرتھ	پنڈت رام چندر	۱۹۱۴ء	۱۱۲	ہاشمی سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۷۳
جیون چرتر کبیر داس	منشی موہن لال	۱۹۰۳ء	۴۹	منشی نول کشور لکھنؤ/ہندوستانی اکادمی لائبریری الہ آباد نمبر ۳۳۱۸
جیون چرتر مہاراجہ اگرسین	-	-	۲۴۴	ہمدرد ہند پریس میرٹھ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۷۶۹۱
جیون چرتر مہرشی سوامی دیانند	-	-	۹۶	آریہ پستکالیہ لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۶۸۸۸
چتر انشی مہاداک	پنڈت للتا پرشاد	-	-	امپریل پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری، نمبر ۱۸۔ مذہب
چنڈال چوکڑی (ناول مبنی بر ہندو فلسفہ)	پنڈت کرپا رام شرما	۱۸۹۸ء	۹۴	ویدک دھرم پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۰۵
چودھویں کا چاند (ہندو فلسفہ)	پنڈت چمپوپتی جی۔		۲۸۸	گردھر سٹیم پریس، لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۰۳۷۰
چیتاونی	پرم ہنس	-	-	گیتا پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۹۳۔ مذہب
حقیقت پاشیاں	بھاگ مل سائینی	-	۹۶	الیکٹرک پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۱۷
خدا پرست فرقوں میں جہاد کی تعلیم	دیو رتن	۱۹۱۲ء	۱۶	ہندوستان سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۵۲
خدا کی نظروں میں سب برابر ہیں	مہاتما گاندھی	۱۹۶۴ء	۱۲۷	پبلی کیشنز ڈویژن، نئی دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۹۹
خدائی فوجدار (تصوف)	پنڈت خوشدل	۱۹۷۵ء	۱۳۶	محبوب پریس دیوبند/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۰۰
خطرے کی گھنٹی	کانشی رام چاولہ	۱۹۷۳ء	۱۲۴	سودیشی پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۹۳
خلاصہ اصول دھرم شاستر (نثر و نظم)	سید احمد حسین	۱۸۸۵ء	۳۶	مطبع نامی لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۳۰۴۹ دستہ
خمخانۂ رام یعنی کلیات رام (۲)	آر ایس نارائن سوامی۔		-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۶۰
خمخانۂ رام یعنی کلیات رام (۳)	آر ایس نارائن سوامی	-	۳۴۰	ابراہیم پریس لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۶۲
خوشی کی بادشاہت (ہندو فلسفہ)	بھاگ مل سائینی	-	۹۴	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۹۲
خوشیوں بھری زندگی	کانشی رام چاولہ	۱۹۷۸ء	۱۱۲	گورونانک پریس لدھیانہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۰۲
خیالات بیر (سوامی بیر کے وچار)	میلا رام وفا	۱۹۶۱ء	۱۵۶	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۹۶
دائے بھاگ دتر چندریکا دتر کا میمانسا	مولوی بخش بردوانی	۱۸۶۵ء	۱۶۰	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۶۰
درگا پاٹھ	شیوناتھ رائے تسکین۔		۹۴	آزاد بک ڈپو امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۵۰
درگا سپت شتی وسومہ درگا پاٹھ	بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔		۳۱۱	برقی پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۰۷

دساوتار	منشی ہرنارائن	۱۸۸۲ء	۳۲	آفتاب پریس لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۸۹۹
دنیا کے بڑے مذہب	عماد الحسن	۱۹۸۶ء	۳۹۶	لبرٹی آرٹس پریس دہلی/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۲۰۳یو۔۰۰۲
دھرم بودھ	لالہ سری رام	-	-	اتم پرکاش، مراد آباد/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۵۔مذہب
دھرم ساگر	پنڈت رام بھروس	-	۱۰۶	رفاہ عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۳۵۸۴
دھرم سنباد	پنڈت سردھارام	-	-	گیان پریس گوجرانوالہ/ہردیال پبلک لائبریری، نمبر ۱۶/مذہب
دھرم شاستر	رام راؤ	-	۱۹۶	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ A[illegible]۳۱۵۳۷
دھرم شاستر	رائے بیج ناتھ جی	۱۹۱۶ء	۵۶۰	یوسف الیکٹرک پریس الہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۵۳۸
دھرم شاستر کے ابتدائی ماخذ	پی این چوبے	-	۶۴	انتظامی پریس حیدرآباد/رضا لائبریری رام پور نمبر ۱۳ ہندومت اردو
دھرم شاستر منوسمرتی	-	-	۲۴۶	۔جے ایس سنت سنگھ لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۱۲۵
دھرو لیلی	منشی چھدی لال	۱۸۹۷ء	۴۴	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۱۴
دھن پرچار	پنڈت لیکھرام آریہ مسافر	۱۸۹۷ء	۱۰	ست دھرم پرچارک جالندھر/رضا لائبریری رامپور نمبر ۲۵ ہندومت اردو
دیال نیتی	چودھری نرسنگھ دیال شرما	۱۹۴۹ء	۱۹۱	چاند پریس جموں/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۰۹۲
دبی چرتر یعنی ترجمہ پوتھی درگاپاٹ	منشی مہابلی پرساد	۱۸۸۵ء	۳۲	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۶۸۲۵۔ایچ ایل
دیانند بھانو چتر اولی	پنڈت شمبھو دیال	۱۹۲۶ء	۳۰	گوردھر سٹیم پریس لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر ۲۱ ہندومت اردو
دیانند چرتامرت	منشی دیارام	-	۸۸	برانچ تجارتی پریس اورئی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC90042
دیانند چرت (آریہ سماج کے بانی کی سوانح)	دیورتن	۱۹۱۰ء	۸۲	رفاہ عام سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۳۲۰
دیانند دگ وجے یعنی	ماسٹر دھرم متر	۱۹۶۳ء	۱۸۶	جین پرنٹنگ پریس انبالہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۰۸۶
دیانند کی عظیم فتح	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC
دیانند سرسوتی	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۹۱۷
دیش بھگت شیام	پنڈت ملک راج شرما آنند	۱۹۲۳ء	۲۹۶	کاشی رام سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۵۷۶۲۷
دیوآتما اور اس کا الوکک جیون برت	دیورتن	۱۹۱۱ء	۲۵	منشی نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۳۲
دیوآتما کے سامنے لوگوں کی ...	لالہ دیوان چند	۱۹۲۲	۱۶	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۳۵۰
دیوتا پوجن	لالہ ٹھاکر داس	-	۵۸	سناتن دھرم پرچارک امرتسر/رضا لائبریری رامپور نمبر ۴۸ ہندومت اردو

دیوسماج کی سوشل تعلیم	-	۱۹۰۵	۱۶	جیون پریس، دیو آشرم لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۴۵
دیوسماج کے بارے میں مختصر بات چیت	دیورتن	۱۹۱۲	۴۴	نول کشور گیس ورکس لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر۴ ہندومت اردو
دیوسماج کیا ہے؟	-	۱۹۳۹ء	۲۴	دیوسماج پستکالیہ لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC ۲۰۳۲۷
دیوسنگیت (دھرم دیو کی تعلیم اور بھجن)۔		۱۸۸۹ء	۶۶	-/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۹
دیوشاستر (۱)	-	۱۹۳۲ء	۵۵۶	دیال پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۱۹/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۱
دیوشاستر حصہ دوم	بانی دیودھرم	-	-	دیال پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۱۲
دیوشاستر (۳)	-	۱۹۳۹ء	۴۸۴	دیال پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۳/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۳
دیوہار بھانو (مذہبی فلسفہ)۔		۱۸۹۹ء	۵۶	بندرابن ست دھرم پرچارک پریس جالندھر/رضا لائبریری رامپور نمبر ۲۰ ہندومت اردو
ڈرو! وہ بڑا زبردست ہے	مہاتما ٹیک چند	۱۹۳۸ء	۷۲	آزاد ہند پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۲۰۳۴۰
راج یوگ از دویکانند (ہندو فلسفہ)	شیوبرت لال ورمن (مترجم)۔		۱۸۴۴	لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۵۶/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۷۰۔ مذہب
راج یوگ	منشی سورج نرائن	-	-	سادھو پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۷۰۔ مذہب
رادھا سوامی دیال کی دیا	رادھا سوامی سہائے۔		۱۴۴	-/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۱۵ ہندومت اردو
رادھا سوامی دیال کی دیا (منظوم)۔		-	-	۱۶ میڈیکل پریس آگرہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۱
رادھا سوامی ست درشن	برج باسی لال	۱۹۲۸ء	۵۴	آگرہ اخبار آگرہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۲۰۷۹
رادھا سوامی مت کے ہدایت نامہ کی تشریح	پنڈت دیال فقیر چند۔		-	
رازِ حقیقت یا ستیارتھ منورتھ	جی آر	۱۹۲۲ء	۵۶	آزاد سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۹۷
رام اُپدیش	رائے بہادر لال بیجناتھ	۱۹۰۷	۴۴	منشی نول کشور الٰہ آباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۹۶۴
رام اپدیش	سوامی رام تیرتھ	-	-	/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۸۳۱۹
رام برشا (۱)	آر ایس نارائن سوامی	۱۹۱۲ء	۲۴۸	امپیریل پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۵۲
رپورٹ روہتاش ونش۔		۱۹۱۲ء	۱۶	امپیریل بکڈپو پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۰۲
رچنا چرتر ارتھات آنند کے جہان کی جھانکی	مہاتما ٹیک چند	۱۹۳۸ء	۹۷	مہتا آرٹس پریس لاہور/رضا لائبریری رام پور کتاب نمبر ۵۸ ہندومت اُردو

رسک پریا ہندی	کیشو داس پنڈت -	-		ہردیال پبلک لائبریری دہلی۔ قلمی ۳۲۷
رشی کا بول بالا	آفتاب۔ پردھان آریہ سماج پانی پت -			چندر گپت پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۳۰۲۔ مذہب
رشی کا بول بالا حصہ اول	انوپ چند	-	-	چندر گپت پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۴۸۔ مذہب
رکمنی منگل (ڈرامہ)	منشی دھنپت رائے بیکس -		۳۹	ہندو مسلم سٹیم پریس لاہور ر ہندوستانی اکادمی لائبریری الہ آباد کتاب نمبر ۱۱۲
رنجیت نشٹھا رف دیانت کی ہزمی -		۱۹۸۳ء	۲۰۸	سو لیتھو پریس دہلی ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۱۰۹
روحانی اشارے	شیوبرت لال ورمن -		-	مرکنٹائل پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۴۴۔ تصوف
روحانی ڈائری حصہ دوم	منشی رام، رائے صاحب -		-	لکشمی پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۸۔ مذہب
روحانی ڈائری حصہ سوم	منشی رام، رائے صاحب -		-	لکشمی پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۹۔ مذہب
روحانی طریق	لیکھراج پوری	-	-	یونیورسل آفسیٹ دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۳۲۔ مذہب
روحانی کہانیاں	سورج نرائن مہر	-	-	چندر گپت پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۵۹۔ مذہب
روحانی گلدستہ	جگت سنگھ جی	-	-	یونیورسل پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۴۳۔ مذہب
روحانی مکالمہ (منظوم)	منور لکھنوی	۱۹۶۰ء	۳۲	محبوب المطابع پریس دہلی ر رضا لائبریری رامپور ۱۰۴۳ ہندومت اردو
روحانی دویرتا المعروف پرم پُرش	حکیم ہر بنس لال	۱۹۷۱ء	۱۲۰	گورونانک الیکٹرک پریس لدھیانہ ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۲۵۵
روح کی ابدیت	-	۱۸۸۶ء	۳۵	نیا امپیریل پریس، انارکلی لاہور ر رضا لائبریری رام پور نمبر ۵ ہندومت اردو
رہنمائے معرفت	منگت رام جی	۱۹۶۷ء	۲۹۶	کوہ نور پریس دہلی ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۶۹۹۱
زندگی موت اور مابعد	چودھری نرسنگھ داس چاولہ -		۲۵۴	ادمان پرنٹنگ پریس دہلی ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۱۴
ساچن نشر (رادھا سوامی وچار) -		۱۹۱۹ء	۱۴۵	اسرار کریمی پریس الہ آباد ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۰۴۱
سات ستارے	بخشی رام سنگھ	-	-	-
سادھارن دھرم	سوامی شوگن جی جگی آچارج	۱۹۰۰ء	۱۳۶	منشی نول کشور لکھنؤ ر بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۳۰
سادھو کی صدا	شیوبرت لال ورمن -	-	-	گیلانی پریس دہلی ر ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۵۔ تصوف
سار اُپدیش رادھا سوامی -		-	۱۱۷	۔ ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۴۹۹
سار بھجن پشپاولی	لالہ دیوی داس	-	-	۔ ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۰۵۷
سانکھیہ درشن	دیوان چند	۱۹۱۶	۱۸۴	جارج سٹیم پریس لاہور نو ر خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۴۲۱

سانکیت پورن مل (نظم)	بالک رام جوگیشور	۔	۱۷۰	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۴۹
سانکیت سیلا دے رانی	بالک رام جوگیشور	۔	۱۱۲	مطبع افتخار دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۰
سپھلتا کے انمول ساؔدھن	رام پرکاش بھسین	۱۹۸۳ء	۴۰۰	پرنو پبلیکیشنز جے پور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۶۸۰۱
سپھل جیون	مہاتما پربھو آشرت	۱۹۷۱ء	۲۰۰	شری موہن لال گھو یالال مالکان دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۷۹۰
ست پتھ برہمن	محمد عثمان خاں	۱۹۰۵ء	۱۴۴	النذر پریس میرٹھ/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۱۷ ہندومت اردو
ست پرکاش عرف جیون سدھار	بندا ایشوری پرشاد	۱۹۴۱ء	۱۹۳	اسرار کریمی پریس الہ آباد/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۱۹
ست جگی آشرم	سوامی شیوگن چارج	۱۸۹۹ء	۲۴	منشی نول کشور لکھنو بھارتی بھون لائبریری الہ باد نمبر ۹/۲۷
ست سنگی (۳)	۔	۔	۳۲۲	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۴۰
ست سنگ	ساون سنگھ جی بابا	۔	۔	یونیورسل آفسیٹ پرنٹرز دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۵۔مذہب
ست سنگ (۱)	چرن سنگھ جی	۔	۔	یونیورسل آفسیٹ پرنٹرز دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۶۔مذہب
ست سنگ (۳)	چرن سنگھ جی	۔	۔	یونیورسل آفسیٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۷۔مذہب
ست سنگ (۵)	چرن سنگھ جی	۔	۔	یونیورسل آفسیٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۸۔مذہب
ست سنگ (۶)	چرن سنگھ جی	۔	۔	لبرٹی آرٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۱۹۔مذہب
ست سنگ (۷)	چرن سنگھ جی	۔	۔	سوہن پریس جالندھر/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۲۰۔مذہب
ست سنگ (۸)	چرن سنگھ جی	۔	۔	لبرٹی پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۲۱۔مذہب
ست سنگ (۹)	چرن سنگھ جی	۔	۔	پریس جالندھر/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۲۲۔مذہب
ست سنگ (۱۱)	چرن سنگھ جی	۔	۔	یونیورسل آفسیٹ پرنٹرز دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۲۳۔مذہب
ست نام	۔	۔	۔	۸۲ لیتھو پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۳۱
ستیارتھ پرکاش	دیانند سرسوتی	۱۸۹۹ء	۷۵۲	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۲۱۲۱
ستیارتھ پرکاش	سوامی دیانند سرسوتی	۱۹۳۰	۸۰۰	راجپال اینڈ سنز لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۰۶ ہندومت اردو
ستیارتھ پرکاش	دیانند مہرشی	۔	۔	یونین اسٹیم پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۸۸۵۔مذہب
ستیارتھ پرکاش	رادھے کشن مہتہ (مترجم)		۔	۔
ستیارتھ پرکاش درپن	مولوی ابو رحمت حسن	۱۹۰۶ء	۱۴	النذر پریس میرٹھ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۱۱۷۹

سچے رشیوں کی پہچان	بابا ابورحمت میرٹھی ۔		۔	ہلالی پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۱۹۲۔مذہب
سدا پھل یا ستیہ نارائن کتھا	دوارکا پرشاد اُفق ۔		۔	۔
سدا چاری جیون	مہاتما منگت رام	۱۹۷۶ء	۳۲	سمتا یوگ آشرم دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۷
سداما	منشی چھمن پرساد صدر	۱۹۱۱ء	۱۶	منشی نول کشور لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۱۰۹
سداما چرتر	۔	۱۹۲۴ء	۸۶	منشی نول کشور لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۴۴
سداماں چرتر	منشی جگناتھ سہائے	۱۹۱۰ء	۱۸	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۶۹۳۹
سداماں چرتر (نظم)	منشی ہرنرائن اکبرآبادی ۔		۱۲	منشی نول کشور لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۸۹۷۵۲
سدرشن کا میلہ (ہندو فلسفہ)۔		۔	۲۱۹	۔/رضا لائبریری رامپور نمبر۳۹ ہندومت اردو
سرچشمہ زندگی کی تلاش	لاجپت رائے آریہ۔		۶۴	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۷۳
سرزمین ہند کا شاعر اعظم کالیداس	جے کرشن	۱۹۳۷ء	۱۴۴	عالم گیر پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۴۹۴۹۷۱
سرواجیت کی ہار	شیو برت لال ورمن ۔		۲۰۶	شیو ساجیہ پرکاشن حیدرآباد/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۶۵
سری راموجیت (ہندو فلسفہ)	لال جی	۱۸۷۳ء	۴۶	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ۲۸۲۶۔ایچ ایل
سری برج بلاس	برج باسی داس	۱۸۸۰ء	۳۰۰	منشی نول کشور لکھنؤ/خدابخش لائبریری پٹنہ M۲۸۴۶
(سری رام چندر جی کا درشن مع گنگا کی نینداور۔(منظوم))	ملک راج بھلہ	۱۹۱۵ء	۲۴	پنجاب نیشنل سٹیم پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۴۴۹۴۵۶
سری سکنت	نندرا سین	۔	۔	ہردیال پبلک لائبریری قلمی ۲۳۸پ
سری کرشن جی مہاراج کی سوانح عمری	منشی رگھبیر سنگھ	۱۹۰۳ء	۸۰	نوین پریس سندیلہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC24030
سری کرشن نامہ	منشی مہیش داس	۔	۸	گیان پریس گوجرانوالہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۱۱
سری کرشن نغمہ	رادھے شیام	۔	۲۰۰	۔/لائبریری بھارتی بھون الہ آباد کتاب نمبر ۹/۱۵
سری وچار ساگر	بابورام	۱۹۰۵ء	۳۹۶	مفید عام پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۰۹
سکھیندر پن (ہندو فلسفہ)	مدن گوپال	۱۹۷۲ء	۳۲	قیصر برقی پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۸۴
سکھی جیون	ست پال بھاردواج معارف۔		۔	چوپڑہ پریس جالندھر//ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۱۷۷۔مذہب
سمتا استھی یوگ	منگت رام جی	۔	۷۶۰	لکشمی آرٹ اسٹیم پریس راولپنڈی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۹
سمتا ساریوگی	منگت رام جی	۔	۷۶۶	لکشمی آرٹ سٹیم پریس راولپنڈی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۷

سمتا نیتی عرف پرمارتھی سار	منگت رام جی	ـ	۹۶	لکشمی آرٹ پریس راولپنڈی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۱۰۹۷
سمتا وگیان یوگ	شری منگت رام جی	ـ	۴۳۴	ـ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۹
سمتا ولاس	منگت رام جی	ـ	۴۶۴	ـ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۷
سمرپن (ہندو فلسفہ)	پنڈی داس	ـ	۶۴۳	آریہ پستک بھنڈار لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر ۴۳ ہندومت اردو
سناتن آدرش	اودھ بہاری لال	ـ	۲۷۲	قیصر ہند پریس بدایوں/رضا لائبریری رامپور نمبر ۹۳ ہندومت اردو
سناتن دھرم انسائیکلوپیڈیا	شیوناتھ رائے تسکین	۱۹۴۳ء	۴۰۰	گیتا کاریالیہ کرشن نگر لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۰۲۴
سناتن دھرم کی موت	پنڈت منسارام جی	ـ	۱۷۰	آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۴۳
سنت امرت بانی (۳)	شیوبرت لال ورمن	۱۹۶۳ء	۷۹	شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل وارنگل/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۱۷
سنت بانی سار سنگرہ	لبھو رام سودامر	ـ	ـ	چوپڑہ پریس جالندھر/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۹۹۸۔ مذہب
سنت سماگم	شیوبرت لال ورمن	۱۹۲۳ء	۱۰۰	بندے ماترم پریس لاہور/بھارتی بھون لائبریری نمبر ۹/۳۶
سنت سندیش	شیو	ـ	۱۴۶	سرسوتی بھنڈار دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۸۶
سنت سندیش	شانتی سیٹھی	ـ	ـ	گلوب پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۲۶۔ مذہب
سنت مت پرکاش (۲)	بابا ساون سنگھ جی	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۴۔ مذہب
سنت مت پرکاش (۳)	بابا ساون سنگھ جی	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۵۔ مذہب
سنت مت پرکاش (۵)	بابا ساون سنگھ جی	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۶۔ مذہب
سنت مت پرکاش (۷)	بابا ساون سنگھ جی	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۷۔ مذہب
سنت مت درشن (۱)	چرن سنگھ	ـ	ـ	لکشمی پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۳۵۔ مذہب
سنت مت درشن (۲)	چرن سنگھ	ـ	ـ	لبرٹی آرٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۳۶۔ مذہب
سنت مت درشن (۳)	چرن سنگھ	ـ	ـ	ریکھا پرنٹرز نئی دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۳۷۔ مذہب
سنتوں کی بانی	چرن سنگھ	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۱۔ مذہب
سندھیا پربھاکر	ستیہ بھوشن آریہ	۱۹۸۸ء	۲۳۸	گیانی الیکٹرک پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۹
(سنستھاپک دیوسماج کا۔ مختصر جیون چرت)		ـ	۳۲	پبلک سٹیم پریس فیروزپور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۱۱

سنسکارودھی	مہرشی دیانند	۔	۴۰۰	آریہ سٹیم پریس لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر۱۱۲ ہندومت اردو
سنسکارودھی کا اردو ترجمہ	شری مہاتما منشی رام جی	۱۹۱۵ء	۶۳۶	جارج سٹیم پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۳۷
سنگھاسن بتیسی مع تصویرات۔		۔	۹۲	جوہر ہند، دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۴۸
سنگیت رتن پرکاش	۔	۔	۔	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
سنگیت پنچم رتن	۔	۔	۔	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۷۴
سنگیت ہریشچندر	۔	۔	۔	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۴۷۷
سوامی دیانند اور ان کی تعلیم	میرزا عابد حسین	۱۹۳۲ء	۳۰	جید برقی پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۸۱
سوامی دیانند اور ان کی تعلیم	خواجہ غلام حسنین	۱۹۳۲ء	۳۰۴	اورینٹل پبلک لائبریری، پانی پت/ہندوستانی اکادمی لائبریری الہ آباد نمبر ۱۴۳۱
سوامی دیانند سرسوتی کی پیدائش	غازی محمود دھرم پال	۱۹۱۵ء	۴۰	آرگن پریس لدھیانہ/خدابخش لائبریری پٹنہ ۲۸۴۹۔ایچ ایل
سوامی یوگ موسومہ بہ امر کتھا	سوامی اوتار بھگوان دیال	۔	۳۰۰	بروکاس پریس سرینگر/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۴۶۵
سوانح عمری	سنکٹھا پرشاد	۱۹۰۱ء	۔	مطبع نجومی پریس رائے بریلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۸
سوانح عمری رام	آر ایس نارائن سوامی	۱۹۳۵ء	۳۶۰	عباسی آرٹ لیتھو پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ۳۱۵۷ دسنہ
سوانح حیات شری سوامی رام تیرتھ	برج لال گوسوامی	۱۹۵۶ء	۲۷۰	پنجاب نیشنل پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۳
سوانح عمری سوامی دیانند سرسوتی۔		۱۹۰۷ء	۱۳۳	ہندوستان سٹیم پریس لاہور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۸۷۰
سوانح عمری شیو اور گنگا جی۔		۔	۔	۔/خدابخش لائبریری پٹنہ ۱۸۵۰۔ایچ ایل
سہج مارگ کے دس اصولوں کی شرح	شری رام چندر	۱۹۴۸ء	۸۵	شری رام چندر مشن شاہجہاں پور/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۱۳۴
شانتی کے گُر	بھاگ مل سائینی	۔	۵۲	خدابخش لائبریری پٹنہ
شاہراہ معرفت گرمت سدھانت (ا)	ساون سنگھ ناشر	۔	۔	رفاہ عام پریس لاہور ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۸۱۔مذہب
شاہراہ معرفت گرمت سدھانت (۲)	ساون سنگھ ناشر	۔	۔	پیامِ وطن پریس لاہور ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۸۲۔مذہب
شاہراہ معرفت گرمت سدھانت (۳)	ساون سنگھ ناشر	۔	۔	پیام وطن پریس لاہور ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۸۳۔مذہب
شری اشٹاوکر گیتا	بخشی نرسنگھ داس	۔	۸۰	اسرار کریمی پریس الہ آباد/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۴۱
شری آنند سوامی سرسوتی	رنبیر	۔	۳۲۰	جید برقی پریس، دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۱۴۱
شری پریم ہنس ادویت کی مختصر تاریخ۔		۱۹۶۶ء	۴۴	لکھنہ لیتھو پریس دہلی/خدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۵۹

شری پنچدشی اردو	شیو برت لال جی	۱۹۷۵ء	۱۴۴	شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل حیدرآباد/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۱۸۸۹
شری درگا استتی	چمن لال بھارگو	-	۱۰۰	شری برج موہن بھنڈار واج پستکالیہ امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۱۳۱۹۵
شری یوگیوروبھگوان کالافانی ظہور۔		۱۹۰۵ء	۴۲	جیون پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۲۳۹
شری رام کرشن کے اُپدیش اور جیون کہانی	برہمانند سوامی	-	-	دلی پرنٹنگ پریس دہلی۔ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۰۳۔مذہب /خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۱۳۱۰
شری روکمنی منگل	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۰۴
شری ست نارائن برت کتھا	دیانند ورما	-	۶۴	پنجابی پستک بھنڈار دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۰۸۳
شری سمتا دلاس (۲)	منگت رام جی	۱۹۵۶ء	۱۵۴	تاج آرٹ پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۲
شری کرشن	پروفیسر رام سروپ	۱۹۲۷ء	۱۳۶	پنجاب سکول سپلائی ڈپو، لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۷۶۳۰
شری کرشن سمرن (منظوم)	پنڈی داس قمر	-	-	علمی پریس بنارس دہلی پرنٹنگ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۲۷۵۔مذہب
شری کرشن گوتم بدھ اور دوسرے رہنما	نارائن پرشاد ورما مہر	۱۹۹۳ء	۲۳۱	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۴۹۱۷
شری کرشن منوہر پشپانجلی	بھگت کرشن ناصر	۱۹۲۷	۹۴	آکاش بانی پستکالیہ لاہور/بھارتی بھون لائبریری الٰہ آباد نمبر ۲۶۹
شری لال لیلا مکمل	لالہ دیوان چند	۱۹۵۲ء	۲۳۲	لاہور پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۶۲
شریمد بھگوت گیتا (نغمۂ یزدانی)	اسے جے مالوی	-	-	محقق ۱/۱۲۷۸ مالوی نگر الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳
شششٹھا چار	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۰۲۷۹
شکتِ چالیسی	شنکر دیال فرحت	۱۹۵۲	۱۶	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۰۰۸۶
شنکا سمادھان (۱)	گورکھ ناتھ نندا	۱۹۷۴ء	۳۱۲	اطلس پرنٹنگ پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۰۲۲۹۲
شنکا سمادھان (۲)	گورکھ ناتھ نندا	۱۹۷۴ء	۳۱۲	اطلس پرنٹنگ پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۲۱۳۳
شنکر چالیسا	منشی پریاگ دت	۱۸۸۹ء	۱۰	کالا حصہ پریس لکھنؤ/بھارتی بھون لائبریری الٰہ آباد کتاب نمبر ۲/۸۷
شہابِ ثاقب	مولوی ابو محمد عبد الحق	۱۹۰۸ء	۶۴	تحفۂ ہند پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۱۹۰۹۲
شیو دھیان درپن	رام سہائے تمنا	۱۹۱۹ء	۷	سلیمانی پریس بنارس/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۰۲۰۵
شیو سہسر نام	شنکر دیال فرحت	۱۹۰۳ء	۱۶	ثمرِ ہند پریس لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۴۳
شیو مہاپُران	-	-	-	سن رائز پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۷۳۵۔مذہب
صداقت دھرم آریہ	پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر	۱۸۹۷ء	۵۶	ست دھرم پرچارک، جالندھر/رضا لائبریری رامپور نمبر ۶۵ ہندومت اردو

عنوان	مصنف	سال	صفحات	مطبع / کتب خانہ
بجواب صدقۂ جاریہ عشق اور بھگتی	عمادالحسن آزاد فاروقی	۱۹۷۸ء	۹۵	جمال پرنٹنگ پریس دہلی/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۸۰۰۰
				جمال پریس دہلی/ ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۹۰۔ تصوف
فلسفہ اعتدال (۱)	ڈاکٹر چونی لال چیتن	۱۹۱۴ء	۱۵۴	آریہ سٹیم پریس لاہور/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۹۹ ہندومت اردو
فلسفہ اعتدال (۳)	ڈاکٹر چونی لال چیتن	۱۹۲۴ء	۳۲۶	امرت پریس لاہور/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۷۷ ہندومت اردو
فلسفہ اعتدال (۴)	ڈاکٹر چونی لال چیتن	۱۹۱۴ء	۱۶۴	آریہ سٹیم پریس لاہور/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۷۸ ہندومت اردو
قانون دھرم شاستر (منظوم)	سید اعتبار حسین	۱۹۳۰ء	۲۵	عالیجاہ دربار پریس گوالیار/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۵۱۹۳۶
قانون وراواج ہنود (۱)	مولوی اکبر علی	۱۹۴۱ء	۷۶۵	دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۲ ہندومت اردو
قدامت وید	مہاشہ گوردھن داس	۔	۔	دہلی پرنٹنگ پریس/ ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۳۔ مذہب
قدیم ہندوستان میں شودر	جمال احمد صدیقی	۱۹۷۹ء	۳۵۶	ترقی اردو بورڈ نئی دہلی/ الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۸ ایو ۔۳۰۱
قوم کا ستھ کا ماضی مضارع	منشی کامتا پرشاد	۱۸۸۳ء	۳۲	مطبع قیصری بریلی/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۳۶۵
کاشف القلب	۔	۔	۲۲۲	۔/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۸۵ ہندومت اردو
کاشف القلب عرف پیغام شہنشاہ	شہنشاہ برہمچاری	۱۹۲۵	۳۶	لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۳۱۷
کاشف دقائق مذہب	۔	۔	۲۸	منشی نول کشور لکھنؤ/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۱۰
کاکھنس پریکشا المعروف سچ جھوٹ کی پہچان	گنیش داس ورما	۔	۷۸	ست دھرم پرچارک جالندھر/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۷۳ ہندومت اردو
کبیر جوگ	۔	۔	۹۹تا۴۹۹	۔/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۰۸۸
کبیر داس	پنڈت منوہر لال زتشی	۱۹۳۰ء	۱۵۴	ہندوستانی اکادمی الہ آباد کتاب نمبر ۲۵۲۷
کچھ کر کے دکھا کہ من کے کہا	سوامی رام تیرتھ	۔	۶۴	چاند بک ڈپو دہلی/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۳۷۰
کرشن اوتار مرلی منوہر (ڈرامہ)	کشن چند زیبا	۱۹۴۵	۱۶۰	لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۵۵۸۷۹
کرشن بیتی با تصویر	خواجہ حسن نظامی	۱۹۷۷ء	۱۴۴	دہلی پریس دہلی/ خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر دستہ ۸۴۹
کرشن جیون	خواجہ حسن نظامی	۱۹۲۳ء	۱۹۲	دلی پرنٹنگ ورکس دہلی/ الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۸/ یو ۲۵۰
کنہیا کا بالپن	۔	۱۹۱۵ء	۵۳	لانگ مینس گرین اینڈ کمپنی بمبئی/ رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۲۳ ہندومت اُردو
کرشن معظم (نظم ونثر)	مولانا حاجی سید محمد عبدالغفور شاہ	۔	۲۸	نول کشور لاہور/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ۶۴۲
کل جگ کا پرتاپ یعنی قصی برج نند	ٹی سی گجراتی	۱۸۹۹ء	۷	سرفراز پریس دہلی/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ۹۱۹۹۔ ایچ ایل
کلام روحانی عرف آکاش بانی	پنڈت جگدیش چندر شرما	۔	۹۴	۔/ خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۳۷۳

کلامِ مرشد	چرن سنگھ	-	-	یونیورسل آفسیٹ دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۴۲۔مذہب
کلجگی اوتار	عزیز احمد قریشی	۱۹۵۵ء	۴۲	احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سری نگر/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد کتاب نمبر ۹/۵۳
کلیات آریہ مسافر	-	-	۶۸۶	۔/رضا لائبریری رامپور نمبر ۴۹ ہندو مت اردو
کلیات سنیاسی	انوبھو آنند جی مہاراج	۱۹۸۳	۵۸۰	ہندوستان الیکٹرک پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۴۱۶۱
کلیات سنیاسی	سوامی سرودانند	-	-	ہندوستان الیکٹرک پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۸۹۳۔مذہب
کلیات سوامی رام	-	۱۹۱۰ء	۳۳۱	آریہ سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری نمبر ACC۲۳۱۵۴
کل یگ لیلی بھجناولی	-	-	۲۴	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۹۹
کمار سمبھو (منظوم)	منور لکھنوی	-	۱۷۹	انجمن ترقی اردو بک ڈپو دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۵۴۸
کوئی بلا رہا ہے	پنڈت جگدیش چندر	۱۹۶۳ء	۲۰۸	چوپڑہ پرنٹنگ پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۷۲
کھتری اتہاس	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۷۶۵۴
کیا کریں؟	سادھو آنند	-	۹۴	آر آر گپتا پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۷۴
کیرتن بھجناولی	بہاری لال آتو عرف منے بابو	-	۳۱	بھانو پرنٹنگ ورکس، دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۷۶
گائے اور اس کی تاریخی عظمت	اکبر شاہ خان نجیب آبادی	-	۵۶	یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۸۶۰۱۷ ایچ ایل
(گائیتری رہسیہ ارتھات گپت گیان گائیتری)	ٹیک چند	۱۹۳۳ء	۳۳۵	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۲۸
گائیتری منتر کا جپ کیسے کرنا چاہیے	لالہ سنام رائے	۱۹۵۱ء	۳۲	آریہ ویر پستکالیہ جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۲۱۲۵
گجیندر موکش اُردو	-	-	۸	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۸۳۱۷
گرنتھ شری سمتا پرکاش	منگت رام جی مہاراج	۱۹۵۲ء	۶۴۰	پریم پرنٹنگ پریس امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۰۲۶
گلدستۂ تہذیب	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۰۱۳۲
گلدستہ دھرم (ہندو فلسفہ)	بنواری لال	-	۴۲	ویدک دھرم پریس، دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۸۴۴
گلزارِ اسرار	-	-	-	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۲۱۰
گلزار روحانی	لالہ کپور چند	-	-	ہندوستان پرنٹنگ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۹۵۔مذہب
گلشن روحانیت یعنی اُپ نی برہم ودیا	سوامی جیبوتر میانند	-	۳۲۷	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۸۵
گناہوں سے معافی پانے کا چھوٹا شاستر	شری مان امر سنگھ	۱۹۲۳ء	۱۵	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۴۴۹
گنگ ترنگ (منظوم۔ ہندو فلسفہ)	پنڈت چمبو پتی	-	۱۶	سرسوتی آشرم انارکلی لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۴۰۷

کتاب	مصنف	سنہ	صفحات	مطبع / لائبریری
گوبند پرکاش	گوبند رام	ـ	۳۰۱	پنجاب آرٹ پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۱۵
گوپال سہسر نام	شنکر دیال فرحت	۱۸۹۹ء	۲۸	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۱۴۴
گوپال سہسر نام سٹیک	نرائن داس	ـ	۱۰۳	افتخار پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۰۲
گورکشا	پنڈت دین دیال	ـ	۳۲	رسک کاشی پریس دہلی/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۲۹ ہندو مت اردو
گورو کل ودیالیہ کا پرسپکٹس	ـ	۱۹۵۰ء	۵۶	ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۱۹۲
گورمت (۱)	لیکھراج پوری	ـ	ـ	نیو رسل پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۲۸ ـ مذہب
گورمت (۲)	لیکھراج پوری	ـ	ـ	وزیر ہند پریس امرتسر/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۲۹ ـ مذہب
گورمت (۴)	لیکھراج پوری	ـ	ـ	محبوب المطابع دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۳۰ ـ مذہب
گورمت سار حصہ اول	ساون سنگھ جی بابا	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۲۳ ـ مذہب
گورمت سار حصہ دوم	ساون سنگھ جی بابا	ـ	ـ	یونیورسل آفسیٹ پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۲۵ ـ مذہب
گوشائیں چرتر	منشی لال جی	۱۸۸۷ء	۹۹	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۸۵۳ L ایچ ایل
گوشت خوری یعنی مانس نشیدھ	سوامی درشنانند سرسوتی	ـ	۱۶	آریہ سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۲۱
گیا مہاتم	ـ	ـ	ـ	ـ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۸۴۵
گیان پرکاش نظم (۱)	پنڈت بشن داس شاکر	ـ	۱۶	برقی پریس امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC ۲۴۲۰۹
گیان پستک (رامائن/گیتا)	حکیم چندور مانی	ـ		خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC35087
گیان ساگر	ـ	ـ	ـ	ـ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۷۷۴
گیان سورج اودے	بابو سورج بھان	۱۸۹۴ء	۳۰	مطبع ودیا درپن، میرٹھ/ـ
گیان کتھائیں	سورج نرائن مہر	ـ	ـ	چندر گپت پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۵۸ ـ مذہب
گیان کے رتنوں کے صندوق	بشمبر داس	ـ	ـ	امپریل پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی ـ نمبر ۲۳۹ ـ مذہب
گیان گٹکا یعنی چٹکلہ معرفت	بھگوان داس عرف گیانی جی	۱۸۹۹ء	۱۶	منشی نول کشور لکھنؤ/بھارتی بھون لائبریری الہ آباد کتاب نمبر ۹/۲۸
گیان گیتا	پوکرداس	ـ	۱۷۰	ـ/رضا لائبریری رامپور نمبر ۷ ہندو مت اردو
گیان یوگ	سورج نرائن منشی	ـ	ـ	سادھو پریس دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۶۹ ـ مذہب
گیتا درشن	ـ	ـ	۳۰۴	ادم پستکالیہ لاہور/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر اریو ـ ۷۶/۵۰
لاثانی ظہور لاثانی برت	ـ	۱۹۰۷ء	۱۶	ہندوستان سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۳۸
لال چندرکا	منشی لال سنگھ	ـ	۱۱۱	منشی نول کشور لکھنؤ/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۱۴ ہندو مت اردو

لکشمی چرتر	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ـ ACC۲۳۳۶۵A
لکشمی شکتی	پنڈت دیوی دیال	ـ	۱۱۲	پنجاب نیشنل پریس جالندھر رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۱۰۹۳
لوک پرلوک	لبھو رام سودامر	ـ	ـ	چوپڑہ و پریس جالندھر رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۹۹۷ ـ مذہب
لہر میں بحر معرفت	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۳۲
مانس نرنیہ بھاسکر	چرن داس	ـ	۳۶۸	سٹیم پریس لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۴۲ ہندومت اردو
مایا اور جگت	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۲۷
متھرا تیش نغمہ پریم	منشی ہردیو پرشاد	۱۹۱۷ء	۴۴۳	مطبع رحیمی منشی محمد عبدالرحیم ـ جے پور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۲۷۲
مثنوی بلبھ چرتر	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ۶۸۶۸ ـ ایچ ایل
مثنوی واقع عذاب (کتھاست نارائن)	منشی جوالا شنکر	۱۸۸۴ء	۱۲	منشی نول کشور لکھنؤ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۶۸۴۷
مجموعہ اسرار سہانی	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۲۷۱
مجھ میں دیو جیون	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۲۱
مذہب اور اصلاح	پنڈت کشن نرائن	۱۸۸۳ء	۳۶	بہار کشمیر لکھنؤ ربھارتی بھون لائبریری نمبر ۳۶ ۹/
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	ـ	۱۴۵	انجمن ترقی اردو علی گڑھ رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۳ ریو ـ ۲۵
(مذہب کا مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع)	پنڈت چمپوپتی	۱۹۲۳ء	۴۸	سٹیم پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۴۰۸
مذاہب اور انسانیت	لالہ ہردیال	ـ	ـ	مطبوعہ پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۲۵۲ ـ ۳ل ۷ مذہب
مرات الحیات (ہندو فلسفہ)	منشی کامتا پرشاد	۱۸۸۸ء	۴۶	مطبع عالی جاہ گوالیار ررضا لائبریری رامپور نمبر ۶۸ ہندومت اردو
مرتیو اور پرلوک	شری نارئن سوامی	۱۹۳۰ء	۲۴۰	مرکنٹائل پریس لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۳۰۳۱۳
مردہ ضرور جلانا چاہیے	لیکھرام آریہ مسافر	ـ	ـ	ست دھرم پرچارک جالندھر ررضا لائبریری رام پور نمبر ۴۱ ہندومت اردو
مسدس لالہ کداری مل	ـ	۱۸۹۰ء	۲۰	مطبع افتخار دہلی ررضا لائبریری رامپور نمبر ۸۳ ہندومت اردو
مسئلہ کرم	ـ	ـ	ـ	ـ رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۶۷
مشکلات کی عظمت	لالہ سیتارام	۱۹۲۳ء	۱۵	ایجوکیشنل پبلشرز لاہور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۷۴
مظلوموں کی بھینٹ	مہاتما شہنشاہ جی مہاراج ـ		۱۱۲	شہنشاہی سروہتکاری سنگھ، بٹلر روڈ، لکھنؤ
مظہر المعروف	منشی پنا لال	۱۹۰۹ء	۱۶۲	سراج المطبع ـ جے پور رخدابخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۷۵
معیار المکاشفہ	نگینہ سنگھ مرتبہ نارائن سوامی ـ		ـ	ابراہیم پریس لکھنؤ رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۶۷ ۷ ـ مذہب

مکت رتناولی (ہندو فلسفہ)	منشی رتن لال	ـ	۱۳۸	یان پریس گوجرانوالہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۹۷۵
(مکمل اُردو ترجمہ یوگ واششٹ موسومہ الکھ امواج)	منشی کنہیالال الکھدھاری	ـ	۲۲۴	رام مشن پریس، میرٹھ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۵۰۸۰
(مکمل گنجینۂ بھجن المعروف آریہ سنگیت پشپاولی)	رادھا کشن مہتہ نند کشور برادران سوداگران (مرتبین)	۱۹۰۵ء	۵۸۸	نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور۔
منکا بیتی (نظم)	نور الحسن خان	ـ	۲۵	۔رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۸۸۴۳
منگل پربھات (پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء)	مہاتما گاندھی	۱۹۶۰ء	۶۴	گاندھی سمارک ندھی پنجاب رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۳۵۲
منوبل	مہاتما ٹیک چند	۱۹۳۸ء	۱۱۵	آزاد ہند پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۳۳۹۹۸
منوسمرتی معہ ترجمہ	لالہ سوامی دیال	۱۸۹۳ء	۴۹۴	منشی نول کشور لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۱۰۹ ہردیال پبلک لائبریری
منوسمرتی	کرپارام شرما	ـ	۴۹۲	ویدک دھرم پریس، دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ HL۹۵۴۳ ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۹۰۵۔مذہب
منہاج السالکین	ابوالحسن	۱۸۹۴ء	۳۲۲	منشی نول کشور لکھنؤ ررضا لائبریری رام پور کتاب نمبر ۸ ہندومت اُردو
موت اور زندگی	بھولا ناتھ کپور تھلوی	۱۹۵۲ء	۱۱۲	۔رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۴۶۰
موت کے بعد زندگی	ـ	ـ	۱۰۳	امرت الیکٹرک پریس لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۹۰ ہندومت اردو
موکش مارگ	پنچہ رام آہوجہ	ـ	ـ	پریم سنکیرتن منڈل رہردیال پبلک لائبریری دہلی (نمبر؟)۔مذہب
مہاتماؤں کے درشن	ست راج نرائن ارمان دہلوی	۱۹۱۲ء	۵۲	سیوک سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۳۶۹
مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم	لالہ لاجپت رائے	۱۹۰۰ء	۲۴۶	لاجپت رائے اینڈ سنز دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC31074
مہارشی دیانند کی تعلیم	وورس رائے ٹھاکر دت	۱۹۰۴ء	۴۰	شریمتی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۱۱۰۴
مہان رام نام (منظوم)	بھگت گنپت رائے	ـ	۴	رفاہ عام پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۰۲
مہتاب معرفت	منشی بھگوان داس	۱۹۴۰	۱۵۹	ہندو پریس دہلی ررضا لائبریری رامپور نمبر ۹ ہندومت اردو
مہر بھجناولی	سورج نرائن مہر دہلوی	۱۹۱۵ء	۲۴	سادھو پریس دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۴۸۷۱ ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۵۵۔مذہب
مہرشی درشن	تلوک چند محروم	۱۹۳۷ء	۱۶۰	گیلانی آرٹ پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۳۴۰۹۴
مہرشی دیانند سنساری کی نظروں میں	الفت رائے	۱۹۳۳ء	۱۶۸	لالہ دیوی دیال گپتا اینڈ کمپنی لوہانہ رخدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر ACC۳۳۳۵

مہرشی دیانند کی تعلیم	رائے ٹھاکر دت	۱۹۰۵ء	۵۲	آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب / رضا لائبریری رامپور نمبر۱۰۲ ہندومت اردو
مہرشی سوامی دیانند سرسوتی اور ان کی تعلیم	رادھا کشن مہتہ	ـ	ـ	ـ
مہرشی شنکر آچاریہ اور ان کی تعلیم	رادھا کشن مہتہ	ـ	ـ	ـ
مہمن سوتر	ـ	۱۹۰۶ء	۳۶	منشی نول کشور لکھنؤ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۱۱
مہندر ساگر (ہندو فلسفہ)	ـ	ـ	۳۱۴	ـ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۷۴
میراں کے گیت	میرا بائی	ـ	۴۸	آزاد بکڈپو امرتسر / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۸۴۵
میری تین دھام یاترا	ایم ایل گپتا	۱۹۶۹ء	۱۱۷	ـ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۴۶
نام مارگ	چرن سنگھ جی	ـ	ـ	یونیورسل پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۸۲۷ ـ مذہب
نت کرم اوپدیش	پنڈت نہال سنگھ	ـ	۴	گیان پریس گوجرانوالہ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۴۰۶
نت نیم یعنی فرائض دائمی	ـ	۱۸۹۹ء	۱۸	منشی نول کشور لکھنؤ / بھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر۴۷/۹
نتیہ کرم گٹکا	ـ	۱۹۱۱ء	۷۴	آریہ سٹیم پریس لاہور / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۸۱
نج اپدیش رادھا سوامی	ـ	ـ	۷۹	ـ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۹۳
نربھے بلاس	ـ	ـ	ـ	ـ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۹۸
نرسنگھ اوتار اور چمن رکھشا	منشی نتھو لال	۱۸۸۳ء	۱۸	منشی نول کشور لکھنؤ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۴۱۷ ـ ایچ ایل
نرسی لیلا (منظوم)	منشی شیو پرشاد	۱۸۹۷ء	۲۵	منشی نول کشور لکھنؤ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۶۹۱۶
نشکلنک دیانند	لکشمن آریو پدیشک	۱۹۲۸	۳۶۴	آریہ ساہتیہ پستکالیہ دہلی / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۴۲۸۵
نعرۂ حق (۱)	دھرم پال	۱۹۶۳ء	۴۸۶	سوامی سودیانند رام کرشن مشن نئی دہلی / الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۳۵/یو۔۲۵۰
				کپور پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۵۳۷ ـ مذہب
نعرۂ حق (۲)	دھرپال	۱۹۶۴ء	۳۷۵	سوامی سودیانند رام کرشن مشن نئی دہلی / الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۳۶/یو۔۲۵۰
				کپور پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۵۴۷ ـ مذہب
نعرۂ حق (۳)	دھرم پال	۱۹۶۴ء	۳۷۵	کپور پریس دہلی / ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر۵۵۷ ـ مذہب
نقارۂ صفدری	محمد عبدالحمید	۱۹۱۰ء	۵۶	مطبع اکبری / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۰۸۰۷۴
نکاتِ غریب	میگھ راج غریب	۱۹۰۸ء	۳۵۳	منشی نول کشور لکھنؤ / رضا لائبریری پٹنہ نمبر۲۸ ہندومت اردو
نل دمینتی (مہابھارت کی کتھا)	شکنتلا موج	۱۹۸۷ء	۱۵۲	تیج کمار پریس لکھنؤ / الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۱۳/یو۔۲۵۱
نور حقیقت المعروف بیر بیوان کتھا (۱)	پنڈت جگدیش چندر شرما	۱۹۶۱ء	۳۲۳	ـ / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۹۶
نویدِ مسرت	بابو چندر موہن	۱۹۱۱ء	۱۶	سلیمانی پریس بنارس / خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۲۹۷

نیائے درشن	۔	۔	۔	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۰۴۰۵
نیائے درشن شاستر	سوامی درشنا جی	۱۹۲۱ء	۳۱۶	ہمکاری سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۱۲۷۔ ایچ ایل
نیتی شتک	یوگی راج بھرتری	۔	۵۶	ویدک دھرم پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۰۶۲
نیر اعظم (ہندو مذہب اور فلسفہ)	شیو برت لال ورمن	۱۹۳۹ء	۳۳۰	گیتا پرنٹنگ ورکس دہلی/رضا لائبریری رامپور نمبر ۶۲ ہندو مت اردو
وچار چندراودے	بخشی نرسنگھ داس	۱۹۷۵ء	۱۴۴	چوپڑہ پرنٹنگ پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۶۱۳۶
وچار مالا	بخشی نرسنگھ داس او	۔	۔	کوہ نور پریس الہ آباد/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۵۷۷۔ مذہب
وچتر ناٹک از گورو گوبند سنگھ (نظم)	نانک چند ناز (مترجم)	۱۹۵۲ء	۱۶۰	پنجاب نیشنل پریس جالندھر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۵۹۵۸
وشنو پران موسوم بہ فسانۂ توحید امر ناتھ مدن ساحر دہلوی۔			۔	نرائن پریس متھرا/ہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۳۳۲۔ مذہب
وشنو کے دس اوتار	بابو جے لال	۱۹۰۷ء	۱۴۲	رام کرشن پرنٹنگ پریس مظفر نگر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۲۷
وشیشک درشن (شاستر)	سوامی درشنا نند جی	۱۹۱۶ء	۲۶۴	سیوک سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۰۳۱۶
وصل ونود (بھجن وغیرہ)	۔	۱۹۴۰ء	۲۳۲	رانا آرٹ پریس امرتسر/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۲۸
وگیان مالا	۔	۱۸۹۳ء	۳۴	وویا درپن، میرٹھ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۰۷
ولادت کنہیا جی اور نرسنگھ اوتار	بنسی دھر	۱۸۹۷ء	۱۳	منشی نول کشور لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC ۶۹۰۰
ویکانند	احتشام حسین	۱۹۶۳ء	۲۰۵	انڈین اکیڈمی، نئی دہلی/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۵/یو۔۲۵۲
ویر منڈل (۱)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۵ء	۲۰	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ویر منڈل (۲)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۵ء	۲۰	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ویر منڈل (۳)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۵ء	۲۳	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ویر منڈل (۴)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۵ء	۳۶	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ویر منڈل (۵)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۵ء	۲۰	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ویر منڈل (۶)	شیو برت لال ورمن	۱۹۰۶ء	۱۹	فیض عام پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۵۸
ہرنام سنگھ: قربانی کی ایک عمدہ مثال۔		۱۹۰۵ء	۲۸	جیون پریس دیوآشرم لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۴۴۷
ہدایت الہندو	منشی ظہیر الدین	۱۸۷۵ء	۱۱۲	مطبع اسدی لکھنؤ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۱۰۷۶۷ ایچ ایل
ہماری زندگی و موت	شیو برت لال ورمن	۔	۱۴۴	رفاہ عام سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۰۲۳
ہماری سب سے بڑی ضرورت	امر سنگھ	۱۹۱۳ء	۲۴	جیون پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۴۴۶
ہند آریائی اور ہندی	سنیتی کمار چٹر جی	۱۹۷۷ء	۲۸۰	ترقی اردو بیورو نئی دہلی/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۱/یو۔۴۰۴
ہندو اور ہریجن	رام لال ورما	۔	۱۶۰	چندر گپت پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۴۴۳

کتاب	مصنف	سنہ	صفحات	ناشر / کتب خانہ
ہندوتو	ویرساورکر	۔	۱۱۲	راجپال اینڈ سنز لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۰
ہندوتہذیب	پنڈت بشن داس	۱۹۰۹ء	۱۷۶	منشی نول کشور لکھنؤ/رضا لائبریری رامپور نمبر ۱۳۱ ہندومت اردو
ہندوتہواروں کی اصلیت......	منشی رام پرساد	۱۹۲۵	۱۲۸	مفید عام پریس لاہور/رضا لائبریری رامپور نمبر ۵۴ ہندومت اردو
ہندودھرم اکبر کے عہد میں	فدا علی	۱۹۹۲ء	۳۱۶	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۸۰۵۵۶
ہندودھرم درپن	لالہ ہرگوبند	۔	۲۵۶	کھنہ لیتھو پریس دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۷
ہندودھرم کی جدید شخصیتیں	۔	۔	۔	۔/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۸۳۴۳۶
ہندودھرم میں بدیتہ	معین الدین احمد (مرتبہ)	۔	۔	کواپریٹو پریس لاہور/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۲۸-مذہب
ہندودھرم میں گوشت خوری	بابوراجندر لال مترا	۔	۸۰	نجات مشین پریس بجنور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۱۴۵
ہندودھرم ہزار برس پہلے	ابوریحان البیرونی	۱۹۴۲ء	۳۲۲	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۱۱۰۸
ہندودیوتاؤں کی دلچسپ اصلیت	منشی رام پرشاد ماتھر	۱۹۹۱ء	۳۰۲	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۷۳۳۱۱
ہندوستان کا تہذیبی ورثہ	سید محمد ضیاالدین علوی	۔	۱۸	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۱/یو-۳۰۰
ہندوفلسفہ مذہب اور نظام معاشرت	ڈاکٹر سید حامد حسین	۱۹۸۵ء	۷۹	ترقی اردو بیورو نئی دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۴۰۴۳۷
ہندوماتائیں	شیوبرت لال ورمن	۔	۸۸	پنجابی سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۴
ہندومت (۱) (زمانہ کانپور میں شائع مضامین)۔		۱۹۹۳ء	۲۵۸	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۴۵۵۵
ہندومت (۲) (زمانہ کانپور میں شائع مضامین)۔		۱۹۹۳ء	۲۵۸	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۴۵۵۷
ہندومت (۳) (زمانہ کانپور میں شائع مضامین)۔		۱۹۹۳ء	۲۵۸	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۴۵۵۶
ہندومت اور توحید	سید حامد علی	۱۹۸۸ء	۸۰	ادارہ شہادت حق دہلی/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۲۰۰۰
ہندومت کے بارے میں (معارف، جامعہ، الناظر میں شائع مضامین)	۔	۱۹۹۳ء	۱۷۶	خدا بخش لائبریری پٹنہ/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۹۴۹۹۲
ہندوؤں کے اوتار عرف اوتار درشن	لالہ بالکشن بترا آبر	۱۹۳۵ء	۶۴	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۸
ہندومذہب	خواجہ حسن نظامی	۱۹۲۷	۴۶	دلی پرنٹنگ ورکس دہلی/الہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۲۸/یو-۱۵۰
ہندومذہب کی جھلکیاں	ڈاکٹر محمد یٰسین	۔	۔	سرفراز پریس لکھنؤ/ہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۴۰۷-مذہب
ہندومذہب کی معلومات	خواجہ حسن نظامی	۔	۔	دلی پرنٹنگ پریس، دہلی/ہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۳۴۵-مذہب
ہندوؤں کے اوتار عرف اوتار درشن	لالہ بالکشن بترا	۱۹۳۵ء	۶۴	مرکنٹائل پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۴۳۴۸
ہندومذہب آخری نظارہ	پنڈی داس	۱۹۱۳ء	۵۶	کاشی سٹیم پریس لاہور/خدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۳۳۹۸۰

ہندو مذہب کی جھلکیاں	ڈاکٹر محمد یسٰین	۱۹۶۷ء	۸۷	سرفراز قومی پریس لکھنؤ رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۵۱۲۶۶
(ہندوؤں میں بیجا چھوت کی بنا پر بیجا نفرت اور اس کے اثرات)	امر سنگھ	۱۹۱۹ء	۱۶	پنجابی سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۴۹
ہندی فلسفی کے عام اصول	شیو موہن لال ماتھر	۱۹۸۸ء	۳۲۰	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ررضا لائبریری رامپور نمبر ۱۳۷ ہندومت اردو
ہنسا ہیرا موتی چگنا	سنتوکھ سنگھ مولو	-	-	یونیورسل پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۸۲۳-مذہب
ہنومان چالیسا	رام سہائے تمنا	۱۹۱۲	-	منشی نولکشور لکھنؤ رخدابکش لائبریری پٹنہ
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز	اجے مالوی	۲۰۱۱ء	۲۰۰	محقق رسروج شنکر پبلی کیشنز ۱۲۷۸/۱ا-مالویہ نگر، الہ آباد-۲۱۱۰۰۳
یادگار رام (سوامی رام تیرتھ پر مضامین)	دیانارائن نگم	-	۱۱۸	زمانہ پریس کانپور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۱۰۷، اتچ ایل
یادگار رام (مضامین)	سوامی رام تیرتھ جی	-	۱۱۸	زمانہ پریس کانپور رہندوستانی اکادمی لائبریری الہ آباد ۹۶۲
یتھارتھ پرکاش	آنند سروپ	۱۹۳۵	۳۲۲	آری پریس آگرہ رالہ آباد یونیورسٹی لائبریری ۲۸ ریو-۲۵۰
یتھارتھ پرکاش کی حقیقت	آنند سروپ آریہ	-	۲۶۰	پراونشک سبھا لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۳۳ ہندومت اردو
یگ پُرش	جے سی ملہوترہ	۱۹۶۶ء	۲۴	الہ آباد لیتھو پریس رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۸۰
یگوپویت	-	۱۹۱۲ء	۶۲	آریہ سٹیم پریس لاہور رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۹۶۸
یوگ آسن اور پرانایام	سوامی شونندی جی	۱۹۴۶ء	۴۸	اوم پبلیکیشن لاہور ررضا لائبریری رامپور نمبر ۹۵ ہندومت اردو
یوگ ابھیاس اور گائتری جاپ	برہمانند سندہ	-	-	نیو پبلک پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی نمبر ۱۰۶۹-مذہب
یوگ اور اس کے مقاصد	موہن لال مترجم	-	-	اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد رہردیال پبلک لائبریری دہلی نمبر ۶۱۷-مذہب
یوگ بششٹ	ہردیو	۱۸۶۷ء	۵۵۶	-رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۵۷
یوگ درشن	صوفی لچھمن پرشاد	۱۹۲۷ء	۱۳۸	مستانہ جوگی لاہور ربھارتی بھون لائبریری الہ آباد نمبر ۹/۶۶
یوگ درشن معہ شرح	سورج نرائن مہر	-	-	سادھو پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری-دہلی نمبر ۸-مذہب
یوگ کی آٹھویں سیڑھی آتمک راز	بھولا ناتھ سرنا	-	۴۸	لالہ کرپا شنکر اگروال دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۴۷۷
یوگ کے عملی سبق	شیو برت لال ورمن	-	-	گیلانی پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۴۶-تصوف
یوگ ودیا	رادھا جاپانی	-	-	فوٹو لیتھو پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری دہلی، نمبر ۴۷-تصوف
یوگ وششٹ	پرس رام ورما مترجم	-	-	وزیر ہند پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری-دہلی نمبر ۳۴۷-مذہب
وگ وششٹ	پریمی جی	-	-	کھنہ لیتھو پریس دہلی رہردیال پبلک لائبریری، دہلی، نمبر ۹۰۶-مذہب
یوگ وششٹ ویراگیہ کرن		-	۱۹۲	چاند بک ڈپو دہلی رخدا بخش لائبریری پٹنہ ACC۲۳۳۸۴

☆☆☆

گائیتری منتر

اوم بھُور بھوہ سوہ تت سوِتر وریّنیم بھرگو دیوسیہ دھی مئی

دھیو یونہ پرچودیات

بھجن

اوم اکار اُکار مکار
تین ماتروں کا ایک اونکار

پرمیشور کا اُتم نام
جانتے ہیں اُسے خاص و عام

ارتھ وچار کریں جو جاپ
کیوں نہ کٹ جائیں اُن کے پاپ

بھُور ہے پرانوں کا بھی پران
بھوہ سب دکھ چھڑاون ہار

سوہ ہے آپ سدا سکھ روپ
دھرمیوں کو کرے مکت سروپ

تت اُس ایشور سے ہم لوگ
بھگتی بھاو سے کریں سنیوگ

سوِتر جگت کا سرجن ہار
روی ششی ہیں جن کا چمتکار

وریّنیم گرہن کرنے کے لائق
بھرگو شدھ پوتر سہایک

دیوسیہ جوتی مئی اور گیان
دھی مہی اُس کا دھریں دھیان

دھیو بدھیوں کا آپ گن ہرے
یونہ پُور بوکت سہائتا کرے

پرچودھیات کا پر یرنا ارتھ
شبھ گنوں کی دیوے سامرتھ

پراپتی کریں ہم دھرم اور ارتھ
بیت نہ جائے جنم بیرتھ

تن من دھن سے کریں اُکار
گایتری کا ارتھ بچار

ایس چند سندھیا کردوکال

(مکمل گنجینہ بھجن المعروف آریہ سنگیت پشپاؤلی از رادھا کشن مہتہ۔ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

☆☆☆

مقبول ترین آرتی شری کرشن جی کی

اوم جے جگدیش ہرے، پربھو جے جگدیش ہرے

بھگت جنوں کے سنکٹ چھن میں دُور کرے ...... اوم جے جگدیش ہرے......

جو دھیاوے پھل پاوے دُکھ بنسے من کا...... پربھو دکھ بنسے من کا......

سکھ سمپتی گھر آوے، کشٹ مٹے تن کا......اوم جے جگدیش ہرے......

مات پتا تم میرے شرن گہوں کس کی......پربھو شرن گہوں کس کی......

تم بن اور نہ دوجا، آس کروں جس کی......اوم جے جگدیش ہرے......

تم پورن پرماتما، تم انتریامی......پربھو تم انتر یامی......

پار برہم پرمیشور تم سب کے سوامی......اوم جے جگدیش ہرے......

تُم کرونا کے ساگر، تُم پالن کرتا......پربھو تم پالن کرتا......

مَیں مورکھ کھل کامی، کرپا کرو بھرتا...... اوم جے جگدیش ہرے......

تُم ہو ایک اگوچر، سب کے پران پتی......پربھو سب کے پران پتی......

کس ودھی ملوں دیا میہ مَیں تم کو کمتی......اوم جے جگدیش ہرے......

دین بندھو دُکھ ہرتا، تُم ٹھاکر میرے......پربھو تم ٹھاکر میرے......

اپنے ہاتھ اُٹھاؤ، دوار پڑا تیرے......اوم جے جگدیش ہرے......

وِشے وِکار مٹاؤ، پاپ ہرو دیوا...... پربھو پاپ ہرو دیوا......

شردھا بھگتی بڑھاؤ، سنتن کی سیوا ...... اوم جے جگدیش ہرے

☆☆☆

آرتی گنگا جی کی

اوم جے گنگے ماتا، میا جے گنگے ماتا

جو نر تم کو دھیاتا۔ من وانچھت پھل پاتا۔ اوم جے..........

چندر سی جیوتی تمہاری۔ جل نرمل آتا

شرن پڑے جو تیری سو نر تار جاتا۔ اوم ....

پُتر سگر کے تارے۔سب جگ کو گیاتا
تیری کرپا درشٹی ہے میا، تربھون سکھ داتا۔اوم جے.........
ایک بار جو پرانی،شرن تیری آتا
یم کی تراس مٹا کر،پرم موکش پاتا۔اوم جے.........
آرتی ماتو. تمہاری،جو نر نت گاتا
سیوک سہج میں بھگتی۔مکتی پاتا اوم.........

ہنومان چالیسا

دوہا

شری گورو چرن سروج رج، نج منو مُکرسدھار
برن او رگھوبر بمل جسو، جو دائیک پھل چار
بُدھی ہین تنو جان کے،سمی رو پون کمار
بل بُدھی ودیا دیئو موہی، ہریو کلیش وِکار

چوپائی

جے ہنومان گیان گن ساگر جے لپیس تیہوں لوک اُجاگر
رام دُوت اتولت بل دھاما انجنی پتر پون سُت ناما
مہاویر وکرم بجرنگی کمتی نِوار سمتی کے سنگی
کنچن برن براج سُبیسا کانن کُنڈل کنچن کیسا
ہاتھ بجراو دھوجا براجے کاندھے مونج جنیئو ساجے
شنکر سُبن کیسری نندن تیج پرتاپ مہاجگ بندن
ودیاوان گنی اتی چاتُر رام کاج کربے کو آتُر
پربھو چرتر سُنبے کو رسیا رام لکھن سیتا من بسیا
سوکھشم روپ دھری سیاہیں دکھاوا وکٹ روپ دھری لنک جراوا
بھیم روپ دھری اسُر سنہارے رام چندر کے کاج سنوارے

لائے سجیون لکھن جیائے
رگھوپتی کینی بہوت بڑائی
سنکادِک برہم آدی سنیسا
جم کبیر دِگپال جہاں تے
تُم اُپکار سگریو ہیں کینا
تمہرے منتر بسبیابھشن جانا
جُگ سہسر جوجن پر بھانوں
پربھومُدرکا میل مُکھ ماہیں
دُرگم کاج جگت کے جیتے
رام دوارے تُم رکھوارے
سب سُکھ لیں تمہاری سرنا
آپن تیج سنوارو آپے
بھوت پشاچ نکٹ نہیں آبے
ناسے روگ ہرے سب پیرا
سنکٹ سے ہنومان چھڑاوے
سب پر رام تپسوی راجا
اور منورتھ جو کوئی لابے
چاروں جُگ پرتاپ تمہارا
سادھو سنت کے تُم رکھوارے
اشٹ سِدھی نو نِدھی کے داتا
رام رسائن تمہرے پاسا
تمہرے بھجن رام کو پاوے
انت کال رگھوبر پور جائی
اور دیوتا چِت نہ دھری
سنکٹ کٹے مٹے سب پیرا

شری رکھویر ہرشی اُر لائے
تُم مم پریہے بھرت ہی سم بھائی
نارد سارد سہت اسیسا
کوی کوِت کہی سکے کہاں تے
رام ملائے راج پد دینا
لنکیشور بھئے سب جگ جانا
لیلیو تاہی مدھر پھل جانوں
جلدھی لانگھی گئے اچرج ناہیں
سُگم انوگرہ تمہرے تیتے
ہوت نہ آگیا بنوں پیسارے
تُم رکھشک کاہو کو ڈرنا
تینوں لوک ہانک سے کانپے
مہابیر جب نام سنابے
جپت نرنتر ہنومت بیرا
من کرم بچن دھیان جو لاوے
تِن کے کاج سکل تُم ساجا
سوئی اِمت جیون پھل پابے
ہے پرسدھ جگت اُجیارا
اسُر نِکندن رام دُلارے
اس برَ دِین جانکی ماتا
سدا رہو رگھوپتی کے داسا
جنم جنم کے دُکھ بسراوے
جہاں جنم ہری بھگت کہائی
ہنومت سَی سرب سُکھ کری
جو سمرے ہنومت بل بیرا

جے جے جے ہنونان گوسائیں کرپا کھوگرودیو کی نائیں
جو شت بار پاٹھ کر کوئی چھوٹیں بندی مہاسکھ ہوئی
جو یہ پڑھے ہنومان چالیسا ہوئے سدھی ساکھی گوریسا
تلسی داس سدا ہری چیرا کیجے ناتھ ہردے ماں ڈیرا

دوہا

پون تنیہ، سنکٹ ہرن، منگل مورتی روپ
رام لکشمن سیتا سہت ۔ ہردے بسو سُر بھُوپ

☆☆☆

بھگوان برہما وشنو مہیش جی کی آرتی

اوم جے شِو اونکارا بھج شِو اونکارا
برہما وِشنو سدا شِو اردھنگی دھارا

......اوم جے

ایکانن چترانن پنچانن راجے
ہنسانن گروڑاسن برِش واہن ساجے

......اوم جے

دو بھج، چارو چترجھج دش بھج اتی سوہے
تینوں روپ نرکھتے تربھون جن موہے

......اوم جے

اکھش مالا ون مالا، رُنڈ مالا دھاری
چندن مرگ مد سوہے بھالے شُبھ کاری

......اوم جے

شویتامبر پیتامبر باگھامبر انگے

سنکادِک گروڑادِک بھوتادِک سنگے
اوم جے......
کر مدھیئے سکمنڈل چکر شول دھاری
سُکھ کاری، دُکھ ہاری جگ پالن کاری
اوم جے......
برہما وشنو سدا شِو، جانت اوی ویکا
پرن واکھشر میں شوبھِت یہ تینوں ایکا
اوم جے......
تِرگن سوامی کی آرتی جو کوئی نر گاوے
کہت شِوا نند سوامی من وانچھت پھل پاوے
اوم جے......

☆☆☆

ایک مقبول بھجن

اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی ،اب رین کہاں جو سووت ہے
جو جاگت ہے سو پاوت ہے، جو سووت ہے سو کھووت ہے
اُٹھ نیند سے اکھیاں کھول ذرا، اور اپنے رب میں دھیان لگا
یہ پریت کرن کی ریت نہیں رب جاگت ہے تو سووت ہے
جو کل کرنا ہے آج کر لے، جو آج کرنا ہے اب کرلے
جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا، پھر پچھتائے کیا ہوووت ہے
نادان بھگت کرنی اپنی، ہے پاپی پاپ میں چین کہاں
جب پاپ کی گٹھری شیش دھری، پھر شیش پکڑ کیوں رووت ہے
اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی......

☆☆☆

آرتی شری دُرگا جی

جے امبھے گوری، میا جے شیاما گوری
تم کو لش دن دھیاوت ہری برہما شِوری۔اوم جے......
مانگ سندور براجت، ٹیکو مرگ دم کو
اجوّل سے دو نیناں، چندر بدن نی کو۔اوم جے......
کنک سمان کلے ور، رکتامبر راجے
رکت پُشپ گل مالا، کنٹھن پر ساجے۔اوم جے......
کیہری واہن راجت، کھڑگ کھپر دھاری
میّا سُر، نر، منی جن سیوت تن کے دُکھ ہاری اوم جے......
کانن کُنڈل شوبھت، ناساگرے موتی
کوٹِک چندر دواکر سم راجت جیوتی۔اوم جے......
شمبھ، نِشمبھ بدارے، مہیشا سُر دھاتی
دھومر ولوچن نیناں، لش دِن مد ماتی۔اوم جے......
چنڈ مُنڈ سنہارے، شونرّت بیج ہرے
مدھو کیٹبھ دوَو مارو سُر بے ہین کرے۔اوم جے......
برہمانی، رُدرانی تم کملا رانی
آگم نِگم بکھانی، تم شِو پٹ رانی۔اوم جے......
چونسٹھ یوگنی گاوت، نرتیہ کرت بھیرو
باجت تال مِردنگا اور باجت ڈمرو۔اوم جے......
تمہیں جگ کی ماتا تم ہی ہو بھرتا
بھگتن کی دُکھ ہرتا، سُکھ سمپتی کرتا۔اوم جے......
بھجا چار اتی شوبھت، بر مُدرا دھاری
من واچھت پھل پاوت، سیوت نر ناری۔اوم جے......
کنچن تھال براجت، اگر کپور باتی
(شری) مال کیتو میں راجت کوٹی رتن جیوتی۔اوم جے
شری امبے جی کی آرتی جو کوئی نر گاوے
کہت شوا نند سوامی من واچھت پھل پاوے

☆☆☆

ہماری مطبوعات

آدھا سچ (افسانے)	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
انیسواں ادھیائے (تجزیاتی ناول)	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
آوارہ گرد (افسانے)	نند کشور وکرم	۸۰ روپے
یادوں کے کھنڈر (ناول)	نند کشور وکرم	۹۰ روپے
مصور تذکرے	نند کشور وکرم	۳۶۷ روپے
کچھ دیکھے کچھ سُنے	نند کشور وکرم	۲۵۰ روپے
میری منتخب نظمیں	ستیہ پال آنند	۳۵۰ روپے
میرے اندر ایک سمندر (شاعری)	ستیہ پال آنند	۲۰۰ روپے
ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں	بلراج کومل	۱۷۰ روپے
ستیہ پال آنند کی نظم نگاری	ڈاکٹر عبداللہ	۳۵۰ روپے
نئی صدی اور ادب (تحقیق وتنقید)	دیویندر اِسر	۱۲۰ روپے
ادب کی آبرو (تحقیق وتنقید)	دیویندر اِسر	۷۰ روپے
خوشبو بن کے لوٹیں گے (ناولٹ)	دیویندر اِسر	۵۰ روپے
احساس (ہنس راج رہبر کی شاعری)	نند کشور وکرم	۱۰۰ روپے
شباب للت: شخصیت اور ادبی خدمات	نند کشور وکرم	۲۵۰ روپے
حبیب جالب۔ شخصیت اور شاعری	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
احمد ندیم قاسمی نمبر (عالمی اُردو ادب)	نند کشور وکرم	۲۰۰ روپے
سردار جعفری نمبر (عالمی اُردو ادب)	نند کشور وکرم	۲۵۰ روپے
دیویندر اسر نمبر (عالمی اردو ادب)	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
اشفاق احمد نمبر (عالمی اُردو ادب)	نند کشور وکرم	۲۵۰ روپے
گوپی چند نارنگ نمبر (عالمی اُردو ادب)	نند کشور وکرم	۳۰۰ روپے

پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز کرشن نگر دھلی۔۱۱۰۰۵۱

Regd.No45755/85

Registered with the Registrar of Newspapers India

ALAMI URDU ADAB

Dharmik Number 2012

(The only reference jouranl in Urdu)

اُردو کا واحد حوالہ جاتی مجلّہ

عالمی اُردو اَدب دھارمک نمبر

Price:(inland)Rs.300/- (Foreign) US Dollars 20/

Place of printing Sanjeev Offset, Krishan Nagar,Delhi 110051

Statement about ownership and other particulars about.Form

(As required by rules of Registrar 'Act)

ملکیت فارم نمبر۴

رجسٹریشن آف نیوز پیپرز ایکٹ کے مطابق بیان

بابت ملکیت و جملہ تفصیلات

۱۔ عالمی اُردو ادب Alami Urdu Adab

F-14/21(D) Krishan Place of

Nagar Delhi-110051

۲۔ مقامِ اشاعت: ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی۔۱۱۰۰۵۱

F-14/21(D) Krishan

Nagar,Delhi-110051

3 Duration: Half yearly

Printer, publisher & editor:Nand Kishore Vikram

۴،۵،۶۔ پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر: نند کشور وکرم

F-14/21(D) Krishan Nagar,

Delhi.110051

۷۔ قومیت: ہندوستانی

7.Nationality: Indian

۸۔ پتہ: ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی۔۱۱۰۰۵۱

8.Address: F-14/21(D) Krishan Nagar,

Delhi-51

مَیں نند کشور وکرم اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ اندراجات درست اور صحیح ہیں۔

I Nand Kishore Vikram hereby declare that the particulars given above are true to the best of my knowledge and belief.

نند کشور وکرم (پبلشر)

Nand Kishore Vikram(Publisher)

طابع و ناشر نند کشور وکرم نے سنجیو آفسیٹ پرنٹرز سے چھپوا کر ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی۔۱۱۰۰۵۱ سے شائع کیا۔

Regd. No. : 45755/85

Alami Urdu Adab

Vol. 33

May- 2012

Rs. 300/-